جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾

جمع کیا ہم نے تمکو اور اگلوں کو پھر اگر کچھ داؤ ہے تمہارا، تو چلا لو مجھ پر

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾ ع اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ

خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی جو ڈر والے ہیں وہ چھاؤں میں ہیں

وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا

اور ندیوں میں اور میوے جس قسم کے جی چاہے کھاؤ اور پیو

هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾

رچ سے بدلہ اس کا جو کرتے تھے ہم یونہی دیتے ہیں بدلہ نیکی والوں کو

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا

خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی کھالو اور برت لو تھوڑے دنوں

اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا

تم مقرر گنہگار ہو خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی اور جب

قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

کہیئے انکو نوو نہیں نوتے خرابی ہے اس دن

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ

جھٹلانے والوں کی اب کس

حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ

بات پر اسکے بعد

يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

یقین لاویں گے

اعلان پراگندگی نظام عالم برائے تکمیل وعدۂ قیامت و بربادی مجرمین وانعام والطاف بر مؤمنین

قال اللّٰہ تعالیٰ ۔ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ

(ربط) گذشتہ سورت میں انسانی ہستی کا بیان تھا کہ کائنات کی تخلیق اور دنیا میں انسانوں کی آبادی اس طرح پیش آئی کہ ایک وقت تھا کہ انسان کا کوئی وجود ہی نہ تھا اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے اسکو عدم سے وجود بخشا اور اسی کے لئے یہ کارخانۂ عالم قائم کیا جیسے کہ فرمان ہے وَخَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا اور ظاہر ہے کہ تخلیق انسان اور نظام کائنات قائم کرنے کی غرض ہے اللہ کی عبادت و بندگی ہے جس پر انسانوں کے دو گروہ بٹ گئے ایک گروہ اہل ایمان و اطاعت کا ہوا دوسرا گروہ نافرمان و مجرمین کا تو اب اس سورت میں نظام عالم درہم برہم کر دینے کا ذکر ہے اور یہ کہ رب العالمین نے قیامت کا جو وعدہ کیا ہے وہ کس طرح پورا ہوگا اسکے لئے ان احوال کو بیان فرمایا جا رہا ہے جو قیامت کے واسطے مبادی ہوں گے اور ان کے پیش آنے پر کائنات کا یہ جملہ نظام درہم برہم کر دیا جائے گا ارشاد فرمایا۔

قسم ہے ان خوشگوار ہواؤں کی جو جاری ہیں لطافت و نرمی کے ساتھ جن کے لطیف جھونکوں سے مخلوق کی زندگی اور انکے منافع وابستہ ہیں[*] پھر قسم ہے ان تیز و تند آندھیوں کے جھونکوں کی جو اکھاڑ پھینکنے

---

[*] ترجمہ میں ان الفاظ کا اضافہ عرفًا کے معنی لغوی و عرفی کے پیش نظر کیا گیا اور اس امر کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے یہ لفظ عربیت کے لحاظ سے تمیز ہے المرسلٰت کے لئے اور مقصد و غرض بھی ایسے نرم و لطیف اور خوشگوار ہوا کے جھونکوں کے واسطے۔

اس موقعہ پر خداوندِ عالم نے جن پانچ چیزوں کی قسم کھائی ہے وہ یہ ہیں المرسلٰت ۔ العاصفات الناشرات الفارقات اور الملقیات،

سورۂ والمرسلات میں اختیار کردہ الفاظ قسم کی تشریح

ان پانچ چیزوں کی مراد اور انکے مصداق کے متعلق ائمہ مفسرین سے متعدد اقوال بعض حضرات صحابہ اور تابعین سے نقل کئے ہیں اعمش ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بیان کیا کرتے تھے کہ ان سے ملائکہ اور فرشتے مراد ہیں لیکن اسکے بالمقابل سفیان ثوری رح یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جب ان آیات کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو فرمایا ان سے مراد ہوائیں ہیں

باقی ص ۳۳۳ پر

والی ہوں درختوں اور عمارتوں کو اکھاڑ پھینکنے کی شدت کے ساتھ پھر ان ہواؤں کی جو بلندی تک لے جانے والی ہوں کسی چیز کو اٹھا کر وہ بخارات ہوں یا گرد و غبار یا بادل ہوں جن کو ہوائیں بلندی تک لے جائیں اور

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ابن عباسؓ اور مجاہدؒ و قتادہؒ سے بھی یہی منقول ہے ان اقوال کا حاصل یہ ہے کہ ایک جماعت پانچوں کو فرشتوں کے معنی پر محمول کرتی ہے دوسری جماعت سب کو ہواؤں پر منطبق کرتی ہے۔

ملائکہ - مصداق ہونے کی صورت میں اس طرح ترجمہ ہوگا قسم ہے ان فرشتوں کی جو بھیجے جاتے ہیں (حضرات انبیاء علیہم السلام کی طرف) نیکی اور بھلائی کیلئے" اس لئے کہ وہ وحی الٰہی لے کر آتے ہیں اور اللہ کی وحی ہی دین و دنیا کی خیر اور فلاح کی ضامن ہے پھر ان فرشتوں کی جو اکھاڑ پھینکنے والے ہیں کہ وہ عالم میں تغیر و تبدل اور ہنگامہ و تہلکہ جیسی باتوں کے لئے مامور ہیں پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو پھیلا دینے والے ہیں یعنی ایسی جماعت جو مثلاً قحط و ارزانی صحت و بیماری جیسی چیزوں کو عالم میں پھیلانے پر مامور ہے پھر ان فرشتوں کی جو فرق کر دینے والے ہیں عالم میں فرق کر دینا حق و باطل - ضعف و قوت، نور و ظلمت، حرارت و برودت اچھے برے اور نفع و نقصان جیسے امور میں اور ایک جماعت فرشتوں کی نظام عالم کی تدبیر میں اسی پر مامور ہے پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو ڈالنے والے ہیں ذکر یعنی وہ فرشتے جو تدبیر عالم میں اس پر مامور ہے کہ تکمیل مخلوق کے بعد ان میں ذکر الٰہی ڈالتے ہیں۔ خواہ وہ ذکر غیر اختیاری طور پر اس مخلوق میں ڈالتا ہو جیسے کہ نباتات اشجار و احجار طیور و بہائم اور حشرات سبکی فطرت اور سرشت میں ذکر ڈالا گیا چنانچہ ارشاد ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ اور ارشاد ہے كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ غرض ہر مخلوق ذکر الٰہی کر رہی ہے جیسا کہ کہا گیا۔

بذکرش ہر چہ بینی در خروش است
دلے داند دریں معنی کہ گوش است

یا وہ ڈالنا اس طرح ہو کہ مخلوق اپنے ارادہ اور اختیار سے اس ذکر میں مصروف ہو یہ نوعیت ذوی العقل یعنی انسانوں کے لیے ہے یا جن و ملائکہ کے لیے کہ فرشتے انکے دل میں ذکر کا القاء کرتے ہیں اور فرشتے ہی لوحِ محفوظ سے اللہ کے ذکر تسبیح و تحمید اور اسکی طاعت و عبادت کے احکام لے کر آتے ہیں اور پھر اللہ کے بندے (فرشتوں اور جنوں میں سے اہل ایمان) وہ ذکر کرتے ہیں اور ان احکام پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور وحی الٰہی جو ان فرشتوں کے ذریعہ اتری اس سے انسانوں کے عذر اور حیلے بہانے ہی ختم کر دیئے گئے اور عذاب آخرت سے ڈرایا بھی گیا بہرکیف یہ دونوں قسم کا ذکر فرشتوں ہی نے مخلوق میں لا کر ڈالا تو ان فرشتوں کی ان کلمات میں قسم کھائی گئی تو اس

باقی ص ۳۳۳ پر

فضاء میں پھیلا دیں اور جہاں حکم خدا ہو وہاں پہنچا دیں پھر ان ہواؤں کی جو پھاڑ دینے والی ہوں نباتات یا پھل اور پھولوں کو یا بادلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کہ ان ہی جھونکوں نے زمین کی تہوں کو شق کر کے زمین

باقی حاشیہ ص۳۳۲ نوعیت سے ان پانچوں کلمات سے فرشتوں کی ان قسموں کا بیان ہوا جو نظامِ عالم اور تدبیر خلائق میں ان امور پر مقرر ہیں جن میں تکوین عالم اور عالم کی ہر موجود چیز کی ابتدائی حالت پھر اسکی قوت و کمال تک پہنچنے کی نہایت پھر ممکنات کے اکتساب خیر و شر اور اس کے بعد کی حالت پھر بقاء عالم کے اسباب اور ہر شے کی نشو ونما کی کیفیت کہ عالم عدم سے عالم ظہور تک کیا کیا صورتیں اور تغیرات ظہور پذیر ہوتے ہیں اور پھر سب کی پیدائش کا نتیجہ اور غرض دار آخرت کی تیاری اور اس ضمن میں اہل عقل کے لیے اتمام حجت اور عذاب آخرت سے ڈرانا غرض یہ انواع و اقسام ہیں جو تدبیر عالم میں فرشتوں کے ذریعہ مخلوقات میں جاری ہیں۔

یہ ترجمہ تو اس تقدیر پر ہوا کہ فرشتے مراد ہوں اور اگر ہوائیں مراد ہوں تو پہلی چار قسموں کا مطلب ترجمہ میں ظاہر کر دیا گیا اب اس صورت میں اگر فَالْمُلْقِیَاتِ ذِكْرًا بھی ہوا پر محمول ہو تو یہ معنی ہوں گے کہ وہ ہوائیں جو ذکر اور وحی کو لوگوں کے کانوں میں ڈالنے والی ہیں کیونکہ آواز کا کانوں تک پہنچانا ہوا ہی کا کام ہے جیسے شاہ عبدالعزیز رحمہ نے اپنی تفسیر میں فرمایا۔

تو اس دوسرے قول کے پیش نظر ہوا کی ان پانچ قسموں کو قسم کھانے کے لیے اس بناء پر مخصوص کیا گیا کہ ہوا کا عالم کی بقاء و فناء اور کاروبار میں عجیب دخل ہے سننا، دیکھنا، چھونا، چکھنا، سونگھنا سب کچھ ہوا پر ہی موقوف ہے آواز بھی ہوا کے ذریعے متکیف ہو کر کان پر پہنچتی ہے دیکھنے میں بھی شعاع بصریہ شئے مرئی اور مبصر تک رسائی کرتی ہے کیونکہ عنصر لطیف ہے تو جب کہ کوئی حائل نہیں تو ہوا بھی شعاع بصریہ کے نفوذ کا ذریعہ ہے علیٰ ھذا القیاس دیگر ادراکات کا بھی یہی حال ہے نیز ہوا ہی سے ہر جاندار کی حیات وابستہ ہے تو اس عظمت کے پیش نظر ہواؤں کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا قسم ہے ان ہواؤں کی جو نرم و لطیف اور خوشگوار جھونکوں کی صورت میں چلتی ہیں پھر ان ہواؤں کی جن کے تیز و تند جھونکے درختوں اور سمندر میں چلنے والی کشتیوں کو اکھاڑ پھینکے اور سمندر میں طوفان برپا کر دیں گویا یہ ہوائیں تلاطم اور انقلاب برپا کرنے والی ہیں پھر فا کا لفظ لا کر یہ ظاہر کر دیا گیا کہ ہر چیز کے دو وصف ہوتے ہیں تو وہی ہوائیں جو ابتداء میں نرم و لطیف ہوتی ہیں وہی شدت اختیار کر کے طوفان و تلاطم بھی برپا کر دیتی ہیں پھر ان ہواؤں کی قسم جو عالم میں بکھیرنے اور پھیلانے والی ہیں کہیں بادلوں کو پھیلا رہی ہیں کہیں سردی گرمی کو کہیں صحت و مرض کو کہیں رطوبت و یبوست کو حتیٰ کہ آوازوں کو پھر قسم ان ہواؤں کی جو جدا کرتی ہیں اور فرق کرتی ہیں حتیٰ کہ غلہ کو گھاس کے تنکوں اور پانی کو کدورت سے نیز اجزاء

باقی ص۳۳۴ پر

میں دبے ہوتے تخم اور بیج کو سبزہ کی شکل میں رونما کیا اور ان ہی جھونکوں نے پھولوں کی کلیاں شگفتہ بنائیں اور انہی ہواؤں نے خوشوں کو پھاڑ کر پھل نمودار کیئے اور ان ہی ہواؤں نے بادلوں کو پھاڑ کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کیئے اور پھر مختلف جانبوں میں پھیلا یا پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو اتار کر لاتے ہیں اللہ کی وحی کو عذر ختم کرنے کے لیے یا ڈرانے کے لیے کہ کافروں اور نافرمانوں کے لیے کوئی عذر کی گنجائش نہ رہے اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ اے اللہ ہمیں تو خبر نہ تھی یا ڈرانے کے لیے عذاب آخرت سے کہ اگر کسی کو علم بالاحکام ہو تو ہو لیکن اسکو خوفِ خدا نہیں اور آخرت کے عذاب کا ڈر نہیں تو فرشتوں نے اللہ کی وحی اتار کر حیلے اور معذرت کا دروازہ بھی بند کر دیا اور اس وحی الٰہی میں خوفِ خدا اور عذابِ آخرت کا سامان بھی مہیا کر دیا اور ہر ذکر اور وحی خداوندی میں ان دونوں باتوں میں سے ضرور ایک نہ ایک چیز موجود ہے اس سے خلو ممکن نہیں البتہ یہ دونوں چیزیں بہت سی جگہ مجتمع ہو کر بھی پائی جاتی ہیں[ے] آگاہ ہو جاؤ اے لوگو! بے شک بس اسکے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا گیا وہ یقیناً واقع ہونے

باقی حاشیہ ۳۳۳ نباتیہ کو اجزاء حیوانیہ سے جدا کرنا اسی ہوا کا کام ہے پھر یہی ہوا ہے جو مغروروں اور سرکشوں کے اجسام کے اعضاء کو مرنے کے بعد پارہ پارہ کرکے اڑانے اور جدا کرنے والی ہے کہ سر کہیں اور جسم کہیں الغرض یہ ہوا ہی تمام عالم میں جمع وتفریق اور تالیف وانتشار کا کرشمہ دکھا رہی ہے تو یہ ناشرات وفارقات ہوائیں انقلاب وتغیر اور اشیاء عالم کی پراگندگی اور انکے اجتماع کو ظاہر کرکے قیامت کا نمونہ پیش کر رہی ہیں اور پھر اخیر میں ان ہواؤں کی قسم کھائی جو ذکر الٰہی اور وحی خداوندی عالم میں پھیلانے والی ہیں تو اسی طرح مخاطب کے ذہن میں ان احوال وامور کا جو قیامت کا نقشہ بڑی سہولت سے ہر مخاطب کے سامنے لاسکتے ہیں جواب قسم میں قیامت کا واقع ہونا بیان فرمایا اِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعٌ۔ اے انسانو! جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ بے شک ہو کر رہے گی۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کی رائے یہ ہے کہ اول چار قسمیں ہواؤں کی ہیں اور پانچویں قسم فرشتوں کی ہے ہم نے ترجمہ میں اسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے پانچویں قسم کے ساتھ فرشتوں کا ترجمہ کیا واللہ اعلم بالصواب تفصیل کے لیئے روح المعانی تفسیر عزیزی اور تفسیر حقانی کی مراجعت فرمائیں ۱۲

ے ان کلمات کا اضافہ اس بات کو واضح کرنے کیلیئے ہے کہ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا میں اَوْ انفصالِ حقیقی کے لئے نہیں ہے اور نہ مانعۃ الجمع ہے بلکہ یہ بطریق قضیہ منفصلہ مانعۃ الخلو ہے کہ ہر وہ ذکر جس کا فرشتوں نے القاء کیا ہے اس میں کسی جگہ عذر ومعاذیر کو ختم کرنا ہے تو کسی جگہ عذاب سے ڈرانا ہے یہ دونوں باتیں کبھی علیحدہ علیحدہ پائی جاتی ہیں اور کہیں کسی ذکر اور وحی میں دونوں مجتمع اور موجود ہوتی ہیں لیکن یہ ممکن نہیں کہ ان میں سے کوئی نہ ہو۔

والی ہے اور وہ قیامت ہے آخرت میں میدان حشر کی پیشی حساب وکتاب اور جزاء سزا جیسے جملہ احوال ہیں جن میں جنت و جہنم بھی ہے بلاشبہ ان میں سے ہر ایک بات واقع ہو کر رہے گی اور انکے وقوع میں شبہ کرنے والے کو دیکھ لینا چاہیئے کہ عالم میں چلتی ہوتی ہواؤں میں دن رات قیامت بعث بعد الموت اور فناء و بقا کے نمونے موجود ہیں جن کو ہر انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے تو پھر کون ہے جو اس روز قیامت کے آنے میں شبہ کرے جان لینا چاہیئے کہ قیامت کا دن ایسا ہوگا جب کہ ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے اور آسمانوں میں شگاف پڑ جائیں گے اور پھٹ کر ان میں دریچے اور جھروکے جیسے نظر آنے لگیں گے اور جب کہ پہاڑ ریزہ ریزہ کرکے اڑا دیئے جائیں گے حتی کہ روئی کے گالوں کی طرح اڑنے لگیں گے اور جب کہ رسولوں کو ایک وقت مقرر کرکے ساتھ متعین و مقرر کر دیا جائے گا جو یکے بعد دیگرے اپنی اپنی امتوں کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں پیش ہوں گے اور پھر رسولوں سے بھی سوال ہوگا اور انکی امتوں سے بھی پوچھا جائے گا یہ ہے قیامت! اور قیامت کے وقت پیش آنے والے احوال اور جانتے بھی ہو اے لوگو! کس دن کے واسطے ان چیزوں کو مؤخر اور ایک طے شدہ وقت کیلئے موقت کیا گیا ہے یہ سب کچھ اس دن کے لیے جو ہر بات اور ہر چیز میں آخری اور دو ٹوک فیصلہ کا دن ہے اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ دن اسی وقت برپا کر دیتا اور ابھی ہر چیز کا فیصلہ ہو جاتا لیکن اسکی حکمت کا تقاضا تھا کہ اسکو مؤخر کیا جائے اور اے انسان تو جانتا بھی ہے کہ کیا ہے یہ فیصلہ کا دن مت پوچھو کہ یہ فیصلہ کا دن کیا ہے؟ اسکی ہیبت و شدت کی کوئی حد نہیں اور جھٹلانے والوں کے لیے اس روز سخت مصیبت و تباہی کا سامنا ہوگا اور یکا یک ایسی ہولناک صورت سامنے آجائے گی کہ ہوش و حواس پراگندہ ہوں گے اور حسرت و ندامت ان منکرین پر مسلط ہو گی بس ہلاکت و بربادی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیئے یہ منکرین و مکذبین سمجھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کہاں اس قدر وسیع دنیا ہلاک ہوجائے گی اور کس طرح ہم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور نسل انسانی نیست و نابود ہو کر کس طرح زندہ کی جائے گی کہاں جہنم اور عذاب جہنم اور کیسی جنت اور جنت کی نعمتیں تو منکرین و مکذبین کو کیا یہ معلوم نہیں ہم ان سے پہلے کتنوں کو ہلاک کر چکے ہیں پھر ہم ان کے بعد لاتے رہے بعد والوں کو تو موت و ہلاکت اور پہلوں کے دنیا سے نیست و نابود ہو کر پچھلوں کا آنا کوئی عجیب بات نہیں ہماری قدرت کا یہ سلسلہ تا دمِ قدیم سے چلا آرہا ہے جسکو

ؔ جیسا کہ ارشاد ہے وَیَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً اور ارشاد ہے وَیَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۱۲

ؔ یہ وہی مضمون ہے جو يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ میں ذکر فرمایا گیا۔

یہ دیکھتے رہے ہیں تو پھر انہوں نے یہ کیسے خیال کیا تھا کہ ہم دنیا کے انسانوں کو فنا کر کے دوبارہ قیامت کے روز انکو نہیں اٹھائیں گے ہم ایسا ہی کرتے ہیں مجرمین کے ساتھ کہ ان پر جرم کے سبب عذاب نازل کیا انکو ہلاک کر کے پھر دوسری قوم کو لے آتے تو اب ہم نے قیامت کے روز سب مجرموں کو جمع کر لیا تاکہ انکو عذاب دیں اور سب اہل ایمان کو بھی جمع کر لیا تاکہ مجرمین اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ایمان و یقین والوں کے واسطے کیسے کیسے انعامات ہیں پس ہلاکت و بربادی ہے جھٹلانے والوں کے لیے آخر انکار کرنے والوں نے کیوں قیامت کا انکار کیا اے انسانو ! کیا ہم نے پیدا نہیں کیا ہے تمہیں ایک حقیر پانی سے نطفۂ منی سے پھر کیا نہیں رکھا ہے ایک محفوظ ٹھیراؤ کی جگہ میں یعنی رحم مادر میں جہاں اس نطفہ نے نہایت ہی محفوظ طریقہ سے نشو ونما پایا اعضاء کی ساخت ہوتی شکل وصورت بنی اس میں حیات وروح کو ڈالا یہ سب کچھ اس کے معین کردہ وقت تک کیلئے ہوتا

ف اس موقعہ پر جس اہم اور عظیم الشان مضمون کے لیئے خداوندِ عالم نے پانچ چیزوں کی قسم کھائی اوران قسموں پر اصل مدعیٰ اور مقصد کو واضح فرمایا وہ مقصد و مدعیٰ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ہے کہ قیامت جس کا وعدہ کیا گیا ہے وہ برحق ہے اور صادق ہے اور بلاشبہ قیامت واقع ہو کر رہے گی تو اس کے ثابت کرنے کے لیے منجملہ دلائل یہ بھی ایک اہم دلیل بیان کی گئی اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ یعنی انسانی تخلیق کا یہ سلسلہ یقینًا اللہ رب العزت کی قدرتِ کاملہ کی دلیل تو ہے ہی لیکن اس نظامِ قدرت میں قیامت اور بعث بعد الموت کا بھی پورا پورا نمونہ موجود ہے کہ کس طرح خداوندِ عالم نے ایک قطرہ میں انسان کے تمام جسم اور اعضاءِ جسم کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے کہ سر سے پاؤں تک کے جملہ اعضاء بطور جوہر اس ایک قطرہ میں ہیں پھر صرف یہی نہیں کہ اجزاءِ بدنیہ بلکہ ہر شخص کی عادات خصلتیں مزاج شکل وصورت حتیٰ کہ آواز اور طرزِ گفتگو جیسی کیفیات بھی اس میں جمع کر دی ہیں چنانچہ اسی ذریعہ سے یہ ساری صفات اور کیفیات اولاد میں منتقل ہوتی ہیں تو اس طرح بعث بعد الموت کا مسئلہ ثابت کیا گیا کہ بس سمجھ لو ایسے ہی خداوندِ عالم انسانوں کے مرنے کے بعد انکے اجزاء بدنیہ سمیٹ کر اٹھالے گا خواہ وہ کسی بھی حالت کو اختیار کر چکے ہوں اور انسانی اجزاء کا جمع کر کے اٹھانا اس سے زیادہ عجیب نہیں کہ ایک قطرۂ منی میں تمام اجزاءِ بدن اور اوصاف وعادات جمع کر کے اس کو دوبارہ ایک انسانی شکل وصورت میں پیدا کیا جائے تو اس طرح اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ کا مضمون اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ کے ثبوت کے لیے دلیل کے طور پر مرتب کیا گیا واللہ اعلم بالصواب - ۱۲

ہے جو مدتِ حمل ہے اس وقت پر انسان ان تمام تدریجی مراحل کو طے کر کے دنیا میں آتا ہے تو ہم نے ایک وقت کا اندازہ کر دیا ہے اور طے کر لیا ہے بس ہم بہت ہی اچھے انداز سے وقت مقرر کرنے والے ہیں کہ کیسی خوبی سے ایک نطفہ کے لیے تدریجی مراحل سے نشو و نما مقدر کر کے اسکو انسانی شکل میں پیدا کیا جبکہ انسانی عقل و فکر کے محدود دائرہ میں سوچنے والا انسان تصور نہیں کر سکتا تھا کہ یہ حقیر سا قطرہ اتنی مدت کے بعد بہترین اعضاء کی ساخت شکل و صورت حیات و ادراک اور عقل و شعور کی تمام صلاحیتوں کے ساتھ پیدا ہو جاتے گا تو بس اسی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ انسان مرنے اور ہلاک ہونے کے بعد دوبارہ قیامت کے روز زندہ ہو کر اٹھے گا رہا یہ امر کہ وہ قیامت کب آتے گی۔ تو یہ ایک مقرر کردہ وقت ہے جو اللہ نے اپنی ایسی ہی حکمت بالغہ اور کاملہ سے مقرر کر رکھا ہے جیسا کہ ہر نطفہ کی پیدائش کا اس نے اپنی حکمت[عہ] سے وقت مقرر کیا اور اس میں مہلت رکھی پس ہلاکت و بربادی ہے اس دن انکار کرنے والوں کے لیئے تو کیا یہ تمام چیزیں اس بات کا ثبوت نہیں ہیں کہ وہ خداوندِ عالم قیامت قائم کرنے پر قادر ہے اور ان منکرین کا یہ کہنا کہ "ہم مٹی میں ملنے کے بعد جب کہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو پھر کیونکر ہم دوبارہ زندہ ہو سکتے ہیں"، نہایت ہی لغو اور مہمل بات ہے انکو دیکھنا چاہیئے کہ کیا ہم نے نہیں بنایا ہے زمین کو جو سمیٹنے والی ہے زندوں کو اور مردوں کو جس پر زندہ بھی آباد ہیں اور مردے بھی اسی میں مرنے کے بعد دفن ہیں اس طرح زندوں کو بھی اسی خاک سے حیات و زندگی ملی اور مر کر بھی اسی میں چلے گئے تو جس خاک سے انسانوں کی نشو و نما ہے اسی خاک میں ملنے والے انسانوں کے اس میں سے اٹھنے اور دوبارہ زندہ ہونے پر کیا تعجب ہے کیوں نہیں اس بات کو دیکھ کر کہ ہر دانہ زمین میں بو دیئے جانے کے بعد جب کہ وہ مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ اور بظاہر مٹی ہی بن جاتا ہے کس طرح اگ رہا ہے قیامت اور بعثِ بعد الموت کا مسئلہ نہیں سمجھتے تو جب زمین میں دفن ہو چکنے کے بعد ہر دانہ اور تخم دوبارہ پیدا ہو رہا ہے تو کیوں نہیں انسان زمین میں مل کر اور خاک ہو کر دوبارہ پیدا ہو سکتے تو جس قادر مطلق کی قدرت کے یہ نمونے دن رات نظروں کے سامنے ہیں اس قادر مطلق کو کیا مشکل ہے کہ عالم کو فنا کر کے قیامت قائم کر دے اور اس زمین میں ہم نے بناتے ہیں ایسے جم جانے والے بوجھل پہاڑ جن کی چوٹیاں بلند ہیں جو اپنی جگہ سے ذرہ بھی جنبش نہیں کھاتے تو یہ زمین کس قدر مضبوط ہے کہ اس نے اپنے اوپر ایسے وزنی پہاڑوں کو اٹھا

عہ ان کلمات سے اشارہ کیا گیا کہ آیت فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُوْنَ کا تعلق ہر دو مدتوں کی تقدیر اور تعیین سے ہے یعنی مدّت حمل کی تقدیر تو جس طرح مدت حمل کی تقدیر اللہ کی حکمت کاملہ پر مبنی ہے اسی طرح قیامت کی مدت بھی اللہ نے اپنی حکمت کاملہ سے طے کر رکھی ہے اور وہ اسی پر واقع ہو گی۔ ۱۲۔

رکھا ہے جنکی بلند چوٹیاں بادلوں سے بھی اوپر تک پہنچی ہوتی ہیں اور اسی زمین اور پہاڑوں سے چشمے جاری کرکے تمکو میٹھا پانی پلایا جو پیاس بجھانے والا ہے پانی کے یہ سیال چشمے مضبوط زمین اور سخت چٹانوں سے جاری ہوکر خدا کی عظیم قدرت کا نمونہ دنیا کی نگاہوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں تو جو خداوند عالم اپنی قدرتِ کاملہ کے یہ متضاد نمونے دکھلا رہا ہے اور موت وحیات اور سختی و نرمی کے مناظر پیش کر رہا ہے کیا وہ خدا میدانِ حشر میں نرمی و سختی اور نجات و ہلاکت کے مناظر نہیں دکھلا سکتا؟ نیز جس کے قبضہ میں تمام اسبابِ حیات ہیں اور وہ پہاڑوں کے سینہ میں معدنیات پانی کے چشمے اور بے شمار چیزیں جمع کرنے والا ہے اس پروردگار کو کیا مشکل ہے کہ انسانوں کے مرنے کے بعد زمین میں دفن ہونے کے بعد ریزہ ریزہ ہو چکنے کے بعد ابدان کو اور ان اجسام کو جو ریزہ ریزہ ہوکر ہواؤں میں اڑ رہے ہوں یا پانی کی موجوں میں بہہ رہے ہوں انکو اپنی قدرتِ بالغہ سے سمیٹ کر جمع کرلے اور دوبارہ میدان حشر میں اٹھالے ان حقائق اور مناظرِ قدرت کو دیکھ کر تو کسی کی یہ مجال نہ ہونی چاہیئے کہ انکار کرے لیکن افسوس کہ پھر بھی بہت سے انکار کرنے والے انکار کرتے ہیں پس ہلاکت وتباہی ہے انکار کرنے والوں کے لیے بہرکیف قیامت کا برپا ہونا یقینی ہے اور خداوندِ عالم جس کی قدرت کے یہ عظیم کرشمے نظروں کے سامنے ہمہ وقت موجود ہیں انکے ہوتے ہوئے کسی کو مجال نہیں کہ قیامت کا انکار کرسکے تو جب قیامت قائم ہوگی مردوں کو انکی قبروں سے اٹھایا جا رہا ہوگا آفتاب کی تپش سے لوگوں کے دماغ کھول رہے ہوں گے اہل ایمان کیلئے سایۂ عرش ہوگا اور مجرمین ومنکرین بدحواسی کے عالم میں ہوں گے تو ان سے کہا جاتے گا چلو اس چیز کی طرف جس کو تم جھٹلاتے تھے اور اسکا انکار کرتے تھے وہ نامۂ اعمال کی پیشی اور میزانِ اعمال پر حاضری اور جہنم کے کناروں پر قائم کردہ پل پر سے گذرنا ہے اس اعلان پر منکرین وکفار بے چینی سے گریہ وزاری کرنے لگیں گے تو پھر انکو کہا جاتے گا اچھا چلو ایک ایسے سایہ کی طرف جس کی تین شاخیں ہیں ایک طرف اشارہ کرکے کہا جاتے گا دور سے ظاہر ہوگا کہ وہ ایک سایہ ہے جس کی تین شاخیں ہیں فرشتوں کے اس اعلان

؂ یہ تین شاخوں والا دھواں اس طرح ہوگا دائیں بائیں اور سر پر محیط گویا ہر طرف سے گھیرنے والا ہوگا بظاہر اسکی حکمت یہ ہوگی کہ عالم آخرت میں انسان کے اعمال عالم مثال میں حقائق موجودہ کی شکل میں رونما ہوتے ہیں تو یہ انکے اعمال فاسدہ اور عقائدِ باطلہ کی تاریکی ہوگی جو ہر طرف سے ان کو محیط ہوگی اور دھوئیں کی شکل میں ظاہر ہو رہی ہوگی۔

حضراتِ عارفین فرماتے ہیں کہ انسان کے اندر تین لطیفے ہیں جنکی اصلاح اسکو مقام ملکیت تک پہنچا دیتی ہے اور اسکا فساد اسکو شیاطین کے زمرے میں شامل کردیتا ہے ایک بائیں طرف جو لطیفۂ قلب ہے جس کا فساد قوتِ غضبیہ کو حد سے بڑھا کر ظلم وسرکشی پر آمادہ کرتا ہے دوسرا دائیں طرف ہے جس کا فساد قوتِ شہویہ کو بڑھاتا ہے اور اسکی وجہ سے انسان فسق وفجور*

پر وہاں پہنچیں گے تو کچھ اور ہی پائیں گے نہ تو وہ سایہ ہوگا ڈھانکنے والا جس میں کوئی ٹھنڈک اور چین ہو اور نہ ہی وہ جہنم کی لپٹوں اور شعلوں سے بچانے والا ہوگا بلکہ وہ سایہ تو درحقیقت جہنم سے اُٹھنے والا دھواں ہوگا اور قعرِ جہنم سے اُٹھنے والے سیاہ شعلے ہوں گے جو پہاڑوں کی بلندی کی طرف اوپر کی جانب بلند ہوتے ہوں گے اور دور سے محسوس ہوگا کہ وہ کوئی سایہ ہے۔

وہ جہنم پھینکتی ہوگی ایسے شعلے اور انگارے جو محل کی طرح بلند ہوں گے دیکھنے میں ایسا محسوس ہوگا گویا وہ اونٹ ہیں زرد رنگ کے کہ ابتداء میں وہ انگارے اور شعلے محل کی بلندی کے بقدر قعرِ جہنم سے بلند ہوتے ہوں گے پھر ان میں سے ٹوٹ ٹوٹ کر چنگاریاں ایسی نظر آئیں گی جیسے زرد رنگ کے اونٹ ہوں یہ ہے وہ عذاب جو آخرت میں مجرمین و منکرین کے لئے ہوگا افسوس ہلاکت و بربادی ہے اس دن انکار کرنے والوں کے لیے اس دن کی شدت اور عذاب کی سختی کا کیا حال بتایا جاتے یہ وہ دن ہوگا جس میں وہ بول نہ سکیں گے اور اگر اس سے قبل روز محشر کچھ بولے بھی ہوں وہ بے سود تھا اور نہ انکو اجازت ہوگی کہ وہ کوئی معذرت پیش کریں اور توبہ کریں پس ہلاکت و بربادی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ان منکرین نے جو یہ سمجھ رکھا تھا کہ دنیا کی عدالتوں میں جس طرح حیل و حجت اور عذر و معذرت سے کام چل جاتا ہے شاید میدانِ حشر میں اسی طرح ہم کچھ حیلے بہانے یا معذرت و توبہ کرکے چھوٹ جائیں گے نہیں ہرگز نہیں وہاں نہ تو بولنے کی سکت ہوگی اور نہ کوئی معذرت و توبہ قبول ہوگی بہرحال یہ ہے فیصلہ کا دن جس میں حق و باطل نیکی و بدی اور ایمان و کفر کا فیصلہ کردیا جاتے گا اور ہر عمل کا انجام سامنے ہوگا مومنین جدا ہوں گے اور مجرمین و منکرین جدا ہوں گے ایک گروہ نجات و کامیابی پر شاداں و فرحاں ہوگا تو دوسروں کے چہروں پر ذلت و حقارت اور پریشانی و پشیمانی برس رہی ہوگی غرض ہر چیز کا فرق سامنے ہوگا اور ہر عمل کا فیصلہ ہو رہا ہوگا جمع کردیا ہے ہم نے تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے گذرے ہیں تاکہ سب کو اکٹھا کرکے پھر الگ الگ کردیں اور آخری فیصلہ سب کو سنا دیں تو اے مجرمو! اگر کوئی تدبیر کرسکتے ہو تو کرلو وہ

٭ اور بدکاریوں میں پڑجاتا ہے کیونکہ جگر معدن خون ہے اور یہی شہوتوں کا سرچشمہ ہے تیسرا لطیفہ دماغ ہے جو قوت ادراکیہ کا خزانہ اور معدن ہے تو پہلے دو لطیفوں کا فساد عملی خرابیوں کا باعث ہے اور تیسرے لطیفہ کا فساد عقائدِ باطلہ کا سبب ہے اس طرح اعمال خبیثہ اور عقائدِ باطلہ ان لطائف کی خرابی پر مرتب ہوتے تو اس مناسبت سے یہ اعمال خبیثہ اور عقائدِ جہنم کے دھوئیں اور شعلوں سے ظاہر ہونے والے سایہ کی تین شاخوں کی شکل میں نمایاں ہوں گے واللہ اعلم بالصواب

(روح المعانی-فتح المنان)

تدبیر میرے مقابلہ میں اور آجائیں وہ گستاخ بھی جو کہا کرتے تھے دوزخ کا ذکر (اور ان پر مقرر انیس فرشتوں کو) سن کر کہ "سترہ کو تو میں اکیلا ہی کافی ہو جاؤں گا" باقی دو سے تم نمٹ لینا بس ہلاکت و تباہی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیئے ظاہر ہے کہ سب کچھ مصائب اور عذاب کی شدت و سختی اور میدانِ حشر کی پریشانی منکرین و مکذبین کے لیئے ہے جو انکے کفر و نافرمانی اور سرکشی کا نتیجہ ہے لیکن انکے بالمقابل اہل ایمان و طاعت کامیاب و کامران ہوں گے اللہ رب العزت کی نعمتوں اور اسکی رضاء و خوشنودی سے سرفراز ہوں گے۔ جن کی راحت و نعمتوں کا یہ حال ہوگا کہ بے شک تقویٰ اور ایمان والے نہایت ہی راحت و سکون کے ساتھ جنت کے سایوں میں اور چشموں میں جن سے پانی اور دودھ کی نہریں بہتی ہونگی اور ہر قسم کے میوے اور پھلوں میں ہوں گے جس قسم کے بھی وہ چاہیں غرض ہر طرح کا آرام و سکون عزت اور ہر قسم کی نعمتیں ہونگی اور انکو کہہ دیا جاتے گا کھاؤ اور پیو مزے سے خوب بلا کسی روک ٹوک کے یہ سب کچھ ان اعمال کا بدلہ ہے جو تم کرتے تھے دنیا کی زندگی میں بیشک ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں نیکی کرنے والوں کو مگر اس کے برعکس ہلاکت و تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیئے یہ مجرمین و مکذبین جو دنیا کی لذتوں اور عیش و عشرت میں مست تھے اور آخرت کو انہوں نے بھلا رکھا تھا انکو دنیا میں ہی اسی وقت بتا دیا گیا تھا کھالو اور مزے اڑالو تھوڑے دنوں تک یقیناً تم مجرم ہو اور تم کو یہ چند دن اور قلیل مدت گذرنے پر معلوم ہو جاتے گا کہ تمہارا انجام کس قدر بُرا ہے افسوس! ہلاکت و بربادی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے دنیا کی زندگی نے ان مجرموں کو ایسا سرکش و نافرمان بنادیا تھا کہ جب ان سے کہا جاتا کہ جھک[۱] جاؤ اللہ کے سامنے تو نہیں جھکتے تھے اور کسی طرح خدا کے سامنے سرنگوں ہونے اور عبادت و بندگی کے لیے تیار نہ ہوتے جس کا یہ انجام دیکھ لیا بس ہلاکت و بربادی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے قرآن حکیم نے کس قدر واضح دلائل بیان کر دیئے جن کے بعد خدا اور آخرت پر ایمان لانے میں کوئی تردد ہی نہ رہنا چاہتے لیکن انکار کرنے والے اب بھی اگر ایمان نہیں لاتے تو پھر اسکے بعد اور کون سی بات ہوگی جس پر وہ ایمان لائیں گے اور اس پر یقین کر کے آخرت کو مانیں گے نہ تو قرآن کے بعد اب کوئی اور کتاب نازل ہوگی اور جو دلائل و حقائق ذکر کیئے گئے ان کے بعد احاطۂ تصور میں مزید کسی دلیل اور تحقیق کا امکان نہیں اور نہ ہی خاتم الانبیاء والمرسلین جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اور کوئی نبی مبعوث ہوگا کہ یہ توقع کرلی جاتے کہ شاید کسی اور پیغمبر کے کسی معجزہ کو دیکھ کر یا دلیل کو سن کر مان لیں اور ایمان لے آئیں بہرحال جو بدنصیب بھی

---

[۱] لفظ ارکعوا کا ترجمہ "جھک جاؤ" اس لفظ کے معنی لغوی کے لحاظ سے کیا گیا اور یہی زیادہ بلیغ ہے بہ نسبت اسکے کہ یہاں رکوع کو رکوع اصطلاحی کے معنی پر محمول کیا جاتے ۱۲۔

ان قرآنی دلائل وحقائق کے باوجود ایمان سے محروم رہے تو اسکے بعد کوئی توقع نہیں کہ وہ کسی اور بات پر ایمان لاسکے گا۔

خَسِرَ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِيۡنُ۔ اعاذنا اللہ منہ ووفقنا من فضلہ وکرمہ للایمان والثبات علی الدین فیارب ثبتنا علی الاسلام وعلی ملۃ نبیّنا صلی اللہ علیہ وسلم توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین غیر خزایا ولا مفتونین آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

آیت وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ کے تکرار کی حکمت

سورۃ المرسلات میں یہ آیت مبارکہ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ دس جگہ ارشاد فرمائی گئی تکرار آیاتِ قرآنیہ کی حکمت سورۃ الرحمٰن میں "فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ" میں بیان کر دی گئی وہ تو ہر جگہ اور جو بھی آیات قرآن کریم میں بار بار ہیں ان پر منطبق ہوتی ہے یہاں یہ آیت دس بار مکرر ہے بعض عارفین کے کلام سے یہاں اسکے تکرار کی مزید ایک خاص حکمت بھی معلوم ہوتی ہے۔

سورۃ المرسلات میں اصل خطاب منکرین قیامت سے ہے اسی ضمن میں دس مرتبہ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ کا اعادہ کرکے یہ ظاہر کرنا بظاہر مقصود ہے کہ منکرینِ قیامت دس وجوہ سے ہلاکت وبربادی میں ہیں تو ہر وجہ کے پیش نظر ہلاکت وبربادی کی یہ وعید بیان فرما دی گئی جس کی تفصیل اس طرح سمجھ لی جاتے کہ انسان میں قدرتِ خداوندی کی طرف سے تین قوتیں رکھی گئی ہیں جن کی اصلاح سے سعادت اور فلاح کا ترتب ہوتا ہے اور انکے فساد سے شقاوت وبدبختی اور ہلاکت وبربادی ہے اوّل قوتِ نظریہ جس پر مدار رائے صحیح اور اعتقادات کا دارومدار ہے کا فردل اور منکرین قیامت نے اسکو بگاڑ رکھا تھا متعدد وجوہ سے اوّل ذاتِ خداوندی کا شرک کرکے دوم صفاتِ خداوندی میں بیہودہ اور لغو خیالات اور من گھڑت تصورات باطلہ قائم کرکے سوم فرشتوں کے بارہ میں یہ عقیدہ رکھنے کی وجہ سے کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں ہمارے کاروبار کے وہی مالک ومختار ہیں چہارم یہ کہ انسان کی زندگی بس دنیا ہی تک محدود ہے نہ حشر ہے نہ بعث بعد الموت پنجم قضاء وقدر کا انکار اور مخلوقات کی اس میں شرکت ششم انبیاء علیہم السلام اور کتب سماویہ کا انکار اور انکے اوامر وہدایات سے سرتابی تو یہ چھ قسم کی خرابیاں تو منکرین قیامت میں قوتِ نظریہ کے فساد کی وجہ سے پائی جاتی ہیں دوسری قوتِ شہویہ جس کی خرابی افراط وتفریط ہے افراط کے باعث انسان بہائم کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور تفریط کی وجہ سے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے تو یہ دونوں عیب منکرینِ قیامت میں تھے تیسری قوت غضبیہ ہے اس میں بھی افراط انسان کو بہائم اور

درندوں سے بڑھا دیتا ہے اور اس کی وجہ سے ظلم و تعدی کی کوئی حد نہیں رہتی اور تفریط انسان میں سے حمیت و غیرت کا وصف ختم کر دیتی ہے نوبت یہاں تک ہو جاتی ہے کہ محارم الٰہیہ کی بے حرمتی اور گستاخی پر غصہ تو درکنار کان پر جوں تک نہیں رینگتی تو دو خرابیاں یہ ہوئیں اس طرح ظاہر ہوا کہ منکرین قیامت اور ایسے مجرمین ان دس خرابیوں میں مبتلا تھے تو ہر ایک خرابی کے بالمقابل ایک بار فرما دیا گیا وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ واللہ اعلم بالصواب

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ المرسلات

الحمد للہ ۲۹ ویں پارے کی تفسیر مکمل ہوئی۔



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ النَّبَاِ

اٰیَاتُھَا ۴۰ ۷۸ سُوۡرَۃُ النَّبَاِ مَکِّیَّۃٌ ۸۰ فِیۡھَا رُکُوۡعَا ۲

سورۃ نبا مکی ہے، اور اس میں چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۱﴾ عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۲﴾ الَّذِیۡ

کیا بات پوچھتے ہیں لوگ آپس میں؟ وہ بڑی خبر - جس میں

ھُمۡ فِیۡہِ مُخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۳﴾ کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴﴾ ثُمَّ کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵﴾

وہ کئی طرف ہو رہے ہیں۔ یوں نہیں! اب جان لیں گے۔ پھر بھی یوں نہیں! اب جان لیں گے۔

اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِھٰدًا ﴿۶﴾ وَّ الۡجِبَالَ اَوۡتَادًا ﴿۷﴾ وَّ

ہم نے نہیں بنائی زمین بچھونا؟ اور پہاڑ میخیں؟ اور

خَلَقۡنٰکُمۡ اَزۡوَاجًا ﴿۸﴾ وَّ جَعَلۡنَا نَوۡمَکُمۡ سُبَاتًا ﴿۹﴾ وَّ جَعَلۡنَا

تم کو بنایا جوڑے جوڑے۔ اور بنائی نیند تمہاری دفع ماندگی۔ اور بنائی

الَّیۡلَ لِبَاسًا ﴿۱۰﴾ وَّ جَعَلۡنَا النَّھَارَ مَعَاشًا ﴿۱۱﴾ وَ بَنَیۡنَا فَوۡقَکُمۡ

رات اوڑھنا۔ اور بنایا دن روزگار کو۔ اور چنی تم سے اوپر

سَبۡعًا شِدَادًا ﴿۱۲﴾ وَّ جَعَلۡنَا سِرَاجًا وَّھَّاجًا ﴿۱۳﴾ وَّ اَنۡزَلۡنَا مِنَ

سات چنائی مضبوط۔ اور بنایا ایک چراغ چمکتا۔ اور اُتارا

الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿١٤﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿١٥﴾ وَّ

نچڑتی بدلیوں سے پانی کا ریلا - کہ نکالیں اس سے اناج اور سبزہ - اور

جَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿١٦﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿١٧﴾ يَّوْمَ

باغ پتوں میں لپٹ رہے۔ بیشک دن فیصلے کا ہے ایک وقت ٹھہر رہا - جس

يُّنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿١٨﴾ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ

دن پھونکیں نرسنگا، پھر چلے آؤ جٹ جٹ - اور کھولا جاوے آسمان،

فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿١٩﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾

تو ہو جاویں دروازے۔ اور چلائے جاویں پہاڑ، تو ہو جاویں ریتا -

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ﴿٢٢﴾

بیشک دوزخ ہے تاک میں - شریروں کا ٹھکانا -

لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿٢٣﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا

رہتے ہیں اس میں قرنوں - نہ چکھیں وہاں کچھ مزا ٹھنڈک کا۔ اور نہ

شَرَابًا ﴿٢٤﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿٢٥﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٦﴾ اِنَّهُمْ

کچھ پینا، مگر گرم پانی اور بہتی پیپ - بدلہ ہے پورا - وہ تھے

كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾

توقع نہ رکھتے حساب کی - اور جھٹلاتے ہماری آیتیں مکرا کر

وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿٢٩﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ

اور ہر چیز ہم نے گن رکھی لکھ کر - اب چکھو کہ ہم بڑھاتے نہ جاویں گے

اِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾ ع ۱

تم پر مگر مار -

گستاخی مجرمین بصورت سوال و مطالبہ روز قیامت و ذکر قانون جزاء و سزا مع دلائل قدرت

قال اللہ تعالیٰ - عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ .... الیٰ .... فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا

(ربط) سورۂ نباء مکی سورت ہے جس کی چالیس آیات اور دو رکوع ہیں۔ اس سے قبل سورۃ المرسلات میں حق تعالیٰ شانہٗ نے بڑی ہی قوت وعظمت کے ساتھ اعلان فرمایا کہ جس قیامت کا انسانوں سے وعدہ کیا گیا وہ یقیناً برپا ہو کر رہے گی۔ اس کے لیئے خداوندِ عالم نے ہواؤں اور فرشتوں کی قسم کھا کر نہ صرف یہ کہ وقوع قیامت کا اعلان فرمایا بلکہ احوالِ قیامت بھی ذکر کر دیئے گئے کہ جب نظامِ عالم درہم برہم ہوگا۔ تو زمین و آسمان اور چاند سورج اور کواکب کا کیا حال ہوگا۔ اب اس سورت میں مجرمین و منکرین قیامت کے معاندین جس گستاخی سے سوال کرتے تھے یا یہ مطالبہ کہ قیامت کب آئے گی۔ اور کیوں نہیں قیامت واقع ہوتی بیان کر کے ان کا رد، اور ان پر تنبیہ کی جا رہی ہے اور ساتھ ہی دلائل قدرت اور جزاء و سزا کا قانون بھی بیان فرمایا جا رہا ہے۔ ارشاد فرمایا۔

کس چیز کے بارہ میں یہ لوگ ایک دوسرے سے سوال کر رہے ہیں۔ آخر کس بات کی تحقیق وتفتیش مقصود ہے۔ کیا ان میں اس امر کی صلاحیت ہے کہ جس چیز کو آپس میں ایک دوسرے سے بطور استہزاء و مذاق پوچھ رہے ہیں۔ اس کی حقیقت سمجھ لیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یا یہ کہ وہ جو پیغمبر خدا اور مؤمنین سے سوال کر رہے ہیں اور بطور تمسخر کہہ رہے ہیں کہ جناب وہ قیامت کب آئے گی۔ دیر کیوں ہو رہی ہے اور اب تک کیوں نہیں آئی۔ اے مخاطبو! جانتے بھی ہو کہ یہ کیسی چیز کا سوال کر رہے ہیں۔ یہ پوچھ رہے ہیں ایک بہت ہی عظیم الشان خبر اور ہیبت ناک بات کو۔ جس میں وہ خود مختلف ہیں۔ کوئی کہتا ہے۔ کہ ہرگز قیامت نہیں آئیگی کوئی اس کو مانتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ عذاب و ثواب روح پر ہوگا۔ بدن سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ کسی کا خیال ہے کہ بدن بھی اٹھایا جائے گا تو جس چیز میں خود یہ اختلاف کر رہے ہیں۔ اس کے بارہ میں اس طرح کا سوال یا مطالبہ یا اس کا مذاق نہایت ہی لغو اور بیہودہ بات ہے۔ خبردار ہو جاؤ اب عنقریب ہی یہ لوگ جان لیں گے پھر خبردار ہو جاؤ ضرور یہ لوگ جان لیں گے کہ قیامت کیا ہے اور اس کے ہولناک مناظر کیسے ہیں یہ سب کچھ آنکھوں کے سامنے آجائے گا آخر ان کو اس بارہ میں کیا تردد اور شبہ ہے۔ ہماری قدرت تو ہر چیز پر غالب ہے۔ تو کیا نہیں بنایا ہے ہم نے زمین کو بستر انسانوں کے لیے جس پر وہ آرام کرتے ہیں۔ اور اسی پر ان کا اٹھنا بیٹھنا اور لیٹنا ہے۔ اور کیا نہیں بنایا ہم نے زمین کے لیے پہاڑوں کو میخیں جنہوں نے لرزتی ہوئی اور کانپتی ہوئی زمین کو میخوں کی طرح قائم ہو کر ساکن بنا دیا۔ اور ہم نے پیدا کیا ہے تم کو جوڑے بنا بنا کر یعنی مرد و عورت۔ تاکہ مرد عورت کو اپنا جوڑا بنا کر

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس کے ذریعے سکون حاصل کرے جیسا کہ آیت وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا میں فرمایا۔ یا طرح طرح کی شکلیں اور صورتیں بنائیں۔ اچھی بُری یا انسانوں میں بعضے نیک اور بعضے بد۔ وغیرہ تو اسی طرح اے انسانو! تم کو تقابل اور جوڑے کی شکل میں بنایا ہے۔ اور بنایا ہم نے تمہاری نیند کو آرام اور بدن کی راحت کا ذریعہ اور دن بھر کی محنت ومشقت کے بعد تکان و تعب سے سکون حاصل کرنے کا سامان۔ اور بنا دیا رات کو تمہارے واسطے اوڑھنا جو لباس کی طرح تم کو اپنے میں چھپا لیتی ہے اور لباس کی طرح انسان کے بدن کو راحت و آرام پہنچاتی ہے اور لباس پردہ بھی ہے تو رات کی تاریکی میں ہر کام چھپا ہوا رہتا ہے۔ رات کی تنہائیوں میں خدا کی عبادت کرنے والے، لوگوں کی نگاہوں سے مستور، اخلاص کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں تو کچھ بدنصیب رات کے پردہ میں چھپ کر جرائم و معاصی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ غرض رات کا پردہ مخلوق کے عیب و ہنر کو خالق کے سامنے عیاں کرنے کا بھی سامان ہے۔ اور بنایا ہے دن کو روزی کا ذریعہ۔ کہ اس میں ہر ایک کسب معاش اور روزی کمانے میں مصروف ہوتا ہے۔ اہل سعادت کسب معاش یا کسب فضائل کے لیے رات کے آرام کو عملی قوتوں کے لیے مستعد اور توانا بناتے ہیں۔ لیکن اہل شقاوت اور غافلوں کی زندگی بس اسی طرح گذر جاتی ہے۔ دن کا وقت روزی کمانے میں اور رات کا وقت آرام و راحت یا عیش و عشرت میں گذر جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ کی قدرت انسانوں کی نظروں کے سامنے ہمہ وقت ظاہر ہے اور بنایا ہے ہم نے تمہارے اوپر سات آسمانوں کو مضبوط چھت کی طرح جو تمہارے سروں پر قائم ہے جو مُدّتِ دراز گذرنے کے باوجود نہ بوسیدہ ہوئے اور نہ ہی ان میں کوئی رخنہ پیدا ہوا۔ تو جس خُدا نے یہ آسمان اپنی حکمت و قدرت سے بنائے اس کی قدرت و حکمت کو سمجھنا چاہیئے اور اس سے اپنی زندگی کا رشتہ قائم کر کے اپنے شب و روز فکرِ آخرت میں گذارنے چاہئیں نہ کہ غفلت اور محض دنیا کمانے میں۔

اور بنایا ہم نے سورج کو ایک دہکتا ہوا چراغ۔ پھر اس سورج کے نُور سے چاند اور تاروں کو نور بخشا۔ اور اس جہان میں بندوں کے لیئے جو بھی راحت کے اسباب اور رزق کے سامان تھے وہ مہیا کیئے اس طرح کہ اتارا ہم نے بادلوں سے برستا ہوا پانی۔ فلاسفہ اور حکماء خواہ اس کے کچھ بھی اسباب بیان کریں لیکن ان اسباب کی یہ کارفرمائی بھی ایک عظیم قدرت کا کرشمہ ہے کہ کس طرح بادلوں سے بارش چھوٹی چھوٹی بوندوں کی شکل میں برستی ہے۔ پھر زمین اس کو جذب کرتی ہے۔ تاکہ ہم اس کے ذریعے پیدا کریں ہر قسم کا غلہ اور سبزہ اور اگائیں گنجان باغات جن میں طرح طرح کے پھل اور میوے لگتے ہیں۔ غلّوں اور سبزوں سے انسانوں اور جانوروں کی روزی کا سامان بنایا اور ان ہی چیزوں سے عیش و عشرت اور راحت ولذت کے جملہ اسباب پیدا کیئے پانی بھی ایک زمین بھی

(بقیہ صفحۂ گزشتہ سے) عہ جیسا کہ احادیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے جب زمین کو پیدا فرمایا وہ حرکت کرنے لگی اور لرزنے لگی۔ تو پہاڑ پیدا فرمائے اور پہاڑوں کو زمین کے مختلف حصوں اور جانبوں میں میخوں کی طرح گاڑ دیا۔ جس پر زمین ساکن ہوگئی۔ ۱۲ (جامع ترمذی)

ایک ہر ایک کی خاصیت اور طبیعت بھی واحد ہے۔ لیکن دیکھو کہ غلوں۔ پھلوں اور پھولوں کے کس قدر مختلف اور کیسے[1] متفاوت ذائقے اور متضاد خاصیتیں ہیں۔ یہ سب کچھ حق تعالیٰ شانہٗ کی کمال قدرت اور حکمت کی نشانیاں ہیں۔ پھر یہ کہ یہ رزق پیدا کرکے ہر ایک کو خواہ کوئی مؤمن ہو یا کافر نفع اٹھانے کی اجازت دیدی لیکن یہ سب کچھ صرف اس جہان میں ہے۔ بر خلاف آخرت کے کہ وہاں کی نعمتیں راحتیں اور باغات اور پھل و پھول مؤمن کے ایمان اور اعمال صالحہ اور اعتقادات صحیحہ ہی ہوں گے جو ان صورتوں میں اہلِ ایمان کے سامنے آئیں گے

اور دنیا میں انسان کے عقائد خبیثہ کفر و شرک اور بداعمالیاں آخرت میں شجر زقوم۔ حمیم وغساق (کھولتا ہوا گرم پانی زخموں سے بہنے والا خون راد اور پیپ) بن کر اہل جہنم کا رزق ہوگا۔ یہی وہ جزاء و سزا ہے جو یوم الفصل میں ہر ایک کو ملے گی چنانچہ فیصلہ کا یہ دن ایک متعین کردہ وقت ہے جس میں اس کا امکان نہیں کہ مقدم و مؤخر ہو سکے۔ یہ دن وہ ہوگا جب صور پھونکا جائے گا جس پر دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور تمام دنیا الٹ پلٹ کر نیست و نابود ہو جائے گی۔

پھر تم آؤ گے جوق در جوق[2] میدانِ حشر میں اپنے رب کے سامنے اعمال کی پیشی کے لیے اور رب العالمین کی عدالت میں حاضری ہوگی۔ اور آسمان کھول دیئے جائیں گے۔ پھر جس میں کھولنے کے بعد دروازے ہو جائیں گے جیسے کوئی مضبوط اور مستحکم گول چھت میں دراڑیں پڑ جائیں اور پھر وہ چھت منہدم ہو جائے۔ ایسے ہی کچھ آسمانوں کے پھٹنے اور ان میں شگاف پڑنے یا دروازوں کے کھل جانے کا حال ہوگا۔ اور پہاڑ ریزہ ریزہ کرکے اڑا دیئے جائیں گے تو وہ ہو جائیں گے ریت کے ذرات جو فضا میں اڑ رہے ہوں گے یہی وہ پہاڑ تھے جن کو زمین کی سطح پر میخوں کی طرح گاڑ دیا گیا تھا تاکہ وہ ٹھیری رہے۔ تو جب یہ میخیں ہی ختم ہو جائیں گی تو وہ زمین کہاں ٹھیری رہے گی جو ان کے ذریعہ قائم تھی تو اس طرح آسمان و زمین سب ہی درہم برہم ہو جائیں گے اور جب آسمان و

---

[1] جیسا کہ ارشاد ہے وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ. جس کی تفسیر سورۂ رعد میں گذر چکی۔ لفظ مُعصِرات کی تفسیر ابن عباسؓ بادلوں سے فرماتے تھے۔ مجاہدؒ اور قتادہؒ بیان کرتے ہیں کہ "ماء ثجاج" مسلسل برسنے والی بارش کو کہتے ہیں۔

[2] افواجاً جمع فوج کی ہے جس کا ترجمہ جماعت اور ٹولیوں کے لفظ سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ عنوان بالکل اسی طرح ہے جو دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا تو ہو سکتا ہے کہ یہ افواج ہر ایک پیغمبر کی اُمّت ہو لیکن اس لحاظ سے کہ یہ خطاب ہے اہل مکہ کو جیسے اس وجہ سے اس کا مفہوم یہی زیادہ واضح ہے کہ جماعتوں اور پارٹیوں کی صورت میں ان مجرمین کو لایا جائے گا۔ اور اس کی صورت بظاہر یہ ہوگی مختلف قسم کے عقائد باطلہ اور مختلف قسم کی بدکاریوں میں پڑنے والوں کو گروہوں اور پارٹیوں میں تقسیم کر دیا جائے گا اور اس لحاظ سے مختلف اور متعدد ٹولوں کی شکل میں محشر میں ان کی حاضری ہوگی۔ ۱۲۔

زمین ہی نہ رہیں گے تو دنیا کا وجود کیا باقی رہے گا چنانچہ نیست ونابود ہوجائے گی۔ اور اس طرح عالم آخرت قائم ہوجائے گا۔ جہاں مجرمین ونافرمانوں کو نظر آئے گا کہ بیشک جہنم تاک میں ہوگی اور منتظر ہوگی۔ سرکشوں اور مجرموں کی کہ کب یہ مجرمین ومنکرین اور نافرمان میرے منہ کا لقمہ ہوتے ہیں۔ جہنم ان کی منتظر ہوگی ان کا ٹھکانا بننے کے لیے جس میں یہ ٹھہرنے والے ہوں گے بڑی ہی طویل مدتوں تک[1] جس کے طول کی کوئی انتہا نہ ہوگی اور ابدالآباد اسی میں رہیں گے۔ ان بدنصیبوں کے لیے آرام وراحت کا کیا تصور ہوسکتا ہے۔ بلکہ ہر قسم کی تکلیف اور مصیبت ان کے مقدر میں ہوگی اس طرح کہ نہیں چکھ سکیں گے اس جہنم میں کوئی مزا ٹھنڈک کا اور نہ ہی ٹھنڈے پانی کا۔ نہ جگہ سکون اور ٹھنڈک کی[2] ہوگی اور نہ لباس اور نہ ہی طعام اور پانی۔ کچھ نہ ہوگا۔ بجز کھولتے ہوئے گرم پانی اور زخموں سے بہنے والے خون اور پیپ کے یہ بدلہ ہوگا پورا پورا۔ جو ان کی بداعمالیوں شہوت پرستی اور عیش وعشرت میں زندگی گزار دینے کا پورا پورا اور عین مطابق بدلہ ہوگا شہوت وحرص اور دنیا کی آگ ان کے دلوں میں بھڑکا کرتی تھی۔ قیامت میں اسی کے مطابق کھولتا ہوا پانی ملے گا اور دنیا میں عملی زندگی فواحش وبدکاری میں گزاری تھی جن کی غلاظت وگندگی زخموں سے بہنے والے خون اور پیپ سے کم نہ تھی تو کھولتے ہوئے پانی کے ساتھ یہ

---

[1] "بڑی ہی طویل مدتوں تک" لفظ احقاباً کا ترجمہ کرکے یہ ظاہر کیا گیا کہ احقاب کسی محدود اور متناہی مدت کے لئے نہیں بولا گیا ہے بلکہ ایسی طویل مدت مراد ہے جسکی کوئی حد اور انتہاء ہی نہ ہو۔

اگرچہ نفس لغت میں حُقُبْ جس کی جمع احقاب ہے، کے معنی بعض اہل لغت نے مخصوص ومعین طویل مدت کے ذکر کیئے ہیں مثلاً کسی نے ایک ہزار برس یا اس سے زائد کہا۔ مگر سعیدؒ نے بروایت قتادہؒ بیان کیا کہ احقاب وہ مدت ہے جس کی کوئی انتہاء نہ ہو۔

نافعؒ نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خدا کی قسم اہل نار جہنم سے ہرگز نہ نکل سکیں گے۔ یہاں تک کہ وہ اس میں پڑے رہیں گے۔ احقاباً یعنی مدتِ دراز اور راوی نے اس کی بھی تفسیر کی ہے۔ لہٰذا اہل لغت نے اس کے معنی میں کوئی مدت "بیان کیئے ہیں تو اس سے یہ وہم کرنا درست نہیں کہ شاید اہل جہنم کسی مدت کے گذرنے کے بعد جہنم سے نکال لیئے جائیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تصور کیونکر ممکن ہے جب کہ خلود نار کی تصریح قرآن کریم نے متعدد آیات میں بڑی ہی وضاحت سے فرمادی حتیٰ کہ یہ فرمادیا گیا۔ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا۔ اور وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ـــ اور خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا وغیرہ وغیرہ تو ان آیات کے بعد اس طرح کا کوئی تصور ممکن ہی نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲

[2] بعض مفسرین نے اس کی تفسیر میں نیند کو بھی بیان کیا ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ نیند کی راحت تو کیا نصیب ہوگی۔ اس کا مزا بھی چکھنا نصیب نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ نیند کی حالت انسان کے لیے سکون اور ٹھنڈک کا باعث ہے۔ ۱۲

جمع کردیا جائے گا۔

یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ کوئی توقع نہ رکھتے تھے۔ حساب وکتاب کی اور اس امر کو تسلیم نہ کرتے تھے کہ قیامت اور روز جزاء آنے والا ہے اسی اعتقاد باطل میں مبتلا رہ کر انہوں نے اپنی قوت نظریہ بھی ضائع کی اور قوتِ عملیہ کو ہدایت کے بجائے گمراہی میں صرف کیا۔ اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا خوب جھٹلانا جس میں انہوں نے کسی طرح کسر نہ اٹھا رکھی۔ آیاتِ خداوندی کا بھی انکار کیا۔ احکام خداوندی کی بھی تعمیل نہ کی اور دلائل قدرت اور اللہ کی نشانیوں کو بھی نہ مانا۔ ایسے مجرموں کو تکذیب ونافرمانی کرکے بے فکر نہ ہونا چاہیئے۔ ان کو جان لینا چاہیئے کہ وہ ہماری گرفت سے بچکر نہیں جا سکتے۔ اور ہر چیز کا ہم نے احاطہ کر رکھا ہے اس طرح کہ وہ ایک طے شدہ لکھی ہوئی چیز ہے۔ تو ہم مجرمین کے ہر جرم کو بھی جانتے ہیں اور اس کی سزا کا وقت بھی ہم نے طے کر رکھا ہے۔ چنانچہ وہ اسی وقت آئے گی جب اس کا وقت ہوگا۔ اسی لیے جب وہ عذاب اور سزا اپنے مقررہ وقت پر آئے گی تو ان کو کہا جائے گا پس چکھ لو۔ عذاب کا مزا اور یہ توقع نہ کرو کہ شاید یہ عذاب کسی وقت کم ہو جائے گا نہیں ہرگز نہیں۔ تو ہم نہیں بڑھائیں گے۔ تمہارے واسطے کوئی بھی چیز بجز عذاب کے کہ لمحہ بلمحہ عذاب اور دکھ بڑھتا ہی جائے گا۔ اور دم بدم جہنم کی شدت اور مصیبت بڑھتی ہی جائے گی جیسا کہ ارشاد فرمایا۔ اے مجرمو! جوں جوں احکام خداوندی نازل ہوتے تم کو وعظ ونصیحت کی جاتی تو اسی کے ساتھ تمہاری شقاوت وسرکشی میں اضافہ ہوتا جاتا تھا تو آج روز قیامت اسی کی مطابقت ومناسبت سے لمحہ بلمحہ عذاب میں زیادتی اور شدت ہی ہوتی جائے گی۔

فائدہ حضرت ابو برزۃ الاسلمیؓ سے روایت ہے حسن بصریؒ نے ان سے دریافت کیا اہل جہنم کے لئے کون سی آیت سب سے زائد شدید ہے فرمایا۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اور فرمایا جب جہنمی تمنا کریں گے۔ یا اس بات کی درخواست کریں گے کہ کم از کم یہ عذاب ہی کچھ کم کردیا جائے تو اس پر اعلان ہوگا فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا۔ آپ نے یہ آیت تلاوت کرکے فرمایا اس کے بعد تو اہل جہنم کی شدت و پریشانی کی کوئی حد ہی باقی نہ رہے گی اور حسرت و ویل کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾

بے شک ڈر والوں کو مراد ملنی ہے۔ باغ ہیں اور انگور۔

وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا

اور نوجوان عورتیں ایک عمر سب کی۔ اور پیالہ چھلکتا۔ نہ سنیں گے وہاں بکنا

لَغۡوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۝٣٥ جَزَآءً مِّنۡ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۝٣٦
اور نہ مکرانا ۔ بدلہ ہے تیرے رب کا دیا حساب سے۔
رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا الرَّحۡمٰنِ لَا يَمۡلِكُوۡنَ
جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے بیچ ہے بڑی مہر والا، قدرت نہیں کہ
مِنۡهُ خِطَابًا ۝٣٧ يَوۡمَ يَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا
کوئی اس سے بات کرے، جس دن کھڑی ہو روح اور فرشتے قطار ہو کر۔ کوئی نہیں
يَتَكَلَّمُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَهُ الرَّحۡمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝٣٨ ذٰلِكَ
بولتا، مگر جس کو حکم دیا رحمٰن نے، اور بولا بات ٹھیک۔ وہ
الۡيَوۡمُ الۡحَقُّ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ۝٣٩ اِنَّآ
دن ہے تحقیق، پھر جو کوئی چاہے بنا رکھے اپنے رب کے پاس ٹھکانا۔ ہم نے
اَنۡذَرۡنٰكُمۡ عَذَابًا قَرِيۡبًا ۖۚ يَّوۡمَ يَنۡظُرُ الۡمَرۡءُ مَا قَدَّمَتۡ يَدٰهُ
خبر سنادی تم کو ایک آفت نزدیک کی، جس دن دیکھ لیوے آدمی، جو آگے بھیجا اسکے ہاتھوں
وَيَقُوۡلُ الۡكٰفِرُ يٰلَيۡتَنِىۡ كُنۡتُ تُرٰبًا ۝٤٠
نے اور کہے منکر کسی طرح میں مٹی ہوتا۔

انعامات وراحت واکرام وعزت برائے اہل ایمان وتقویٰ واصحاب ہدایت

قال اللہ تعالیٰ۔ اِنَّ لِلۡمُتَّقِيۡنَ مَفَازًا .... اِلٰى .... يٰلَيۡتَنِىۡ كُنۡتُ تُرٰبًا

(ربط) گزشتہ آیات میں قیامت اور روز حساب کی شدت اور مجرمین کی بدحالی اور شدت کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اہل ایمان وتقویٰ پر کیسے کیسے عظیم انعامات ہوں گے اور ان کا روز آخرت کیسا اعزاز و اکرام ہوگا بیان ہے۔ فرمایا۔

بے شک تقویٰ والوں کے لیئے طرح طرح کی کامیابی اور حیاتِ جاودانی کی سعادت وخوشی نصیب ہوگی جب وہ دیکھیں گے ہر مراد ان کی پوری ہو رہی ہے اور ہر طرح کی نعمت ان کو حاصل ہے۔ باغات ہوں گے اور ہر قسم کے پھل اور بکثرت انگور ہوں گے جو دوسرے جملہ اقسام کے پھلوں میں اہلِ جنت ان کے خوشوں کو دیکھ رہے ہوں گے۔ ذائقوں سے اہلِ جنت دنیا میں آشنا تھے۔ اب وہ جنت کی شانِ عظمت کے مطابق ان کو حاصل ہوں گے اور ثمرات وفواکہ کی لذتوں کے ساتھ انگور کی بیلوں کا سایہ بھی کس قدر خوش گوار اور فرحت بخش ہوگا۔ کھانے پینے کی ان تمام لذتوں کے علاوہ ان کے واسطے جنت میں نوجوان اٹھان والی عورتیں ہونگی جو عمر میں ایک دوسرے کے برابر ہم سن ہوں گے وہ نوجوان دوشیزائیں بھی اور یہ ایمان وتقویٰ والے مرد بھی تاکہ ہمعصری کے باعث عیش وتنعم کا لطف کامل نصیب ہو۔ اور جام ہوں گے چھلکتے ہوئے۔ شرابِ طہور کے ایسے لبریز جام جنکا دور چل رہا ہوگا پھر سکون واطمینان کا یہ عالم ہوگا کہ نہیں سنیں گے ان باغوں میں کوئی لغو بیہودہ بات اور نہ ہی کوئی جھوٹ اور فریب۔ کیونکہ یہ جنت کی شرابِ طہور ہوگی اور اس کا کسی طرح بھی کوئی برا اثر دماغ وشعور پر ہرگز واقع نہ ہوگا۔ اس لیے وہاں ایذا اور مار پیٹ یا بیہودہ اور لغو باتیں جیسے دنیا کی شراب میں پیش آتی ہیں قطعاً نہ ہونگی اور نہ ہی کوئی رنج اور تکلیف دہ بات ہوگی کہ جس کو جھٹلایا جائے بلکہ وہ شرابِ طہور تو محبتِ الٰہی کا مظہر ہوگی اور اس کا خمار درجات کی بلندی اور قرب الی اللہ اور معرفت رب اور اس کی ذات وصفات میں انہماک وانشراح کا سرور ہوگا۔ جیسے دنیا کی نعمتوں کو آخرت کی عظیم پایہ نعمتوں سے کوئی سروکار نہیں صرف اسمی اشتراک ہوتا ہے اسی طرح لفظ خمر اسمی اشتراک کے باعث ہے۔ ورنہ تو شراب دنیا اور آخرت کی شرابِ طہور میں زمین وآسمان کا فرق ہے بلکہ پورا پورا تقابل اور تضاد ہے۔

بہرکیف یہ سب نعمتیں اور اعزاز واکرام اے مخاطب بدلہ ہے تیرے رب کی طرف سے تیرے اعمال حسنہ اور ایمان وتقویٰ کا۔ اور ذاتِ رب کی تو شانِ ربوبیت جیسے ایک دانہ کو اُگا کر اسے نشو ونما عطا کرنے والی ہے اور ہر مخلوق کو پال کر اس کے کمال اور منتہیٰ تک پہنچاتی ہے اسی طرح وہ بندہ کی ہر نیکی کو پالنے والی اور نشو ونما کے انتہائی مراتب تک پہنچانے والی[1] ہے یقیناً جو بطور عطاء اور بخشش ہی ہے۔ کیونکہ انسان اگر اپنی تمام زندگی بھی عبادت وطاعت میں گذار دے تب بھی اللہ کے انعامات میں ایک نعمت کا بھی حق ادا نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ جملہ بے پایاں نعمتوں کا۔ لہٰذا آخرت کی نجات اور وہاں کی تمام راحتیں بخشش ہی بخشش ہے۔ پورے پورے حساب کے ساتھ تاکہ بندہ کے معیارِ طاعت اور اعمال کی عظمت وخوبی کے مطابق اس پر جزاء اور انعامات ہوں۔ جو رب ہے، آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ بڑی ہی رحمت والا ہے۔ تو جس طرح اس رب السمٰوٰت والارض نے اپنی شانِ ربوبیت سے آسمانوں وزمین کی ہر چیز کو عدم سے وجود

[1] یہ الفاظ اس آیت مبارکہ "جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً" میں لفظ رب اور لفظ عطاء کی حکمت اور نکتہ کی وضاحت کے لیے ہیں۔ ۱۲-

بخشا اور پھر ہر چیز کے بقاء کے بہترین اسباب پیدا فرمائے اور ہر ایک چیز کو بڑی ہی حکمت اور خوبی سے حد کمال تک پہنچایا۔ وہی رب اپنے بندوں کے اعمال کو باقی رکھے گا اور ان کو نشوونما فرما کر حدِ کمال یعنی مرتبۂ انعام و اکرام تک پہنچائے گا۔ اور یہ سب کچھ اس کی بے پایاں رحمتوں کا نتیجہ ہے۔ جس رب کی رحمت و عنایت کے ساتھ عظمت و کبریائی کی یہ شان ہے کہ لوگوں کو قدرت نہ ہوگی اس سے بات کرنے کی۔ حتیٰ کہ روز حساب حق تعالےٰ کی اس شان عظمت و جلال سے انبیاء علیہم السلام تک بھی ہیبت زدہ ہوں گے اور ہر ایک یہ کہتا ہوگا۔ نَفْسِیْ نَفْسِیْ اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ ؏۱ - ان ربی قد غضب الیوم غضبا لم یغضب قبلہٗ ولن یغضب بعدہٗ۔

یہ ہیبت و جلال اور عظمت کی شان بالخصوص اس دن ہوگی جب کہ روح ؏۲ اور فرشتے کھڑے ہوں گے صف بستہ وہ بات نہیں کر سکیں گے اس کے جلال کی وجہ سے۔ بجز اس کے کہ جس کو وہ اللہ رحمٰن اجازت دیدے بس وہی بول سکے گا۔ وگرنہ سب دم بخود اور مرعوب و مبہوت ہوں گے اور وہ کہے گا درست اور صحیح بات یہ ممکن ہی نہ ہوگا کوئی غلط اور لغو بات کرے یہ ہے وہی دن برحق۔ جس کا واقع ہونا بھی قطعی اور یقینی ہے اور اسی دن میں حق اور باطل کے درمیان فیصلہ ہوگا۔ اس کے بعد اب جس کا دل چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانے حاصل کرنے کا راستہ اختیار کرلے۔ اسی میں اس کی فلاح و نجات ہے۔

اے انسانو! بس خبردار ہو جاؤ ہم نے ڈرا دیا ہے تم کو ایک قریب ہو جانے والے عذاب سے جو نہایت ہی قریب ہے جس کے آنے میں اب کوئی دیر نہیں۔ اور اصل قیامت تو جب بھی آئے۔ ویسے ہر انسان کی موت اس کی قیامت ہے۔ تو سمجھ لینا چاہئے کہ جس قدر ہر انسان کے ساتھ اس کی موت قریب ہے، بالکل قیامت بھی اس سے اسی قدر قریب واقع ہوئی ہے۔ یہ وہ دن ہوگا جب انسان دیکھ لے گا کہ اس نے خود آنے سے پہلے کیا عمل کر کے بھیجا ہے اور کافر انتہائی حسرت و ندامت سے کہتا ہوگا۔ اے کاش میں خاک ہو چکا ہوتا اور اس صورت حال میں یہاں میدانِ حشر کی پیشی کی نوبت نہ آتی ؏۳

۔ تم تفسیر سورۃ النبا بحمد اللہ عزوجل۔

؏۱ یعنی مجھے تو آج اپنی فکر پڑی ہے میرے سوا تم کسی اور کے پاس چلے جاؤ میرا رب آج اس قدر غضب و جلال میں ہے کہ ایسا جلال نہ پہلے کبھی ہوا اور نہ آج کے بعد کبھی ہوگا۔ یہ حدیث شفاعت کا مضمون ہے جبکہ ہر پیغمبر شفاعت سے انکار کر دے گا اور آخری نوبت خاتم الانبیاء والمرسلین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچے گی اور آپؐ شفاعت کریں گے۔ ۱۲۔

؏۲ روح سے مراد بعض مفسرین روح اعظم لیتے ہیں جس سے بے شمار روحوں کا انشعاب ہو یا روح القدس اور جبریل امینؑ۔ اور کسی نے روح سے ہر روح انسانی مراد لیا ہے۔ ۱۲۔

؏۳ مسند عبد بن حمید اور بیہقی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے قیامت کے روز حق تعالےٰ جب انسانوں کے اعمال کا حساب لیکر فارغ ہو جائے گا۔ اپنی شانِ عدل اور یوم الحساب کے

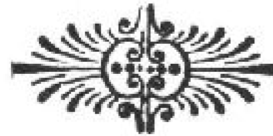
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُورَةُ النَّازِعَاتِ

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس کے مضامین بھی عقیدۂ توحید کے بیان اور اس کی تثبیت پر مشتمل ہیں۔ اور اصولِ دین کی تحقیق کے پیش نظر اس سورت میں اثباتِ رسالت بعث ونشر کے لیے دلائل وشواہد ذکر فرمائے گئے اور اسی کے ساتھ یہ بھی واضح کردیا گیا کہ قیامت کے روز شدت واضطراب کا ناقابلِ تصور عالم ہوگا اہل ایمان تقویٰ کامیاب وکامران ہوں گے اور مجرمین ومشرکین کے لیے عذاب جہنم ہوگا۔

اس مقصد عظیم کو تاریخی حقائق سے ثابت کرنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا قصہ بھی اجمالاً بیان کردیا گیا۔ جب کہ فرعون اپنے غرور وسرکشی میں اس حد تک پہنچا کہ خود اپنے رب ہونے کا دعویٰ کیا تو خداوندِ عالم نے اس کے غرور ونخوت کو کس طرح پامال کیا۔ اور اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السّلام کو کیسی عظیم کامیابی اور غلبہ عطا فرمایا۔ ان احوال کو دلائل قدرت کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے پھر سورت کے اختتام پر بعث بعد الموت کا مسئلہ ثابت فرمایا جس کا مشرکین مکہ انکار کرتے تھے۔



(بقیہ حاشیہ از ص ۳۵۲)

تقاضے کی تکمیل کے لیے حیوانات کا حساب لیا جائے گا۔ ان کے نیک وبد کا اور باہمی مظالم کا۔ اور جب ان کا حساب ہوجائے گا تو ان کو حکم ہوگا کہ تم خاک ہو جاؤ (کیونکہ حیوانات مکلف نہیں ہیں اور جنت وجہنم ان کے لیے نہیں جن وانس کے لیے ہے) تو وہ سب خاک اور نیست ونابود ہوجائیں گے۔ اس وقت کافر تمنا کریں گے کہ اے کاش ہم بھی اسی طرح خاک ہوجاتے۔

بعض عارفین خاک ہونے کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ میں تواضع کرلیتا اور خدا کے سامنے سر جھکا لیتا۔ افسوس کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو ماننے سے انکار کیا اور تکبر وغرور کے ساتھ سرکشی اور نافرمانی کرتا رہا۔ ۱۲۔ (روح المعانی ج ۴)

آیاتها ۴۶ ۷۹ = سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ = ۸۱ فیها رکوعان

سورۂ نازعات مکی ہے اور اس میں چھیالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝۱ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝۲ وَّالسّٰبِحٰتِ

قسم ہے گھسیٹ لانے والوں کی، ڈوب کر۔ اور بند چھڑا دینے والوں کی، کھول کر۔ اور پیرنے والوں کی،

سَبْحًا ۝۳ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝۴ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝۵ يَوْمَ

پیرنے پر۔ پھر آگے بڑھتے دوڑ کر۔ پھر کام بناتے حکم سے۔ جس دن

تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝۶ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝۷ قُلُوْبٌ

کانپے کانپنے والی۔ اس کے پیچھے دوسری۔ کتنے دل

يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۝۸ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝۹ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا

اس دن دھڑکتے ہیں۔ ان کے تیور نیچے (خوفزدہ) ہیں۔ لوگ کہتے ہیں، کیا

لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۝۱۰ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝۱۱

ہم پھر آویں گے الٹے پاؤں؟ کیا جب ہو چکیں ہم ہڈیاں کھوکھری؟

قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝۱۲ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ

بولے تو تو یہ پھر آنا ٹوٹا ہے۔ سو وہ تو ایک جھڑکی

وَّاحِدَةٌ ۝۱۳ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝۱۴ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ

ہے۔ پھر تبھی وہ آرہے میدان میں۔ کچھ پہنچی ہے تجھ کو بات

مُوْسٰى ۝۱۵ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝۱۶

موسیٰ کی؟ جب پکارا اس کو اس کے رب نے پاک میدان میں جس کا نام طویٰ۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى

جا فرعون پاس، اس نے سر اُٹھایا - پھر کہہ تیرا جی چاہتا ہے کہ تو

اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ

سنور سے - اور راہ بتاؤں تجھ کو تیرے رب کی طرف پھر تجھکو ڈر ہو۔ پھر دکھائی اس کو وہ بڑی

الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ

نشانی - پھر جھٹلایا اور نہ مانا - پھر چلا پیٹھ پھیر کر تلاش کرتا - پھر سب کو جمع کیا،

فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ

پھر پکارا - تو کہا، میں ہوں رب تمہارا سب سے اُوپر - پھر پکڑا اس کو اللہ نے،

نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ

سزا میں پچھلی کے اور پہلی کے - بیشک اس میں سوچ کی جگہ ہے، جس کو

يَّخْشٰى ﴿۲۶﴾ ع

ڈر ہے -

ہیبت و اضطراب در روزِ محشر و فلاح و کامرانی اہلِ ایمان

قال اللہ تعالیٰ۔ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا .... الیٰ .... اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى

(ربط) سورۂ نبا میں منکرین قیامت کا قیامت کے بارہ میں معاندانہ سوال اور تمسخر کا ذکر تھا اور ان کے جواب ورد کے بعد روز محشر کی حاضری کی کچھ کیفیات ذکر کی گئی تھیں۔ اب اس سورت میں بالخصوص قیامت قائم ہونے پر جو اضطراب و بے چینی قلوب پر وارد ہوگی۔ اور بدحواسی کا عالم لوگوں پر ہوگا اس کا بیان ہے۔ جزاء و سزا اور مؤمنین و مجرمین کا فرق بھی بیان کیا جارہا ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت حق کو کس طرح باطل پر غلبہ اور کامیابی عطا فرماتا ہے؟۔ اس کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کا ذکر ہے کہ انہوں نے فرعون جیسے مغرور و متکبر کو ایمان کی دعوت دی اور خدا نے اپنے پیغمبر کو کامیاب فرمایا۔ اور فرعون کو ہلاک کیا چنانچہ ارشاد فرمایا۔

قسم ہے ان فرشتوں کی جو گھسیٹ لانے والے ہیں غوطہ لگا کر جو کافروں کی رگوں میں گھس کر ان کی روح کو سختی کے ساتھ ان کے بدن سے نکالتے ہیں۔ پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو کھول دینے والے ہیں گرہ کو سہولت کے ساتھ کھول دینا جو فرشتے اہل ایمان کی ارواح سہولت سے قبض کر لیتے ہیں اور روح کی گرہ بدن سے نہایت ہی راحت اور نرمی سے کھول دیتے ہیں۔ پھر ان کی جو تیرنے والے ہیں تیزی کے ساتھ تیرتے ہوئے جو فرشتے روحوں کو زمین سے لے کر آسمانوں پر چڑھنے والے ہیں ان کا تیزی سے جانا گویا پانی کی سطح پر تیر رہے ہیں پھر ان فرشتوں کی جو سبقت کرنے والے ہیں آگے بڑھ کر جو تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے

ع۵ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا یہاں بھی پانچ قسموں سے تاکید و اہتمام کرتے ہوئے اصل مدعی یعنی قیامت کا ہولناک منظر واقع ہونے کا ذکر فرمایا گیا۔ نازعات۔ ناشطات۔ سابحات۔ سابقات۔ مدبرات یہ پانچ کلمات ذکر فرما کر جواب قسم يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ بیان فرمایا۔ ان کلمات کی تفسیر میں حضرات مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ حسن بصریؒ اور قتادہؒ سے منقول ہے کہ یہ ستارے ہیں۔ عطاءؒ بیان کرتے ہیں السابقات یہ وہ گھوڑے ہیں جو میدان جہاد میں دوڑتے ہیں اور عطاءؒ سے یہ بھی بیان کیا گیا کہ السابحات پانی کی سطح پر تیرنے والی کشتیاں ہیں۔ کسی نے نازعات اور ناشطات سے ہوائیں مراد لی ہیں۔ حسن بصریؒ نازعات کی تفسیر ستارے بیان کرتے ہیں لیکن جمہور مفسرین اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ نے ان پانچوں کلمات کو فرشتوں پر محمول کیا ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے ترجمہ میں اسی کو اختیار فرمایا۔

فرشتوں کی قسموں کی طرف اشارہ ہونے کی صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ خداوند عالم نے قیامت برپا ہونے اور میدان حشر میں حاضری کے مضمون کو بیان اور ثابت کرنے کے لیے فرشتوں میں پہلے ان فرشتوں کی قسم کھائی جو کافروں کی روحوں کو سختی اور شدت سے جسم کی رگوں سے گھسیٹ کر نکال لیتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ کافر کی نزع روح کی شدت ایسی ہوتی ہے جیسے بھیگی ہوئی روئی میں کانٹوں دار سلاخ ڈال کر کھینچی جائے تو جس کیفیت کے ساتھ روئی کے اجزاء کو اپنے ساتھ لیئے نکلے گی تو اسی طرح کافر کی رگیں نزوع روح سے متاثر ہوتی ہیں اور فرشتوں میں سے ان کو اس مقام پر مقدم کرنے کی حکمت یہ ہے کہ کلام کے اصل مخاطب منکرین قیامت ہیں تو ان ہی فرشتوں کی قسم مقدم فرمائی جو کافروں اور منکروں کی روح قبض کرنے والے ہیں اس کے بالمقابل پھر ان فرشتوں کی بھی قسم کھائی جو مؤمن کی روح بڑی ہی سہولت سے نکال لیتے ہیں۔ جیسے کہ پیشانی کے پسینہ کا قطرہ ٹپک جائے۔ پھر ان فرشتوں کی جو مؤمنین کے اعمال بارگاہ رب العزت میں لے جانے کے لیئے ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں اور پھر انکی جو تکوینی نظام پر ہواؤں۔ بادلوں اور غلوں کے اُگانے احوال صحت و مرض اور عافیت و حوادث اور منافع و مضار جیسے امور کی تدبیر پر مامور ہیں تو ان جملہ انواع و اقسام کے فرشتوں کی قسم کھا کر مخاطب کے سامنے اور اس کے ذہن میں ان جملہ احوال کی عظمت کو ظاہر کرنا ہے پھر جبکہ مخاطب کا ذہن ان عظمتوں سے لبریز ہو چکا ہو تو پھر قیامت جیسے عظیم دن کے واقع ہونے کا بیان فرمایا گیا۔ ۱۲۔

حکم خداوندی کی تعمیل کرتے ہیں اور ان ارواح کے بارہ میں جو حکم خداوندی ہوتا ہے اس کے لیئے دوڑتے ہیں۔ پھر ان کی جو عالم تکوین کے امور میں ہوائیں ہو یا بادل چاند سورج اور ستارے تدبیر و انتظام میں لگے ہوئے ہیں ہر کام کے لیے۔ جیسا بھی حکم خداوندی ہوا آسمانوں میں یا زمین میں فوراً اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ بے شک قیامت آنی ہے اور وہ دن ایسا عظیم الشان ہوگا جب کہ لرزنے والی چیز لرز رہی ہوگی۔ وہ زمین ہے کہ اس پر زلزلہ طاری ہوگا اور پہاڑ اپنی چوٹیوں سے گر رہے ہوں گے اور ریزہ ریزہ ہوکر ہوا میں اڑتے ہوں گے جس کے پیچھے لگی ہوگی ایک پیچھے لگنے والی چیز جو زمین اور پہاڑوں کے زلزلہ اور کانپنے کا ایک مسلسل بھونچال ہوگا جو پچھلے نفخ صور کے بعد دوسرے صور کے پھنکنے سے شروع ہوگا۔ اس روز کتنے ہی دل ہوں گے جو اضطراب و بے چینی سے دھڑکتے ہوں گے۔ ذلت وندامت کی وجہ سے ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ہمت نہ ہوسکے گی کہ نگاہ اوپر کرکے دیکھ سکیں۔ کہتے ہوں گے کیا ہم لوٹا دیئے جائیں گے الٹے پاؤں کہ قبر میں جانے کے بعد کیا پھر یہ ممکن ہے کہ ہم دوبارہ زندہ کر دیئے جائیں گے اور اس طرح ہم کو محشر میں حاضری دینی ہوگی کیا یہ بات ممکن ہوگی جب کہ ہم ہوچکیں گے کھوکھری ہڈیاں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ قبر میں جانے کے بعد اور جب کہ انسان کی ہڈیاں بھی کھوکھری ہوچکی ہوں تو تمسخر اور تحقیر کے انداز میں کہنے لگے بس پھر تو یہ لوٹنا بہت ہی خسارہ کی بات ہوگی۔ یہ مشرکین و منکرین تو اس معاملہ کو بہت ہی عظیم اور ہیبت ناک سمجھ رہے ہیں حالانکہ ہماری قدرت کے سامنے تو اس کی عظمت اور اہمیت نہیں بس یہ تو ایک دفعہ کی ایک چیخ ہوگی جو صور پھونکنے کی صورت میں ظاہر ہوگی۔ جس پر فوراً ہی وہ سب میدان حشر میں نظر آرہے ہوں گے پیشی کے لیے بارگاہِ خداوندی میں اور جو مغرور و متکبر انسان خدا کی بات سننے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے وہ ایک ہی آواز میں ذلت و خواری کے ساتھ سر جھکائے نظریں نیچی کیئے حاضر ہوں گے اور حیرت و بدحواسی کے عالم میں منتظر ہوں گے کہ اب ان کے بارہ میں کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ اس شدت و اضطراب اور بے چینی کے احوال سننے والے مخاطب تو کیوں نہیں قیامت اور روز محشر کی حاضری مان لیتا۔ تیرا رب تو بڑی ہی قدرت والا ہے تو کیا تجھ کو خبر نہیں موسیٰ کے قِصّہ کی جب کہ موسیٰ کو اس کے رب نے پکارا وادی مقدس مقام طویٰ میں۔ جہاں کوہ طُور پر اللہ نے اپنے پیغمبر موسیٰؑ سے ہمکلامی کی اور اس میں یہ فرمایا۔ جاؤ فرعون کی طرف اس کو خدا پر ایمان لانے کی دعوت دو بے شک وہ بہت ہی سرکش ہوچکا ہے۔ اس کو خدا پر ایمان لانے کی تلقین کرنا پھر کہنا کیا تو نہیں چاہتا کہ تو پاک ہوجائے۔ کفر و نافرمانی اور غرور و تکبر کی گندگی سے اور کیا نہیں چاہتا کہ میں تجھے راستہ بتاؤں تیرے رب تک پہنچنے کا پھر تو اپنے پروردگار سے ڈرے۔ معرفت اور خوف خداوندی سے اپنی زندگی سنوار لے۔ کیونکہ انسانی زندگی کی اصلاح اور اس کی ہر خوبی معرفت الٰہی اور خشیّت خداوندی پر موقوف ہے۔ چنانچہ موسیٰؑ نے وہاں پہنچ کر پیغام خداوندی اور دعوت ایمان کی ذمہ داری اداکی اور حجّت و برہان قائم کرنے کے لیئے اس کو بہت بڑی نشانی دکھائی جو عصا کا معجزہ تھا مگر اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی اور پھر پیٹھ پھیر کر چلا کوشش کرتے ہوئے پھر سب جادوگروں کو جمع کیا اور جب سب جمع ہوگئے تو پھر پکار کر کہا تاکہ سب مرعوب ہوجائیں۔ میں ہوں تمہارا سب سے بڑا رب موسیٰؑ کہاں سے آگیا اور کس نے اس کو بھیجا اس وقت موسیٰ (علیہ السلام) کے

معجزۂ عصا نے اژدھا بن کر جادوگروں کے ظاہر کیے ہوئے تمام سانپوں کو نگل لیا۔ باوجودیکہ وہ جادوگر جو مقابلہ کے لیے آئے تھے ایمان لے آئے اور ایمان پر ایسی استقامت و پختگی حاصل ہوئی کہ فرعون کی ہر دھمکی کا مقابلہ کیا اور دنیا میں انسان کو پیش آنے والی ہر بڑی سے بڑی اذیت برداشت کرنے کے لیے تیار ہو گئے (جیسا کہ تفصیل سے گذر چکا) مگر فرعون نافرمانی اور سرکشی سے باز نہ آیا تو پھر پکڑ لیا اللہ نے اس کو آخرت کے عذاب اور دنیا کی سزا میں، دنیا میں یہ سزا دی کہ پانی میں ڈبو دیا اور آخرت کی یہ سزا ہے کہ وہاں نارِ جہنم میں ہمیشہ جلے گا۔

بے شک اس تمام قصہ میں عبرت کا بہت بڑا سامان ہے اور سوچنے کا مقام ہے ہر اس شخص کے لیے جس کے دل میں اللہ کا ڈر ہو۔ خداوندِ عالم کا یہ انتقام کس قدر شدید ہے اس نے ایسے مغرور و متکبر کو جو اپنی ربوبیت کا اعلان کرتا ہو اس طرح ذلیل و عاجز کر کے دنیا کے سامنے اس کی ہلاکت اور اپنے پیغمبر کی کامیابی ایک عظیم تاریخ بنا کر رکھ دی تاکہ ہر مغرور و متکبر جو اللہ کا اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہو اس سے عبرت حاصل کر سکے۔

راجفہ اور رادفہ کی تفسیر

رجف کے معنی لغت میں جھڑ جھڑا دینے کے ہیں تو قیامت برپا کرنے کے لیے نفخ صور دو مرتبہ ہوگا۔ جیسے ارشاد فرمایا گیا — وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ تو پہلی مرتبہ جو صور پھونکا جائے گا اس سے زمین اور پہاڑوں پر زلزلہ طاری ہو جائے گا اس لیے اس کو راجفہ کہا گیا اور دوسرا صور اس کے پیچھے ہوگا جیسے کہ کوئی چیز کسی کے پیچھے لگی ہوئی اس لیے اس کو رادفہ فرمایا گیا۔ قرب قیامت کی خبر دیتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ جاء الموتُ بما فیہ۔

جامع ترمذی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دو تہائی رات گذر جاتی تو اٹھ جاتے اور فرماتے (اے لوگو اللہ کا ذکر کرو اور اس کو یاد کرو) بس سمجھ لو کہ جھڑ جھڑا دینے والی چیز راجفہ آ چکی اور اس کے پیچھے لگی ہوئی رادفہ (جو قیامت برپا کرنے والی ہے) اور (جان لو کہ) موت (سامنے) آ چکی ہے مع اپنی تمام کرب و بے چینی کی حالت کے۔

ف حافرہ کی تفسیر میں مجاہدؒ اور قتادہؒ سے منقول ہے کہ یہ قبور ہیں۔ ابن عباسؓ عکرمہؒ اور سعید بن جبیرؒ بیان فرماتے تھے کہ حافرہ حیات بعد الموت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین انکار کرتے ہوئے کہا کرتے تھے ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ کہ کیا ہم دنیا میں مرنے کے بعد پھر دوبارہ کسی زندگی میں اٹھائے جائیں گے۔ اور یہ کیونکر ممکن ہے جب کہ ہماری ہڈیاں بھی پرانی ہو کر کھوکھلی ہو چکی ہوں گی۔ تو اس پر

عہ مسند امام احمد بن حنبلؒ۔ ۱۲۔

رَد فرمایا اور تنبیہ کی گئی ایسے منکرین کو سُن لینا چاہیئے کہ اِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَإِذَا هُم بِالسَّاهِرَةِ۔

ءَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ ۚ بَنَاهَا ﴿٢٧﴾

کیا تم مشکل ہو بنانے یا آسمان ؟ اُس نے وہ بنایا ۔

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوَّاهَا ﴿٢٨﴾ وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ

اُونچی کی اس کی بلندی، پھر اس کو صاف کیا ۔ اور اندھیری کی رات اس کی ، اور کھول نکالی

ضُحَاهَا ﴿٢٩﴾ وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا ﴿٣٠﴾ أَخْرَجَ مِنْهَا

اسکی دھوپ ۔ اور زمین کو اس پیچھے صاف بچھایا ۔ نکالا اس سے

مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا ﴿٣١﴾ وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا ﴿٣٢﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ

اس کا پانی اور چارا ۔ اور پہاڑوں کو بوجھ رکھا ۔ کام چلانے کو تمہارے

وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾ فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ

اور تمہارے چوپایوں کے۔ پھر جب آوے وہ بڑا ہنگامہ ۔ جس دن

يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ مَا سَعَىٰ ﴿٣٥﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ

یاد کرے آدمی جو کمایا ۔ اور نکال رکھی دوزخ ،

لِمَن يَرَىٰ ﴿٣٦﴾ فَأَمَّا مَن طَغَىٰ ﴿٣٧﴾ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾

جو چاہے دیکھے ۔ سو جس نے شرارت کی ۔ اور بہتر سمجھا دنیا کا جینا

فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ﴿٣٩﴾ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ

سو دوزخ ہی ہے ٹھکانا ۔ اور جو کوئی ڈرا اپنے رب

رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٤٠﴾ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ

پاس کھڑے ہونے سے ، اور روکا جی کو چاؤ سے ۔ سو بہشت ہی ہے

الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿۴۲﴾

ٹھکانا ۔ تجھ سے پوچھتے ہیں، وہ گھڑی، کب ہے ٹھہراؤ اس کا ؟

فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَاۤ

تو کس بات میں ہے اس کے مذکور سے ؟ تیرے رب تک ہے پہنچ اس کی ۔ تو تو

اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰىهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَهَا

ڈر سنانے کو ہے، اس کو جو اس سے ڈرتا ہے ۔ ایسا لگے گا جس دن دیکھیں گے اس کو،

لَمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿۴۶﴾

کہ دیر نہیں لگی ان کو، مگر ایک شام یا صبح اس کی ۔

ع ۲

اعلان خداوندی بقدرت کاملہ وعاجزی وپستیٔ

کائنات پیش عظمت الٰہی

قال اللہ تعالیٰ۔ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ... الی ... اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰىهَا

(ربط) گزشتہ آیات میں خداوند عالم نے اپنی شان حاکمیت عظمت وجلال کا ذکر کرتے ہوئے قیامت اور قیامت کے احوال بیان فرمائے تھے۔ اور یہ کہ کائنات کا یہ سارا نظام دم کے دم میں درہم برہم ہو جائے گا۔ زمین و آسمان اور پہاڑ چاند سورج اور ستارے غرض سب ہی ختم کر دیئے جائیں گے اور دلوں کا اضطراب و بے چینی کا عالم ناقابل تصور ہوگا تو اب ان آیات میں حق تعالے شانہٗ اپنی قدرت کاملہ کا اعلان فرما رہے ہیں۔ اور یہ کہ کائنات کی کوئی طاقت اور قوت خداوندِ عالم کی عظمت وکبریائی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ارشاد فرمایا۔

اے منکرو ! بتاؤ کیا تم ہو زیادہ سخت پیدا کرنے کے لحاظ سے یا آسمان؟ع یقیناً ہر ایک ادنیٰ سے ادنیٰ عقل والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ آسمان کی تخلیق انسان کی تخلیق سے بہت بڑھ کر عظیم اور اہم ہے اور اس کی قدرت کاملہ

ع یہ مضمون بعینہٖ وہی ہے جو آیت مبارکہ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ میں ارشاد فرمایا گیا۔

کا واضح ثبوت ہے تو جو ذات رب العالمین آسمان جیسی عظیم چیز پیدا کرنے پر قدرت رکھتی ہے اس کی قدرت عظیمہ سے یہ بات کیونکر بعید ہو سکتی ہے کہ وہ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ قیامت میں اٹھائے اور زندہ کرے۔

پھر آخر ان کافروں کو کیوں تردد ہے۔ حالانکہ دیکھ رہے ہیں۔ اسی پروردگار نے اس آسمان کو بنایا اس کی بلندی کو کس قدر اونچا کیا پھر اس کو ہموار اور برابر بنایا کیسا مضبوط کس قدر اونچا اور کیسا برابر اور ہموار کہ کسی جگہ سے کوئی فرق نہیں۔ پھر اس کا نظام کیسا باقاعدگی سے جاری ہے چاند سورج کا طلوع و غروب اور ستاروں کی رفتار اور لیل ونہار کی تبدیلی دن کی روشنی اور رات کی تاریکی غرض یہ سارا نظام فلکیات ایسا محکم و منظم ہے کہ ہر ایک دیکھنے والا اس کے صانع وخالق کی حکمت اور کمال قدرت پر یقین کیئے بغیر نہیں رہ سکتا تو جس ذات نے ایسی عظیم مخلوق پیدا کر دی اس کو کیا مشکل ہے کہ انسانوں کے مرنے کے بعد دوبارہ ان کو قیامت میں اٹھا لے یہ سب کچھ اسی کی صناعی ہے اور اس نے تاریک کر دیا اس کی رات کو اور نکالا اس کے دن کو سورج کے طلوع اور اس کی روشنی سے جو کہ کواکب وسیارات کے نظام ہی کے کرشمے ہیں اور آسمانوں سے ہی ان سب چیزوں کا تعلق ہے۔ اور زمین کو اس کے بعد بچھایا۔ جس سے اس کا پانی نکالا اور سبزہ بھی اگایا۔ چشموں اور نہروں کو جاری

ف: اس آیت مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلق ارض آسمانوں کی تخلیق کے بعد ہے اور سورۂ حٰم سجدہ میں خلق ارض کو مقدم بیان فرمایا گیا اور زمین — اور زمین پر پیدا کی ہوئی چیزوں کی تخلیق کے بعد ارشاد فرمایا گیا ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا۔ اس اشکال کی توضیح اور جواب اس مقام پر ذکر کر دیا گیا۔ مراجعت فرمائی جائے۔

پہاڑوں کا زمین میں گاڑنا۔ حدیث انس بن مالک رضؓ میں بروایت احمد بن حنبلؒ اس طرح مذکور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ رب العزت نے جب زمین کو پیدا کیا تو زمین لرزنے لگی۔ اللہ نے اس پر پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا جس سے زمین ٹھیر گئی۔ فرشتوں کو پہاڑوں کی شدت وسختی پر تعجب ہوا اور پوچھنے لگے اے پروردگار کیا تیری مخلوق میں پہاڑوں سے زیادہ بھی کوئی طاقت ور چیز ہے اللہ نے فرمایا ہاں لوہا ہے۔ تو لوہے کی شدت پر فرشتوں نے پوچھا اے رب اس سے زیادہ کوئی چیز تیری مخلوق میں شدید ہے فرمایا ہاں! اور آگ پیدا کر کے دکھا دی گئی۔ فرشتوں نے اس پر تعجب کرتے ہوئے پوچھا اے رب کیا اس سے زیادہ کوئی طاقت ور چیز ہے جواب میں فرمایا ہاں! اور پانی پیدا کر دیا۔ اس پر بھی وہی سوال ہوا تو جواب دیا گیا ہاں اس سے بھی بڑھ کر ایک سخت اور طاقت ور چیز۔ ہوا ہے فرشتوں نے اس پر بھی تعجب کرتے ہوئے عرض کیا یا رب کیا اس پر بھی بڑھ کر کوئی طاقت ور چیز ہے جواب دیا گیا۔ نعم ابن آدم یتصدق بیمینہ لا تعلم شمالہ ما تنفق بیمینہ۔ کہ اس سے طاقت ور چیز انسان کا وہ صدقہ ہے جو اس طرح دے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے۔

اس مضمون کی تفصیل کے لیئے ناچیز کی کتاب "منازل العرفان فی علوم القرآن" کا مطالعہ فرمائیں۔ ۱۲

کر کے سبزے غلے پھل اور پھول اور طرح طرح کی غذائیں پیدا کیں اور پہاڑوں کو قائم کر دیا زمین کی سطح پر ایسی مضبوطی سے کہ وہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرتے۔ اے انسانو! تمہارے واسطے سامان زندگی بنا کر اور تمہارے چوپاؤں کے واسطے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ نظامِ قدرت قائم نہ کیا جاتا تو کہاں سے انسان کھاتے اور کہاں سے جانوروں کا چارہ ملتا۔ لوگ کیسے اپنی زندگی کے کاروبار کرتے اور کس طرح اس میں یکسانیت وتسلسل قائم کرتے۔ اگر دن کی روشنی اور رات کی تاریکی وسکون نہ ہوتا۔ غرض آسمان اور زمین اور اس میں پیدا کی ہوئی ہر ایک چیز اللہ رب العزت کی قدرت وحکمت کی عظیم نشانی ہے تو جب رب العالمین یہ سب کچھ انتظامات کر رہا ہے کیا وہ انسان کی بوسیدہ ہڈیوں کو جوڑ کر دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔ اس میں شک وتردد یا انکار انسان کی بڑی ہی غفلت اور بھول ہے جس سے یقیناً اس کی آنکھیں کھلیں گی اور وہ چونکے گا۔ چنانچہ جب آجائے گی وہ چورا چورا کرنے والی بہت بڑی ہیبت ناک چیز تو وہ دن ہوگا ایسا کہ انسان یاد کرے گا ہر اس چیز کو جو اس نے کمائی ہے اور زندگی کا ہر عمل اس کو یاد آجائے گا اور اس وقت سوائے پچھتانے کے اور کوئی چارہ کار نہ ہوگا اور جہنم ظاہر کر دی جائے گی ہر اس کے لیے جو دیکھ رہا ہوگا۔ اور اس کو ایسے منظر عام پر لایا جائے گا کہ بلا کسی حائل اور رکاوٹ ہر ایک کو نظر آرہی ہوگی۔ بہر حال جس کسی نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو اس نے بہتر سمجھا اور اسی کو آخرت پر ترجیح دی۔ حتیٰ کہ آخرت کو بھلا دیا تو بس دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہوگا۔ جس سے اس کو کسی طرح بھی چھٹکارا میسر نہ ہوگا۔ اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اس کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ سوچنے لگا کہ کیا منہ لے کر اپنے رب کے سامنے حاضر ہو سکوں گا اور میدان حشر میں کس طرح کھڑا ہو سکوں گا۔ اس اعتقاد وتخیل اور خوف خدا کے اثر سے اس نے اپنے نفس کو روکے رکھا ہر خواہش سے، تو بلا شبہ جنت اس کا ٹھکانا ہے کیونکہ نفس اور اس کی خواہشات ہی انسان کو اللہ کے احکام کی اطاعت وپیروی سے روکنے والی چیز ہے۔ اس لیے جب یہ صاحب ایمان خشیت وتقویٰ سے معمور خداوندِ عالم کی اطاعت وفرماں برداری کرتا رہے گا تو لامحالہ اللہ کے فضل وکرم سے جنت کا مستحق ہوگا۔

انسانی سعادت اور اس کی عقل وفطرت کا تقاضا یہ[ع] ہے کہ وہ ان حقائق کو سمجھے اور ان پر ایمان لائے۔

ع ظاہر ہے کہ جو شخص اس خیال کو اپنے قلب ودماغ میں رچا لے گا وہ کسی بھی معصیت اور برائی میں مبتلا نہیں ہو سکتا اور یہ وصف بلا شبہ انسان کی طغیانی وسرکشی کی ضد ہے اور قوتِ نظریہ کی اصلاح وتکمیل ہے اور نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى نفسانی خواہشات سے بچنے کا نام ہے اس لحاظ سے یہ وصف اس کی قوتِ عملیہ کی اصلاح وتکمیل ہے اور ان ہی دو قوتوں کی اصلاح انسانی سعادت ہے۔ لہٰذا ایسے انسان کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔

بعض مفسرین بیان کرتے ہیں۔ ان دونوں آیتوں میں پہلی آیت یعنی اَمَّا مَنْ طَغٰى الخ کا مصداق

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیکن کفار مکہ کی شقاوت و بدنصیبی کی کوئی حد نہ تھی انحراف و سرکشی کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ لے ہمارے پیغمبر یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ کب آئے گا وقت اس کے قائم ہونے کا اور کب وہ ظاہر ہوگی تو کس فکر میں پڑے ہو آپ اس کا وقت بتانے کے بارہ میں یہ آپ کا کام ہی نہیں کہ آپ یہ بتائیں یا یہ سوچیں کہ ان کے سوالوں کا کیا جواب دوں اور کیا وقت ان کو بتاؤں آپ کے رب ہی کی طرف اس کی نہایت ہے وہی جانتا ہے کہ کب آئے گی اور خواہ اس کا کسی سے سوال کیا جائے ان جملہ سوالات کا منتہیٰ اسی کی ذات ہے اور اس کا علم صرف اسی کو ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا۔ اِنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَۃِ ۔ آپ تو بس آخرت اور عذاب آخرت سے ڈرانے والے ہیں اس شخص کو جو اس سے ڈرتا ہو اور اس پر ایمان رکھتا ہو اور ظاہر ہے کہ جو شخص آخرت اور قیامت کو مانتا ہی نہیں وہ کیا خاک عذاب آخرت سے ڈرے گا۔ حالانکہ جب قیامت واقع ہوگی ایسا محسوس ہوگا جب یہ اس کو دیکھیں گے گویا کہ نہیں ٹھیرے ہیں دنیا میں یا مرنے کے بعد سے اس وقت اٹھنے کے زمانہ تک مگر صرف ایک شام یا اس کی صبح ۔ بعث بعد الموت کے بعد یہ لوگ[ع] دنیوی زندگی کو صرف ایک صبح و شام کے بقدر ٹھیرنا تصور کریں گے یا یہ تصور کریں گے کہ مرنے کے بعد بس اتنا ہی تھوڑا سا وقت گذرا ہے جس طرح کہ سو کر بیدار ہونے والا شخص محسوس نہیں کر سکتا کہ نیند کی حالت میں اس پر کتنا طویل وقت گذرا ہے بس یہی لگتا ہے کہ آنکھ لگی تھی اور اب کھل گئی۔

مسئلہ آخرت اور بعث بعد الموت

مسائل اعتقادیہ اور علوم نظریہ میں قرآن کریم نے مسئلہ آخرت اور بعث بعد الموت نہایت ہی

ع یہ کلمات اس آیت کی دونوں تفسیروں کی طرف اشارہ ہیں جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ لوگ قیامت میں اٹھنے کے بعد دنیوی زندگی کو اس قدر مختصر محسوس کریں گے کہ گویا یہ صرف ایک شام یا صبح کے بقدر دنیا میں رہے ہیں قتادہؒ بھی اسی کو بیان کرتے ہیں ضحاکؒ نے ابن عباسؓ سے بھی یہی بیان کیا۔ اور بعض ائمہ مفسرین فرماتے ہیں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کو اس قدر قلیل مدت سمجھیں گے کہ گویا انہوں نے صرف ایک صبح یا شام گذاری ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب) ۔۱۲۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶۲) عامر بن عمیر تھا جو نہایت ہی بدکار اور دنیا پرست تھا اور دوسری آیت یعنی وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ الخ کا مصداق اسی کے دوسرے بھائی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ تھے جو تارک الدنیا اور پیکر زہد و تقویٰ تھے۔ اور غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے اور صورت حال یہ تھی کہ کفن کے واسطے ایک چادر بھی ایسی نہ تھی کہ سارا بدن ڈھانکا جاسکے۔ ۱۲

اہتمام اور بڑی ہی تحقیق اور بسط وتفصیل سے بیان کیا ہے کیونکہ ایمان باللہ اور ایمان بالرسول، آخرت پر ایمان و یقین ہی پر موقوف ہے سورۃ بقرہ کی ابتداء ہی میں قرآن کریم کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے جہاں یہ فرمایا کہ یہ کتاب ان لوگوں کے واسطے ذریعۂ ہدایت ہے جو تقویٰ اور ایمان بالغیب یعنی اللہ اور اس کے رسول اور اس کی وحی پر یقین رکھتے ہوئے فرائض اسلام کی تعمیل و تکمیل پر آمادہ و مستعد ہیں۔ اسی کے ساتھ ان لوگوں کی یہ صفت بیان کی گئی۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (البقرۃ) اور آخرت پر وہی یقین وایمان رکھتے ہیں۔

اس سے واضح ہوگیا کہ ایمان باللہ والرسول، ایمان بالآخرت سے منفک اور جدا نہیں بلکہ ایمان باللہ والرسول کا دار و مدار ایمان بالآخرۃ ہی پر ہے۔ "آخرت اور یوم آخرت"، قرآن کریم نے متعدد مواقع پر دونوں ہی عنوان اختیار کیے ہیں۔ عالم آخرت کا آغاز دنیا اور دارِ دنیا کا آخری دن ہے اس وجہ سے یوم آخرت کہا جاتا ہے حق تعالیٰ نے انسانی زندگی دو عالموں سے متعلق فرمائی ہے۔ ایک زندگی ولادت کے بعد سے اس کے مرنے تک ہے۔ اور دوسری زندگی موت کے بعد مبعوث اور دوبارہ اُٹھنے کے بعد سے جنت وجہنم کی لازوال حالتوں تک۔ پہلی زندگی کو "دنیا" کہا گیا اور دنیا لغت کے اعتبار سے قریب تر چیز کو کہا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ زندگی انسان کو پہلے حاصل ہوتی ہے اس لیے اس کا نام دنیا ہوا اور مرنے کے بعد مبعوث ہونے پر جو زندگی ہے وہ بعد میں ہے تو اس کو عقبیٰ اور آخرت فرمایا گیا۔ اسی اعتبار سے دنیوی زندگی کو (النشاۃ الاولیٰ) یعنی پہلی پیدائش اور اُخروی زندگی کو (النشاۃ الأخریٰ) یعنی دوسری اور آخری پیدائش فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے حیاتِ انسانی کے ان دونوں ادوار کو الاولیٰ اور الآخرۃ جیسے متقابل عنوان سے قرآن کریم تعبیر کرتا ہے۔ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى۔

مفسرین کی ایک جماعت اس آیت کی مراد یہ بھی بیان کرتی ہے کہ آخرت کی زندگی اور اس کی نعمتیں دنیوی زندگی اور اس کی راحتوں سے زائد بہتر ہے۔ بعض حضرات علماء نے آسمان و زمین کے پھٹ جانے اور چاند وسورج اور ستاروں کے ٹوٹ جانے اور شب و روز کا نظام درہم برہم ہونے کو جو آخرت قرار دیا وہ اس لحاظ سے کہ یہ امور یوم آخرت کا مبداء و آغاز ہیں ورنہ اصل یوم آخرت تو وہ ہے جب دوبارہ نفخ صور کے بعد تمام انسان اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور اللہ رب العزت کے روبرو حاضر کردیئے جائیں گے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ. (سُوْرَةُ الزمر)	اور (جس روز کہ) صور پھونکا جائے گا تو بیہوش ہو کر گر پڑیں گے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں مگر جس کو اللہ چاہے پھر دوبارہ اس میں صور پھونکا جائے گا تو فوراً وہ سب کھڑے ہو جائیں گے درآنحالیکہ وہ دیکھتے ہوں گے۔

تو دوبارہ نفخ صور پر جب مخلوق مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوگی، اس وقت دنیا اور حیات دنیاوی کا کوئی حصہ باقی نہ رہے گا اور پھر اس دن کے بعد نہ کبھی رات آئے گی اور نہ رات کے ختم

ہونے پر دوسرا دن آئے گا۔

دنیا تو اس جہان کی صفت حیات کا نام ہے جب حیات ہی باقی نہ رہے گی تو دنیا کا وجود کیونکر رہے گا۔ اہل حق کا اجماع ہے کہ انسان دنیا میں ایک ہی مرتبہ پیدا ہوتا ہے اور جب مرجاتا ہے تو پھر کبھی اس کو دوبارہ دنیا کی حیات حاصل نہیں ہوتی۔ اور دنیا کی جب تمام ضروریات ختم ہو جائیں گی اور جو کچھ چیزیں دنیا میں ہیں وہ فنا ہو جائیں گی تو اس وقت حشر اموات ہوگا بس اسی کا نام آخرت ہے۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ (سورۂ ابراھیم)	وہ دن جبکہ یہ زمین ایک دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور اسی طرح آسمانوں کو بھی اور سب لوگ اللہ واحد قہار کے سامنے پیش ہونگے۔ (اور نکل کھڑے ہوں گے)

اسی روز کو حق تعالیٰ شانہ کے دربار میں حاضری اور پیشی کا دن فرمایا گیا۔

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔	کہ اس دن لوگ کھڑے ہوئے ہوں گے رب العالمین کے سامنے۔[۱]

[۱] اسی یوم کا نام یوم الفصل بھی ہے جیسا کہ فرمایا گیا هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ اور اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ کہ یہ فیصلہ کا دن ہے لے لوگو! ہم نے تم کو اور تم سے پہلوں کو سب کو جمع کر لیا ہے۔ اسی کے بارہ میں ارشاد ہے اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا کہ تم سب کا اللہ ہی کی طرف واپس لوٹنا ہے۔ یہ ایک وعدہ ہے برحق اور پختہ۔ اسی بناء پر قیامت کو "یوم موعود" بھی فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ۔ قیام قیامت کے کچھ احوال ذکر کرتے ہوئے حق تعالیٰ نے فرمایا۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا۔ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا۔	اور جس دن کہ ہم پہاڑوں کو سرکا دیں گے (اور ان کو دوڑائیں گے کہ دیکھنے والا ان کو روئی کے گالوں کی طرح محسوس کرتا ہوگا) اور لے مخاطب تو زمین کو دیکھے گا ایک کھلا ہوا میدان جس میں تمام مخلوق جمع ہوگی) اور سب کو اکٹھا کریں گے اس طور سے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ چھوڑیں گے اور سب اللہ کے سامنے قطار در قطار پیش کیے جائیں گے۔ ان سے کہا جائے گا کہ بیشک تم

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قیام قیامت اور یوم آخرت کو قرآن نے "الساعۃ" کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؔۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ

(سورۃ الاعراف)

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق دریافت کرتے ہیں اس کے واقع ہونے کا وقت کب ہے۔ آپ کہہ دیجیے اس کا علم تو صرف میرے پروردگار ہی کو ہے وہی ظاہر کرے گا اس کے وقت پر وہ بہت ہی بھاری ہے۔ آسمانوں اور زمین میں وہ تمہارے سامنے نہیں آئے گی مگر اچانک۔

اس روز جب کہ اوّلین و آخرین میدان حشر میں حیران و پریشان کھڑے ہوں گے اور ہر ایک مبہوت و بدحواس اور کرب و بے چینی میں مبتلا ہوگا کہ اچانک رب العالمین اور احکم الحاکمین نہایت ہی عظمت و جلال کے ساتھ بندوں کے فیصلہ کے لیے نزول اجلال فرمائیں گے۔ ہر طرف فرشتوں کا پہرہ ہوگا۔ اسی منظر کو ان کلمات نے بیان کیا۔

وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ

اور (اے مخاطب) تیرا رب (فیصلہ کیلئے)

وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَ يَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَ لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ؕ

(سورۃ کہف)

(کہف ۳۶۵ ع)

ہمارے پاس آئے ہو اسی طرح (برہنہ) جیسے کہ ہم نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا بلکہ تم تو یہ سمجھتے تھے کہ تمہارے واسطے (حاضری کا) ہم نے کوئی وقت ہی مقرر نہیں کر رکھا ہے اور (لوگوں کے سامنے) نامۂ اعمال رکھ دیئے جائیں گے تو اس وقت اے مخاطب تو مجرموں کو دیکھے گا کہ وہ ڈر رہے ہوں گے۔ اور کہتے ہوں گے ہائے افسوس ہماری بدبختی! کیا ہوا اس کتاب (نامۂ اعمال) کو کہ اس نے کوئی بھی عمل خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ایسا نہیں چھوڑا کہ اس کو اس کتاب نے لکھ نہ لیا ہو اور سب لوگ اپنے ان تمام اعمال کو سامنے موجود پائیں گے۔ جو انہوں نے کیے اور اے مخاطب تیرا رب کسی پر ذرّہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ ۱۲۔

صَفًّا صَفًّا ۔ (الفجر)
آئے گا۔ اور فرشتے جوق در جوق قطار در قطار کھڑے ہوں گے ۔

جبریل امینؑ اور تمام ملائکہ مقربین اور عالم سمٰوٰت وارضین کے فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے ۔ اور خداوندِ عالم کی عظمت وجلال اور ہیبت سے کسی کو بولنے کی مجال نہ ہوگی۔ انبیاء و مرسلین بھی حیران و متفکر ہوں گے ۔سب سے پہلے حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے انبیاء و مرسلین کو خطاب فرمایا جائے گا۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَا ذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۔

جس دن کہ اللہ تعالیٰ جمع فرمائے گا رسولوں کو پھر ان سے فرمائے گا (بتاؤ) تم کو کیا جواب دیا گیا (تمہاری امتوں کی طرف سے) عرض کریں گے اے پروردگار (ظاہر میں جو جواب دیا گیا وہ تو معلوم ہے لیکن) حقیقت کا ہمیں علم نہیں بے شک چھپی ہوئی باتوں کا تو ہی خوب جاننے والا ہے ۔

علماء متکلمین نے لکھا ہے کہ یوم حشر صرف اجساد و ابدان ہی کا حشر اور جمع نہیں ہے بلکہ اس روز تمام مخلوق کے ابدان و اجسام کے جمع کرنے کے ساتھ انسانوں کے تمام اعمال وافعال اور احوال بھی جمع کر لیے جائیں گے۔ اعمال صالحہ اور سیئہ ہر ایک اس کے سامنے موجود ہوں گے اور وہ ان کا مشاہدہ کرتا ہوگا اور جب انسان یہ دیکھے گا کہ اس کی ایک ایک بات اور ہر ہر حرکت سامنے آ رہی ہے تو مایوسانہ جذبات اور حسرت و ملال کے ساتھ کہے گا۔ مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا۔ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا۔

ایمان بالآخرۃ اور حشر و نشر اور بعثِ جسمانی، دین کے بنیادی اصول میں سے ہے جس طرح کوئی شخص خداوندِ عالم اور اس کے رسول پر ایمان لائے بغیر مؤمن نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح قیامت اور روزِ قیامت پر ایمان لائے بغیر شریعت کے نزدیک وہ شخص مؤمن کہلانے کا کسی طرح بھی مستحق نہیں ۔

کفار مکہ اور مشرکین قریش خاص طور پر دو چیزوں کا بڑی شدت سے انکار کرتے تھے ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور دوسرے قیامت کا۔ وہ ہرگز اس بات کو تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوتے تھے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیئے جائیں گے اور قیامت قائم ہوگی ہر چند دلائل و بیّنات کے مشاہدہ کے بعد بھی یہی کہتے کہ :-

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۔ (سورۃ انعام)

اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ یہ ہماری دنیاوی زندگی ہے۔ (اسی میں ہماری حیات و موت ہے) اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے ۔

بلکہ کفار مکہ تو بعث بعد الموت کے بیان پر استہزاء اور تمسخر کرتے ہوئے کہا کرتے تھے۔

هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۔ (سورۃ سبا)

کہ کیا ہم تمہیں ایک ایسے شخص کا پتہ نہ بتائیں جو تم کو یہ خبر دیتا ہے کہ تم جب کہ ریزہ ریزہ کر دیئے جاؤ گے (مرنے کے بعد) تو پھر تم کو یقیناً ایک نئی پیدائش کے ساتھ اٹھایا جائیگا۔ کیا یہ بات اللہ پر جھوٹ بہتان نہیں ہے یا یہ کہ اس شخص کو کچھ سودا (جنون) ہے

حق تعالیٰ شانہٗ نے اس مسئلہ کو نہایت وضاحت کے ساتھ بار بار دہرایا اور فرمایا۔ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ الخ (کہ خُدا ہی تم کو حیات و زندگی عطا کرتا ہے پھر وہی تم کو مارتا ہے اور پھر وہی تم کو قیامت کے روز جمع کرے گا۔ جس میں کوئی شبہ نہیں) مسئلۂ بعث بعد الموت میں تردد کرنے والوں کو قرآن کریم نے ایک نہایت سادہ معقول اور فطری انداز میں سمجھایا۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ (سورۃ احقاف)

کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ جس خُدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہ ان کے پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہوا تو کیا وہ اس پر قادر نہ ہوگا کہ مُردوں کو زندہ کردے؟ بیشک وہ خداوند عالم ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

یعنی جب ایک چیز کو اللہ تعالیٰ عدم سے وجود اور ظہور میں لانے پر قادر ہے اور کائنات کو عدم محض سے پیکر وجود اسی نے عطا کیا تو اس کے اعادہ اور اس کے دوبارہ پیدا کرنے میں تردد پیدا کرنا خلاف عقل ہے۔ حالانکہ کسی شے کے ایجاد سے اس کا اعادہ سہل اور آسان ہوتا ہے تو ایسے لوگ عقل و شعور سے کس قدر بعید ہیں کہ خالق کائنات کے لئے مخلوق کو دوبارہ قیامت میں اٹھانے کا انکار کرتے ہیں کفار مکہ کا یہ سوال قرآن کریم نے نقل کر کے یہی استدلالی جواب ارشاد فرمایا۔

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۔ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۔ (سورۃ یٰسٓ)

(کافروں نے کہا کون ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کرے گا جب کہ وہ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو چکی ہوں گی (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ وہی خدا ان کو دوبارہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا

اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

انسان کو اس کی تخلیق اور اطوار تخلیق کے نمونے ذکر کرتے ہوئے اوہام و شکوک کی ظلمتوں سے نکال دینے کے لئے اس مسئلہ کو ایسے دلنشین انداز میں دلائل کے ساتھ بیان فرمایا کہ اس کوشش کر کر کوئی بھی صحیح العقل انسان ادنیٰ تردد اور شبہ کی گنجائش نہیں پائے گا۔ فرمایا۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَ نُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ	اے لوگو! اگر تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے بارہ میں شک اور تردد میں پڑے ہوئے ہو تو (تم اس پر کیوں نہیں غور کرتے کہ) بیشک ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تخلیق آدم علیہ السلام کے بعد ہم نے (ان کی نسل کو) نطفہ سے پھر بستہ خون سے پھر گوشت کے لوتھڑے (بوٹی) سے جو نقشہ بنی ہوئی ہے اور بدوں نقشہ بنی ہوئی ہے تاکہ ہم اپنی قدرت کھول کر دکھلا دیں تم کو اور پھر ٹھیرائے رکھتے ہیں۔ ہم تم کو پیٹ میں جب تک بھی ہم چاہیں مدت معینہ تک پھر ہم نکالتے ہیں تم کو ایک بچہ ہونے کی صورت میں۔ پھر یہ کہ تم پہنچ جاؤ اپنی جوانی کی قوت اور زور تک۔ اور تم میں سے کچھ وہ ہوتے ہیں جن کو قبض کر لیا جاتا ہے اور بعض وہ ہوتے ہیں جن کو ارذل عمر یعنی عمر کے آخری حصہ تک لوٹایا جاتا ہے یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ سمجھنے اور جاننے کے بعد بھی کسی چیز کو نہیں سمجھتا (قویٰ بیکار ہوجانے سے) اور اے مخاطب تو زمین کو دیکھتا ہے ایسی حالت میں کہ وہ خراب اور خشک پڑی ہے۔ پھر جب ہم نے اس پر پانی برسایا تو تروتازہ ہوگئی اور ابھری اور اگانے لگی قسم قسم کے رونق کی چیزیں (پھل اور پھول) یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ بیشک اللہ ہی قادر مطلق اور ذات برحق ہے

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ (سورۃ الحج)	اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور یقیناً وہی ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ اور قیامت بیشک آنے والی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں اور یقیناً وہ پروردگار دوبارہ زندہ کرکے اٹھائے گا ان مُردوں کو جو قبروں میں (مدفون) ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ اگر کسی کو یہ دھوکہ لگ رہا ہے کہ انسان کے ریزہ ریزہ ہو چکنے کے بعد دوبارہ اس کو زندگی کس طرح دی جائے گی تو انسان کو چاہیئے کہ خود اپنی پیدائش ۔ پیدائش اطوار پر اور بنجر زمین پر بارشوں کے برسنے کے بعد طرح طرح کے سبزے اور شادابیوں کے اُگنے کے مناظر دیکھ کر یقین کرلے کہ بس اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو بھی دوبارہ حیات و زندگی عطا فرمائے گا جب زمین میں ہر تخم اور بیج ڈالے جانے کے بعد ریزہ ریزہ ہو کر زمین کے اجزاء میں اس طرح خلط ملط اور حتیٰ کہ ذرۂ خاک بن کر بھی پھر وہی تخم ایک درخت کی صورت میں زمین پر نمودار ہو رہا ہے تو اسی طرح اگر انسان کی ہڈیاں اس کا گوشت پوست بھی خواہ زمین میں مل کر خاک ہو چکا ہو یا ہواؤں میں اسکے ذرات اڑ رہے ہوں یا پانی میں بہہ رہے ہیں تو ان سب اجزاء کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندگی دیدے تو کیا عجب ہے۔ زمین پر اُگنے والا ہر درخت اور گھانس کا تنکہ بعث بعد الموت کا ایک کامل ترین نمونہ ہے۔

اس سائنسی دور میں اگر فضا میں منتشر شدہ آوازیں ضبط کی جاتی ہیں۔ تو یہ بات مادہ پرست انسان تسلیم کرنے سے کیوں تردد کرتا ہے کہ پروردگار عالم اپنی قدرت کاملہ سے انسانی اجسام اور ان کے پراگندہ اجزاء حتیٰ کہ مٹی اور پانی میں تحلیل شدہ گوشت و پوست کو بھی جمع کرکے دوبارہ مبعوث فرما دے گا۔

مسئلۂ بعث بعد الموت سے متعلقہ یہ مضامین اگرچہ گزشتہ حصّہ تفسیر میں متعدد مواقع میں گذر چکے لیکن مزید تحقیق کے طور پر ان مضامین کا پھر یہاں ایک مرتبہ اعادہ کر دیا گیا۔ بہرکیف یہ اعادہ افادہ سے خالی نہیں۔

عالمِ جسمانی کی حقیقت اور اسکی موت و حیات

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "تقریر دلپذیر" میں عالم جسمانی کی حقیقت اور اس کی حیات و ممات پر ایک تفصیلی بحث کے دوران فرماتے ہیں۔

"عالم جسمانی بھی انسان کی طرح مختلف اجزاء سے مرکب ہے اور جس طرح انسان کی ہیئت ترکیبی اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ اس کی حیات مستعار محض ہے اور چند روزہ ہے اور اس کے بعد موت ہے اسی طرح اس عالم پر بھی ایک وقت موت کا آنے والا ہے اور جیسے انسان پر مختلف دور گزرتے ہیں۔ طفولیت

وشباب اور پیری اور پھر موت اسی طرح عالم کے لیے بھی طفولیت وشباب اور بڑھاپے کا زمانہ ہے اس کے بعد اس کو فنا ہے اور یہ قیامِ قیامت کا وقت ہے اس وقت مجموعۂ عالم کا قبض روح ہوگا اور اس کی حیات ختم ہو جائے گی آسمان وزمین پھٹ جائیں گے اور عالم کا تمام شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جیسے انسان ایسے متضاد اجزاء یعنی عناصر اربع آب وخاک وآتش وہوا سے مرکب ہے کہ باہم ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ ہر ایک کا مزاج دوسرے کے مخالف ہے ایسے ہی یہ سارا عالم بھی اشیاء مختلف المزاج اور مختلف التاثیر سے مرکب ہوا ہے۔ انسان کے اجزاء اس قدر مختلف المزاج اور مختلف التاثیر نہیں۔ جتنا کہ عالم کے اجزاء مختلف المزاج اور مختلف التاثیر ہیں اور جب ہر چیز کا مزاج اور اس کی تاثیر علیحدہ ہے تو لامحالہ ایک دوسرے کا دشمن ذاتی اور مخالف اصلی ہوگا اور جب کبھی کسی جزء کا ذرا بھی غلبہ ہوگا تو مزاج عالم میں ضرور فساد آئے گا اور جو اعتدال اس سے قبل تھا وہ باقی نہ رہے گا اور یہ حالت عالم کے لیے بمنزلہ مرض کے ہوگی جیسے انسان میں جب کوئی مرض آتا ہے تو وہ کسی خاص جزء کے غلبہ ہی کی وجہ سے آتا ہے مثلاً جب آگ کا غلبہ ہوتا ہے تو بخار آتا ہے جب پانی کا غلبہ ہوتا ہے تو زکام اور فالج اور وجع المفاصل جیسے امراض ظاہر ہوتے ہیں اور جب خاک کا غلبہ ہوتا ہے تو یبوست (خشکی) کی وجہ سے خارش پیدا ہوتی ہے اور ہوا کی زیادتی سے ورم اور ریاحی درد پیدا ہوتے ہیں۔

آدمی کا بدن فقط چار اجزاء سے مرکب ہے جب ان چار ہی کے غالب ومغلوب ہونے سے ہزاروں امراض پیدا ہوتے ہیں تو عالم جو کہ بے شمار اجزاء سے مرکب ہے ان کے غالب ومغلوب ہونے سے تو لاکھوں امراض پیدا ہونے چاہئیں۔

آسمان اس عالم کا سر ہے اور آگ سینہ ہے اور ہوا پیٹ ہے اور زمین اس کے پاؤں ہیں اور پانی بمنزلہ ہاتھ کے ہے اور شمس وقمر بمنزلہ آنکھ کے ہیں اور پہاڑ بمنزلہ ہڈیوں کے اور اشجار بمنزلہ بال اور روئیں کے ہیں۔

غرض جیسے ایک انسانی جسم پر موت وفنا کا طاری ہونا نظام قدرت ہے اسی طرح حق تعالیٰ نے نظام کائنات میں بھی یہ مقدر فرمایا ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ یہ تمام عالم دنیا بھی انسانی جسم کی طرح امراض۔ آفاتُ مصائب اور بلاؤں میں مبتلا ہوتے ہوتے زوال وفنا کا راستہ اختیار کرلے گا اور اسرافیل علیہ السّلام کا نفخ صور عالم دنیا کے اس طویل وعریض اور وسیع جسد عنصری کو درہم برہم کر ڈالے گا۔[ع]

مسئلہ بعث اور معادِ ابدان

حافظ ابن قیم رحمہُ اللہ نے "کتاب الروح" میں فرمایا۔ مسئلۂ بعث اور معاد ابدان ایک ایسا متفق علیہ

ع تقریر دلپذیر بحوالہ علم الکلام حضرت نانوتویؒ کا یہ مقالہ عجیب حقائق ومعارف کا خزانہ ہے۔ اہل علم اصل کی طرف مراجعت فرمائیں۔

مسئلہ ہے کہ اس پر تمام مذاہب و ادیان سماویہ پر ایمان رکھنے والوں کا اتفاق ہے خواہ وہ یہودی ہوں یا نصاریٰ۔

جلال الدین الدوانیؒ نے بھی مسئلہ بعث کے ثبوت پر دلائل ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس پر تمام اہلِ ملل (یعنی سماویہ) کا اجماع ہے اور قرآن کریم کی ایسی واضح اور صریح نصوص سے مثلاً آیت۔ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ ثابت ہے کہ کسی بھی فلسفی کو تاویل کی گنجائش نہیں۔ ؎

امام بیہقیؒ نے ابن عباسؓ سے ایک روایت تخریج کی کہ عاص بن وائل (جو مشرکین میں سے ایک بہت بڑا سرغنہ تھا) ایک سوکھی ہوئی ہڈی لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس کو چُورا چُورا کر کے کہنے لگا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اللہ اس کو بھی زندہ کرے گا بعد اس کے کہ یہ ریزہ ریزہ ہو چکی۔ آپؐ نے فرمایا ہاں! اللہ رب العزت اس کو زندہ کرے گا اور اس کے بعد تجھ کو عذاب دے گا۔ اس واقعہ پر قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ۔ (سورۃ یٰسٓ)	کیا نہیں دیکھا انسان نے اس بات کو بیشک ہم ہی نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا پھر ناگہاں وہ کھُلم کھُلا خصومت کرنے والا ہو گیا ہے۔

امام رازیؒ نے فرمایا حق یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ حشر جسمانی کا انکار جمع ہونا ممکن ہی نہیں ان ہی دلائل و نصوص کے پیش نظر جس کو قرآن کریم نے بیان کیا ہے۔ اور علیٰ ہٰذا القیاس قدم عالم کا قول جس کے قائل فلاسفہ ہیں۔ حشر جسمانی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔

بہر کیف اصول شریعت اور بیان کردہ دلائل سے یہ ظاہر ہے کہ اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تمام بندوں کو مع ان کے ابدان اور اجزاءِ اصلیہ کے زندہ کر کے اٹھائے گا اور ان کو محشر کی جانب لے جایا جائے گا تاکہ ان کے اعمال کی جزاء و سزا کا فیصلہ ہو اس طرح سے آخرت اور حشر جسمانی پر ایمان لانا کتاب اللہ سنّتِ رسول اللہ۔ اور اجماع امت و سلف سے ثابت ہے جس کے استحالہ پر عقلی دلیل قائم نہیں کی جا سکتی۔ اول تو اجزاء بدنیہ معدوم نہیں ہوتے بلکہ ان کا استحالہ اور تغیر ہو جاتا ہے دوسری صورتوں میں جس طرح کہ لکڑی جلنے کے باوجود معدوم نہیں ہوتی بلکہ وہ راکھ اور کوئلہ کے شکل کی طرف مستحیل ہوتی ہے لیکن بالفرض معدوم بھی قرار دے لیا جائے تب بھی کوئی عقلی دلیل محال ہونے پر قائم نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ جب دلائل ظاہرہ اور حجج قاہرہ سے یہ ثابت ہے کہ حق تعالیٰ ایجاد معدوم پر قادر ہے اور یہ ساری کائنات اس کا ثبوت ہے تو اعادۂ معدوم پر وہ کیونکر قادر نہ ہوگا یہی وہ حقیقت ہے جس کو ان الفاظ میں تعبیر فرمایا گیا۔

كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ۔ (سورۃ الانبیاء)	جس طرح ہم نے مخلوق کو اوّل مرتبہ ایجاد کیا اسی طرح ہم اس کا اعادہ بھی کریں گے۔

؎ شرح عقیدۃ السفارینی ج ۲ ص ۱۵۱۔

علامہ سفارینی رحمۃ اللہ علیہ بعث جسمانی کے مسئلہ پر بحث کے دوران عکرمہ رحمۃ اللہ سے نقل کرتے ہیں۔ فرمایا۔ جو لوگ سمندر میں غرق ہوجائیں اور ان کے گوشت پوست سمندر کی مچھلیاں کھا جائیں اور ان کی ہڈیوں کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہے پھر ان ہڈیوں کو سمندر کی موجیں ساحل پر ڈال دیں اور پھر اسی طرح کچھ عرصہ پڑی رہیں۔ یہاں تک کہ بوسیدہ ہوجائیں۔ اور پھر اس جگہ پر اونٹوں کا گذر ہو وہ اس کو کھالیں اور مینگنی کردیں۔ پھر کچھ عرصہ بعد کوئی قافلہ اس جگہ آکر ٹھہرے اور ان مینگنیوں کو قافلہ کھانا پکانے کے لیے جلالے تاآنکہ یہ آگ بجھ کر راکھ ہوجائے اور اس راکھ کو ہوائیں اڑا کر دور دراز میدانوں تک منتشر کردیں تو بھی نفخ صور ہوتے ہی یہ سب مُردے جن کی ہڈیوں کی راکھ اس طرح منتشر و پراگندہ ہوچکی ہے اٹھ کھڑے ہوں گے اور ان میں اور قبروں سے ان مردوں کے اٹھنے میں کوئی فرق نہ ہوگا جن کے ابدان قبور میں ابھی صحیح وسالم ہیں۔

شیخ مرعیؒ فرماتے ہیں خداوند عالم انسانوں کے ان تمام اجسام کو بھی دوبارہ زندہ کرکے اٹھائے گا۔ جن کے ٹکڑے درندوں کے پیٹوں۔ زمین کی تہوں اور سمندر کی موجوں اور بحری جانوروں کے مونہوں میں ہیں ہر ایک ٹکڑے کو اللہ اپنی قدرت سے سمیٹ کر یکجا کردے گا اور ان کو زندہ کرکے اٹھائے گا۔ یہی وہ حقیقت ہے جو ایک حدیث کے مضمون سے واضح اور ثابت ہوتی ہے۔

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم قال رجل لم يعمل خيرًا قط لاهله وفی رواية رجل اسرف علٰی نفسه فلما حضره الموت اوصٰی لبنيه اذا مات فحرقوه ثم اذروا نصفه فی البرّ ونصفه فی البحر فوالله لئن قدر الله عليه ليعذبنه عذابا لا يعذبه احدًا من العٰلمين ـ فلما مات فعلوا ما امرهم فامر الله البحر فجمع ما فيه وامر البرّ فجمع ما فيه ثم قال له لِمَ فعلت	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہُ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ایسے شخص نے جس نے کوئی خیر کا کام نہیں کیا تھا، اپنے گھر والوں کو بطور وصیت یہ کہا۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ایسے شخص نے کہ اس نے اپنے اوپر بہت ہی تعدّی (زیادتی) کی تھی تو جب وہ مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی کہ جب وہ مرجائے تو پہلے اس کو جلادینا پھر اس کی راکھ نصف تو ہوا میں اڑا دینا اور نصف سمندر میں بہادینا اور کہا کہ خدا کی قسم اگر خدا تعالےٰ مجھ پر قادر ہوگیا تو ایسا عذاب دے گا کہ جہان والوں میں کسی کو ایسا عذاب نہ دے گا۔ الغرض جب وہ شخص مرگیا تو اس کے حکم کے مطابق گھر والوں نے معاملہ کیا لیکن اللہ رب العزت نے خشکی کو حکم دیا کہ اس کی راکھ کے جو اجزاء ہیں وہ جمع کرلے۔

ھذا - قال من خشیتك یا رب وانت اعلم۔ فغفر لہٗ - (صحیح بخاری، مسلم بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح)

چنانچہ اس نے جو کچھ اس میں تھا جمع کر لیا پھر سمندر کو حکم دیا کہ اس میں جو کچھ ہے وہ جمع کر لے اُس نے بھی راکھ کے وہ تمام اجزاء جمع کر لیے (جو سمندر میں بہہ رہے تھے اس طرح اللہ رب العزت نے اسکو زندہ کر کے اٹھایا اور فرمایا اے بندے! یہ تو نے کس لیے کیا۔ عرض کیا! اے میرے پروردگار تیرے خوف سے تو حق تعالےٰ شانہٗ نے اس کی اس خشیت اور عذاب خداوندی کے ہیبت پر مغفرت فرمادی۔

معادِ جسمانی اور حشرِ ابدان پر عقلی شواہد

علامۃ الدہر شیخ حسین آفندیؒ مسئلۂ بعث و معاد اور حشر جسمانی پر محققانہ کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ مسئلۂ بعث اور آخرت مقتضائے عقل کے عین مطابق اور سراپا حکمت و مصلحت ہے کیونکہ آخرت کا خوف اور جزاء و سزا کی فکر ہی انسانی زندگی اور عالم کو بُرے اعمال و افعال ظلم و تشدد خیانت مکر و فریب فواحش و منکرات سے بچانے والی چیز ہے۔ اگر انسانی اذہان اس فکر و خوف سے خالی ہو جائیں تو پھر نہ قتل و خونریزی میں کسی کو کوئی تامل ہوگا نہ اعمال و اخلاق اور معاشرت کے مفاسد و تباہیوں کی کسی کو پرواہ ہوگی۔ حتیٰ کہ اگر کوئی بڑی سی طاقت و رحکومت اور زائد سے زائد باوقار بادشاہ بھی ہو تو تب بھی مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے افراد صرف اسی حد تک اپنے جرائم سے رُک سکتے ہیں جہاں تک اِن پر حکومت کے نگران حکام قائم اور مسلط ہیں ایسے افراد جس کسی بھی مرحلہ پر گرفت اور نگرانی کی بندشیں ذرا بھی ڈھیلی دیکھیں گے۔ فورًا اسی ظلم و ستم قتل و غارت گری اور مجرمانہ روش کو اختیار کر لیں گے۔ رات کی تاریکیوں خلوتوں اور ایسے بیابانوں میں جہاں اس پر کسی انسان کی نگاہ نہ پڑ سکتی ہو۔ بے راہروی سے باز رکھنے والی طاقت صرف خوفِ خداوندی اور یوم الحساب (آخرت) کا اندیشہ ہی ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس محاسن افعال اور بھلائیوں کا حصول بھی اسی پر موقوف ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ نظام عالم کی تکمیل اور درستگی بعث و معاد پر ایمان اور دار آخرت کے شوق و خوف کے بغیر ممکن نہیں۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر مسئلۂ معاد تسلیم نہ کیا جائے تو انسان بجائے اشرف المخلوقات ہونے کے حیوانات سے بھی زائد خسیس اور کم درجہ ہو جائے گا کیونکہ حیوانات عقل و ادراک کی صلاحیتوں سے محروم ہیں۔ وہ ہر قسم کے فکر و غم سے آزاد ہیں برخلاف انسان کے کہ وہ طرح طرح کے افکار اور پریشانیوں میں مبتلا رہتا ہے کبھی ماضی کے احوال پر نظر کر کے وہ غم اور ملال میں مبتلا ہے۔ تو کسی وقت مستقبل کے فکر اور اندیشہ سے اس کی جان گُھلی جارہی ہے۔

رہا جسمانی لذتوں اور راحتوں کا سوال؛ سو اس میں حیوان و انسان کوئی امتیاز نہیں رکھتا۔ جس

طرح ایک انسان لذیذ غذاؤں اور قسم قسم کے پھلوں کو لذت و رغبت سے کھاتا ہے۔ حیوانات اسی لذت و رغبت سے گھاس اور چارہ کھاتے ہیں جیسے حضرت انسان اپنے عالیشان مکانوں میں آرام و راحت حاصل کرتا ہے۔ جانور چرند پرند اپنے اپنے اصطبل گھونسلوں، آشیانوں اور بلوں میں آرام حاصل کرتے ہیں حتیٰ کہ نجاست کا کیڑا نجاست کو اسی لذت سے کھاتا ہے جیسے نوع بشر میں لذیذ غذائیں استعمال کی جاتی ہوں تو اگر آخرت کے مسئلہ سے صرف نظر کر لی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ انسان بہت ہی خسارہ اور نقصان میں پڑنے والی مخلوق ہے کہ جسمانی لذتوں اور راحتوں میں تو یہ عام حیوانات ہی کے برابر رہا اس کے بعد امتیازی خصوصیت کا یہ طغرا ملا کہ طرح طرح کے افکار و آلام اور ہموم و غموم کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے جس میں حاکم و محکوم امیر و غریب بوڑھا اور جوان، مرد و عورت غرض سب برابر کے شریک ہیں۔ گویا اس کے عقلی و فکری کمالات نے بجائے کسی عظمت و برتری کے اور مصیبت و ذلت میں ڈال دیا تو انسان کے اس عقلی کمال اور ادراکی صلاحیتوں کے ساتھ اگر مسئلۂ معاد ہی نہ ہو اور نہ اُخروی سعادت کا حصول ہو تو وہ تمام عملی اور اخلاقی کمالات، زہد و تقویٰ۔ صبر و قناعت۔ خدمتِ خلق۔ ایثار و ہمدردی جیسی تمام خوبیوں سے محروم رہے گا۔ مسئلۂ عقاب و ثواب کے بغیر انسانی زندگی کسی طرح بھی حیوانی زندگی سے کوئی برتری اور امتیاز حاصل نہیں کر سکتی بلکہ ان محیر العقول انسانی کمالات کے باوجود انسان اپنی زندگی کو اگر صرف اسی حد تک محدود کر دے جن حدود میں حیوانات محدود ہیں تو بلاشبہ یہ چیز اس کو زیادہ سے زیادہ خسیس و ذلیل بنا دینے والی ہوگی یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے منکرین آخرت کو اَنعام (چوپایوں) کے درجہ میں بلکہ ان سے بھی زائد حقارت و پستی کے مقام میں شمار کیا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا۔ کچھ نہیں ہیں یہ کافر مگر چوپاؤں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں راہ سے۔

کیونکہ چوپائے بہرحال اپنے پرورش کرنیوالے مالک کو پہچان لیتے ہیں اور اس کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں اسکو محسن سمجھتے ہیں۔ کسی نہ کسی درجہ میں نفع و ضرر کو جانتے ہیں اگر ان کو کھلا چھوڑ دو تو چراگاہ کی طرف پہنچ جاتے ہیں جہاں انکو غذا اور پانی مل جاتا ہے۔ لیکن یہ منکرین آخرت اور کافر نہ اپنے مالک کو پہچانتے ہیں نہ اپنے محسن کو سمجھتے ہیں اور نہ اپنے نفع و نقصان کی تمیز کرتے ہیں اور جس عقل و فہم سے یہ خدا کو پہچان کر بے شمار دینی اور دنیوی کمالات اور سعادتیں حاصل کرتے اس کو معطل رکھ کر اپنے واسطے ابدی ہلاکت اور تباہی کا سامان مہیا کیا بھلا بتایا جائے کہ اس سے زیادہ اور کون سا بدعملی کا مقام ہوسکتا ہے۔

عہ مسئلۂ معاد اور بعث بعد الموت کی تفاصیل کے لیے اہل علم کتب علم الکلام کی مراجعت فرمائیں۔ شرح عقیدۃ السفارینی میں علامہؒ نے تفصیل سے کلام فرمایا ہے اور الرسالۃ الحمیدہ فی حقیقۃ الدیانۃ الاسلامیہ میں علامہ حسر طرابلسیؒ نے نہایت ہی حکیمانہ انداز سے تفصیل بیان کی ہے۔ کتاب علم الکلام تالیف حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی اردو زبان میں مسائل کلامیہ کا ایک بلند پایہ مجموعہ ہے۔

اثبات قیامت اور حشر ونشر سے تمام قرآنِ کریم از اوّل تا آخر بھرا ہوا ہے یہ مضامین مندرجہ ذیل ایک سو ایک سورتوں میں مذکور ہیں۔

البقرۃ[۱] - اٰل عمران[۲] - المائدۃ[۳] - انعام[۴] - الاعراف[۵] - یونس[۶] - ھود[۷] - ابراھیم[۸]
الحجر[۹] - النحل[۱۰] - بنی اسرائیل[۱۱] - الکھف[۱۲] - مریم[۱۳] - طٰہٰ[۱۴] - الانبیاء[۱۵] - الحج[۱۶] - المؤمنون[۱۷]
النور[۱۸] - الفرقان[۱۹] - النمل[۲۰] - القصص[۲۱] - الروم[۲۲] - لقمان[۲۳] - السجدۃ[۲۴] - الاحزاب[۲۵] - السبا[۲۶]
یٰس[۲۷] - والصافات[۲۸] - صٓ[۲۹] - الزمر[۳۰] - المؤمن[۳۱] - حٰمٓ السجدۃ[۳۲] - الشوریٰ[۳۳] - الزخرف[۳۴]
الدخان[۳۵] - الجاثیۃ[۳۶] - الاحقاف[۳۷] - قٓ[۳۸] - الذاریات[۳۹] - الطور[۴۰] - النجم[۴۱] - القمر[۴۲] - الرحمٰن[۴۳]
الواقعۃ[۴۴] - المجادلۃ[۴۵] - الممتحنۃ[۴۶] - التغابن[۴۷] - التحریم[۴۸] - الملک[۴۹] - القلم[۵۰] - الحاقۃ[۵۱]
المعارج[۵۲] - المزمل[۵۳] - المدثر[۵۴] - القیٰمۃ[۵۵] - المرسلٰت[۵۶] - النبا[۵۷] - النّٰزعٰت[۵۸] - عبس[۵۹] -
التکویر[۶۰] - الانفطار[۶۱] - الانشقاق[۶۲] - الطارق[۶۳] - الغاشیۃ[۶۴] - الفجر[۶۵] - التین[۶۶] - العٰدیات[۶۷]
القارعۃ[۶۸] - وغیرہ

مضامین قیامت اور حشر ونشر پر مشتمل سورتوں کی تعداد۔ ۶۸

مضامین قیامت اور حشر ونشر پر مشتمل آیات کی تعداد ۱۶۹

اور یہ تعداد ان آیات کی ہے جن میں یہ مضامین قصداً اہمیت وتفصیل اور دلائل کے ساتھ ذکر کیے گئے۔ ان کے علاوہ جن میں ان مضامین کا تبعاً واشارۃً یا ضمناً ذکر آیا وہ آیات بھی سینکڑوں سے متجاوز ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ عَبَسَ

اس سورت میں خاص طور پر عقیدۂ رسالت کا اثبات اور لوازم رسالت کا بیان ہے اور ساتھ ہی دلائل قدرت بھی ذکر فرمائے جارہے ہیں۔ اور ان دلائل کی روشنی میں قیامت اور بعث بعد الموت کو ثابت کرنا ہے جس کے ضمن میں یہ بھی فرما دیا گیا کہ قیامت کی ہول اور دہشت کا یہ عالم ہوگا کہ ہر انسان دوسرے سے بیگانہ ہوگا۔ اور اس کو صرف اپنی ہی فکر و پریشانی ہوگی۔ ان مضامین میں خاص طور پر اس امر کو بھی بیان فرمایا گیا کہ اہل ایمان (خواہ وہ دنیا کی نظروں میں) کتنے ہی کم درجہ اور ضعیف ہوں لیکن ان کی دلجوئی اور مدارت ایمان کا تقاضا ہے ان کو دنیا پر فوقیت اور برتری دینی چاہیئے۔ بلکہ اہلِ دنیا اور متکبر مالداروں سے اعراض اور بے رخی اختیار کرنی چاہیئے۔

آیاتها ۴۲ ۸۰ سُوۡرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ ۲۴ رکوعها ۱

سورۂ عبس مکی ہے اس میں بیالیس آیتیں اور ایک رکوع ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝۱ اَنۡ جَآءَهُ الۡاَعۡمٰى ۝۲ وَمَا يُدۡرِيۡكَ

تیوری چڑھائی اور منہ موڑا۔ اس سے کہ آیا اس کے پاس اندھا۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے؟

لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝۳ اَوۡ يَذَّكَّرُ فَتَنۡفَعَهُ الذِّكۡرٰى ۝۴ اَمَّا

شاید کہ وہ سنورتا۔ یا سوچتا تو کام آتا اس کے سمجھانا۔ وہ جو

مَنِ اسۡتَغۡنٰى ۝۵ فَاَنۡتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝۶ وَمَا عَلَيۡكَ اَلَّا

پروا نہیں کرتا۔ سو تو اس کی فکر میں ہے۔ اور تجھ پر گناہ نہیں کہ وہ

يَزَّكّٰى ۝۷ وَاَمَّا مَنۡ جَآءَكَ يَسۡعٰى ۝۸ وَهُوَ يَخۡشٰى ۝۹ فَاَنۡتَ

نہیں سنورتا۔ اور وہ جو آیا تیرے پاس دوڑتا۔ اور وہ ڈرتا ہے۔ سو تو

عَنۡهُ تَلَهّٰى ۝۱۰ كَلَّآ اِنَّهَا تَذۡكِرَةٌ ۝۱۱ فَمَنۡ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝۱۲

اس سے تغافل کرتا ہے۔ یوں نہیں! یہ تو سمجھوتی ہے۔ پھر جو کوئی چاہے اس کو پڑھے۔

فِىۡ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝۱۳ مَّرۡفُوۡعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝۱۴ بِاَيۡدِىۡ

لکھی ہے ادب کے ورقوں میں۔ اونچے دھرے ستھرے۔ ہاتھوں میں

سَفَرَةٍ ۝۱۵ كِرَامٍۢ بَرَرَةٍ ۝۱۶ قُتِلَ الۡاِنۡسَانُ مَاۤ اَكۡفَرَهٗ ۝۱۷

لکھنے والوں کے۔ جو سردار ہیں نیک۔ مارا جائیو آدمی کیسا ناشکر ہے؟

مِنۡ اَىِّ شَىۡءٍ خَلَقَهٗ ۝۱۸ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝۱۹

کس چیز سے بنایا اس کو۔ ایک بوند سے۔ بنایا، پھر اندازہ رکھا اس کا۔

ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ﴿٢١﴾ ثُمَّ إِذَا

پھر راہ آسان کر دی اسکو ۔ پھر اس کو مُردہ کیا ، پھر قبر میں رکھوایا ۔ پھر جب

شَاءَ أَنْشَرَهُ ﴿٢٢﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ ﴿٢٣﴾ فَلْيَنْظُرِ

چاہا اس کو اُٹھا نکالا ۔ کوئی نہیں ! پورا نہ کیا جو اس کو فرمایا ۔ اب نگاہ کرے

الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ﴿٢٤﴾ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ

آدمی اپنے کھانے کو ۔ کہ ہم نے ڈالا پانی اوپر سے ۔ پھر

شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾ وَعِنَبًا

چیرا زمین کو پھاڑ کر ۔ پھر اُگایا اس میں اناج ۔ اور انگور

وَقَضْبًا ﴿٢٨﴾ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿٢٩﴾ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ﴿٣٠﴾ وَفَاكِهَةً

اور ترکاری ۔ اور زیتون اور کھجوریں ۔ اور باغ گھن کے ۔ اور میوہ ،

وَأَبًّا ﴿٣١﴾ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾ فَإِذَا جَاءَتِ

اور دوب ۔ کام چلانے کو تمہارا اور تمہارے چوپایوں کا ۔ پھر جب آوے

الصَّاخَّةُ ﴿٣٣﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾

وہ غل ۔ جس دن بھاگے مرد اپنے بھائی سے ۔ اور اپنے ماں باپ سے ۔

وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ

اور اپنی ساتھ والی سے اور بیٹوں سے ۔ ہر مرد کو ان میں سے اس دن ایک فکر لگا ہے ، جو

يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾ ضَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾

اسکو بس ہے ۔ کتنے منہ اس دن روشن ہیں ۔ ہنستے خوشیاں کرتے ۔

وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾

اور کتنے منہ اس دن ان پر گرد پڑی ہے ۔ چڑھی آتی ہے ان پر سیاہی ۔



أُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَفَرَةُ ٱلْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

وہ لوگ وہی ہیں جو منکر ہیں ڈھیٹھ۔

ترغیب ملاطفت با ضعفاء مؤمنین و استغنا و بے نیازی از اہل دنیا و متکبرین

قال اللہ تعالیٰ۔ عَبَسَ وَتَوَلَّىٰٓ أَن جَآءَهُ ٱلْأَعْمَىٰ .... الیٰ .... أُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَفَرَةُ ٱلْفَجَرَةُ۔

(ربط) گزشتہ سورت میں قیامت اور احوالِ قیامت کا ذکر تھا۔ اور بعث بعد الموت کا مضمون بیان کرتے ہوئے آخر سورت میں نجات و کامیابی کا یہ معیار بیان کیا گیا کہ وہ خشیت و تقویٰ۔ فکرِ آخرت اور نفس کو خواہشات سے روکنا ہے۔ یہی انسان کی عزت و عظمت ہے اس کے برعکس غرور و تکبر اور سرکشی خدا کی نظر میں نہایت ہی بدترین اور ذلیل خصلت ہے تو اس سورت میں یہ بیان فرمایا جارہا ہے کہ اہل ایمان کے ساتھ ملاطفت اور دلجوئی کا برتاؤ کرنا چاہیے اور ان کے مقابلہ میں کسی بھی مصلحت سے دنیا دار اور مغرور و سرکش انسانوں کو ترجیح نہ دینی چاہیے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایسا ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض سردارانِ قریش کو کچھ سمجھا رہے تھے۔ اور آپؐ کو بڑا اُمید اور طمع تھی کہ شاید یہ لوگ اسلام لے آئیں اور یہ بھی خیال تھا کہ اگر یہ لوگ اسلام لے آئے تو ان کے قبیلے اور ان کے ماتحت لوگ بھی اسلام لے آئیں گے۔ اسی دوران عبد اللہ بن ام مکتومؓ ایک نابینا صحابی جو قدیم الاسلام تھے آگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ دریافت کرنے لگے اور آپؐ چاہتے تھے کہ عبد اللہ بن ام مکتومؓ کچھ ٹھہر جائیں۔ تاکہ میں وہ بات (جو قریش کے کسی سربرآوردہ سے فرمارہے تھے) وہ پوری کرلوں اور اس وجہ سے آپؐ پر کچھ گرانی واقع ہوئی اور ابنِ اُمِّ مکتومؓ کی طرف توجہ نہ کی بلکہ گرانی کے آثار بھی چہرہ پر ظاہر ہوئے۔ آپؐ نے یہ سوچا کہ ابن ام مکتومؓ تو مسلمان ہیں ان کو بعد میں بھی بتایا جاسکتا ہے اور تعلیم کے مواقع ان کو بعد میں بہت مل سکتے ہیں، اس لیے آپؐ اسی شخص کی طرف متوجہ رہے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ عَبَسَ وَتَوَلَّىٰٓ۔ ارشاد فرمایا۔

تیوری چڑھالی ترش روئی اختیار کی اور منہ موڑا اس بات پر کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا۔ اور اے ہمارے مخاطب تمہیں کیا خبر ہے شاید وہ سنور جاتا۔ آپؐ کی توجہ اور اس کے سوال کا جواب دینے سے یا وہ غور و فکر کرتا تو پھر اس کو کام آتا سمجھانا اور آپؐ کی بات سے تزکیہ و پاکی اور اس طرح کے بہت سے فوائد حاصل ہو جاتے۔ جس سے آپ نے اعراض کیا۔ اور بے رخی کرتے ہوئے اس پر کچھ گرانی محسوس کی۔ لیکن اس کے بالمقابل جس شخص نے بے نیازی اور لاپرواہی برتی بس آپ اسی کی فکر میں لگے رہے۔

اس خیال سے کہ شاید یہ ہدایت قبول کرلے حالانکہ یہ شخص اپنے غرور و تکبر سے آپؐ سے بے نیازی برت رہا ہے اور وہ نابینا طالبِ حق تھا۔ طلب صادق لے کر آپؐ کے پاس آیا تھا گو یہ طالب حق شکستہ حال تھا۔ لیکن درحقیقت توجہ اور التفات کا یہی مستحق تھا اور اسی کو آپ کی توجہ اور نصیحت کا فائدہ پہنچ سکتا تھا برخلاف اس مغرور و سرکش کے جو اس بات کا ارادہ ہی نہیں رکھتا کہ حق اور ہدایت قبول کرلے۔

رہا آپؐ کا یہ جذبہ اور شوق کہ اگر یہ ہدایت قبول کرلے گا تو بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے تو یہ ضروری نہیں کہ ایسا ہو ہی جائے اور آپ پر تو اس بات کا کوئی الزام نہیں کہ وہ راہ راست پر کیوں نہیں آتا اور اپنی زندگی نہیں سنوارتا وہ تو اپنے غرور اور شیخی میں آپؐ کی بات کی پرواہ تک بھی نہیں کرتا اور بہرحال وہ شخص جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا۔ انتہائی تڑپ اور طلب صادق کو لے کر اور حال یہ ہے کہ وہ ڈر رہا ہے کہ ملاقات میسر ہوتی ہے یا نہیں پھر وہ چونکہ نابینا ہے ڈر رہا ہے کہ کسی چیز سے ٹکرا کر کہیں گر نہ پڑوں یا یہ کہ آپ کی طرف جاتا دیکھ کر دشمن اس پر ٹوٹ نہ پڑیں تو جو ضعیف و معذور مومن صادق ان جذبات و کیفیات کے ساتھ آ رہا ہے لیس آپ اس سے زیادہ بے رخی کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہی شخص زیادہ التفات و توجہ اور عنایات و ملاطفت کا مستحق ہے۔ اس سے امید ہو سکتی ہے کہ آپؐ کی ہدایات سے منتفع ہو اور آئندہ اسی کے ذریعے اسلام کی ترقی اور عظمت[۱] ہو۔ بہرحال آگاہ ہو جائیے بس یہ ایک نصیحت ہے جس کا دل چاہے

---

[۱] چنانچہ یہی نابینا بزرگ جنگ قادسیہ میں زرہ پہنے اور جھنڈا ہاتھ میں لیئے جہاد میں شریک ہوئے اور بالآخر اسی معرکہ میں شہادت پائی۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ وارضاہٗ۔

ان کلمات میں بارگاہِ خداوندی سے اپنے پیغمبر پر محبت بھرے عتاب سے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ ایک شکستہ حال مؤمن صادق کی دلجوئی مقصود ہے اور اس اندازِ تعبیر سے اسلام کی تعلیم و تبلیغ کرنے والوں کو یہ سبق سکھانا ہے کہ وہ کسی وقت بھی محض اپنے ذہنی افکار و تمناؤں کے پیش نظر اہل ایمان اور ضعفاً مخلصین سے اعراض و بے رخی نہ کریں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عتبہ بن ربیعہ۔ ابوجہل بن ہشام اور عباسؓ بن عبدالمطلب سے گفتگو فرما رہے تھے۔ اور بڑی ہی توجہ سے ان کی جانب منہمک تھے اور آپؐ کو حرص تھی کہ کسی طرح یہ لوگ اسلام قبول کرلیں ناگہاں عبداللہ بن ام مکتومؓ بڑی ہی بیقراری کے ساتھ مجلس میں پہنچ گئے اور قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھ کر آنحضرتؐ سے عرض کرنے لگے۔ علمنی یارسول اللہ مما علمك اللہ کہ یارسول اللہ مجھے وہ سکھا دیجئے جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے آنحضرتؐ نے اعراض فرمایا یہ بار بار اسی بات کو دہراتے رہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جذبہ کے باعث ناگواری سے ان کی طرف سے چہرہ پھیر لیا اور ان ہی سرداران قریش کو سمجھاتے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس مجلس سے فارغ ہو کر جانے لگے تو وحی کے آثار شروع ہوئے آپؐ اپنا سر جھکا کر بیٹھ گئے اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

اس کو پڑھ لے یہ پیغام نصیحت بہت ہی عزت والے صحیفوں اور ورقوں میں لکھا ہوا ہے جو نہایت ہی بلند اور پاکیزہ ہیں ایسے قاصدوں اور فرشتوں کے ہاتھوں میں جو بہت ہی بلند رتبے والے نیکوکار ہیں۔

وحی الٰہی کے یہ صحیفے نہایت صاف ستھرے عزت وکرامت کے ساتھ اللہ کے فرشتے لوح محفوظ سے لے کر اترتے ہیں پھر ان علوم وہدایات پر عمل کرنے والوں کے اعمال وافعال عزت وعظمت کے ساتھ آسمانوں کی بلندیوں پر پہنچتے ہیں اور یہ اعمال واوصاف اپنے عاملین کو عزت وعظمت کی بلندیوں پر بھی پہنچاتے ہیں جیسے کہ ارشاد ہے اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ۔ غرض یہ تذکرہ لانے والے بھی بلند۔ خود وہ بھی بلند پایہ اور جو ان پر عمل پیرا ہوں وہ بھی بلند مرتبہ اعمال بھی بلند پایہ حتیٰ کہ جن اوراق پر لکھا جائے وہ بھی قابل تعظیم وتکریم اور بلند جگہ پر اٹھا کر رکھنے کے مستحق ہیں۔ تو ایسی عظمت و عزت والی نصیحت اور ہدایت کو تو چاہیئے کہ ہر انسان قبول کرے۔ مگر افسوس کہ مغرور وسرکش انسان اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہیں ہوتا۔ ہلاک ہو یہ انسان کس قدر ناشکرا ہے۔ اس کے غرور وسرکشی کی کوئی حد نہیں۔ کیا یہ اپنی حقیقت کو نہیں جانتا کیا یہ نہیں سوچتا کہ کس چیز سے اس کو پیدا کیا ہے؟ اس کو اپنی حقیقت کو پہچاننے کیلئے جان لینا چاہیئے۔ اس کے رب نے منی کے ایک قطرہ سے اس کو پیدا کیا ہے جو ایک ناپاک اور حقیر قطرہ تھا جس میں کوئی حسن شعور عقل وادراک اور شکل و صورت حسن وجمال کچھ بھی نہ تھا مگر پھر اس پروردگار نے اس کے ہاتھ پاؤں اور جسم کی ساخت کو ایک خاص اسلوب اور بہترین انداز سے اس کو بنایا کہ کوئی چیز بے تکی اور غیر مناسب نہیں بلکہ احسن تقویم اور بہترین پیکر جسمانی اور اعلیٰ ترین قالب اس کو عطا کیا پھر رحم مادر میں اس کی جسمانی تصویر وتخلیق کے بعد آسان کر دیا۔ اس کے واسطے راستہ۔ سہولت کے ساتھ پیدائش ہوگئی۔ اور پیدائش کے بعد اس کی زندگی کی ہر راہ آسان کر دی۔ زندگی کے ہر شعبہ کے لیے اسباب فراہم کر دیئے تاکہ وہ بر وبحر پر حکمرانی کر سکے اور منافع کونیہ سے منتفع ہو سکے۔ ہدایت وفلاح کے اصول بتا دیئے۔ خیر کے کاموں کی تلقین کر دی گئی اور ہر شے سے آگاہ کر دیا گیا تاکہ وہ زندگانی کا ہر راستہ سہولت وآسانی سے طے کرے۔ع پھر اس پروردگار نے اس کو موت دی جب کہ اس کے لیے مقدر کی ہوئی

ع: ان کلمات سے ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهٗ کی دونوں تفسیروں کی طرف اشارہ ہے اگرچہ بالعموم مفسرین اس کا مفہوم ولادت کی آسانی بیان فرماتے ہیں لیکن الفاظ کی دلالت دوسرے مفہوم کو بھی حاوی ہے۔ ۱۲۔ (واللہ اعلم)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۰) راوی بیان کرتے ہیں اس کے بعد ابن ام مکتومؓ جب کبھی بھی آتے آپ ان کا بہت اکرام فرماتے۔ اور ایک روایت یوں ہے یہ فرماتے۔ یہ تو وہ ہے جس کے معاملہ میں میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا۔

زندگی پوری ہوگئی جس کے بعد قبر میں اپنے احکام و ہدایات کے مطابق اس کو دفنایا۔ تاکہ زندوں کے سامنے اس کی لاش کی بیحرمتی نہ ہو پھر جب چاہے گا اس کو اٹھالے گا۔ غرض یہ سب کچھ اس کی قدرت سے ہے۔ قطرۂ منی سے لیکر مرنے کے بعد قبر سے اٹھنے تک کے تمام مرحلے صرف اللہ ہی کی قدرت سے ہیں اور ابتداء سے لے کر اس انتہاء تک کا ہر دور اور مرحلہ خداوندِ عالم کی قدرتِ کاملہ کا عظیم نمونہ ہے اور ظاہر ہے کہ جس ذات کی قدرتِ عظیمہ سے تخلیق کے یہ عظیم مرحلے طے پا رہے ہیں اس کو قطعاً ذرّہ برابر بھی مشکل نہیں ہے کہ وہ قیامت میں دوبارہ اٹھالے۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ ان تمام دلائل و حقائق کے باوجود انسان اپنے رب کی فرماں برداری نہ کرے خبردار اس انسان نے پورا نہیں کیا وہ کام جس کا اسے حکم دیا۔ نہ اپنے مالک کا حق پہچانا اور نہ کوئی حکم بجا لایا۔

نظامِ قدرت و ربوبیت کے کرشمے

اس صورتِ حال میں کہ انسان اپنے رب کی قدرت و عظمت کو پہچانتا ہے اور نہ ہی اس کے حکم کے سامنے سر جھکانے کو تیار ہے بس اس آدمی کو چاہیئے کہ وہ اپنے کھانے کو دیکھے کہ کس طرح وہ خداوندِ عالم اپنی قدرت سے رزق پیدا کرتا ہے اور کیسی عجیب اور کامل قدرت سے انسان کی روزی کے تمام اسباب مہیا کرتا ہے جو اس نوعیت سے دنیا کی نظروں کے سامنے ہے کہ ہم نے ڈالا پانی اوپر سے زمین پر برستا ہوا۔ بادلوں سے بارش برسائی پھر ہم نے زمین کو شق کیا اس کو چیر کر کہ جو دانہ زمین کی تہہ میں دبا دبایا گیا تھا زمین کی سطح کو چیر کر گھانس کے تنکے کی شکل میں اس کو ہم نکالتے ہیں۔ ورنہ دنیا کی کیا طاقت تھی کہ اس باریک اور کمزور گھانس کو زمین کی تہہ میں سے نکال لاتی۔

پھر ہم نے اُگائے اس میں دانے اور مختلف انواع کے غلّے اور انگور اور سبزیاں اور زیتون اور کھجوریں جن سے مخلوق کی روزی ان کی راحت اور عیش و عشرت وابستہ ہے اور اسی بارش اور آسمان سے برسنے والے پانی سے ہم نے پیدا کیئے۔ وہ باغ جو درختوں سے بھرے ہوئے ہیں اور قسم قسم کے پھل اور مختلف قسم کے گھانس جو سامان زندگی اور نفع حاصل کرنے کا ذریعہ ہے تمہارے واسطے اور تمہارے چوپاؤں کے واسطے۔ تو دیکھو اللہ رب العزت نے اپنی قدرت سے یہ تمام سامانِ زندگی جس پر انسان کی حیات و بقاء ہے اور انسانوں کے کام آنے والے جانوروں کے واسطے پیدا کیا اس پر چاہیئے تھا کہ انسان نظر کرتا۔ اور اس سے اپنے خالق کو اور اس کے انعامات کو پہچان کر اس کی اطاعت و فرماں برداری میں لگ جاتا۔ مگر کس قدر بدنصیبی ہے اس انسان کی جو ان تمام باتوں سے غافل رہ کر اپنی زندگی گذار دیتا ہے اور سوچتا ہی نہیں کہ میرا انجام کیا ہونے والا ہے لیکن جب آجائے گی وہ کان پھاڑ دینے والی چیخ اور وہ صور پھونک دیا جائے گا تو وہ دن ایسا

ہو گا بدحواسی اور بے چینی کا ہر ایک انسان بھاگتا ہوگا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور حتیٰ کہ اپنی بیوی سے جو اس کی رفیقۂ حیات اور زندگی کی ساتھی رہی ہے اور اپنے بیٹوں سے جو دنیا میں اس کو سب سے زیادہ عزیز اور محبوب تھے ان سب علائق سے انسان بیگانہ ہو جائے گا اور ہر شخص کے لیے اس دن ایک ایسی حالت ہو گی جو اس کو ہر ایک سے بے نیاز کر دینے والی ہوگی۔ ہر ایک کو اپنی فکر لگی ہوگی نہ احباب و اقارب کی طرف توجہ کرے گا اور نہ ہی زندگی میں جو محبوب تر افراد تھے ان کی طرف رخ کرے گا۔ وہ دن یوم الحساب ہوگا۔ ہر شخص کو زندگی کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا تو اس دن کچھ چہرے روشن ہنستے ہوئے خوشیاں مناتے ہوں گے اور اپنے رب کے انعام اور اپنی مغفرت پر فرحاں و شاداں ہوں گے اور کچھ چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے جن پر ذلت و سیاہی برس رہی ہوگی۔ کفر و نافرمانی کی کدورت اور بداعمالیوں کی سیاہی و نحوست ان کے چہروں کو ڈھانکے ہوگی بے شک یہی تو ہیں کافر اور بڑے ہی بے حیا لوگ جو حد درجہ ڈھٹائی سے خدا کی نافرمانی کرتے رہے۔ نہ کبھی خدا سے ڈرے اور نہ مخلوق سے شرمائے۔ بے حیائی، تکبر و سرکشی میں زندگی گذارنے کا بس یہی انجام ہو سکتا تھا کہ روزِ قیامت ان کے چہرے سیاہ غبار آلود ہوں گے اور ان پر ذلت برس رہی ہو گی۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوذُبِكَ مِنَ الكفر والفسوق والعصيان توفنا مسلمين والحقنا بالصالحين الذين وجوههم مسفرة ضاحِكَةٌ مستبشرة ۔ آمين يارب العٰلمين ۔

فُقرا و درویش دراصل عنایت و توجہِ خُداوندی کے مظہر ہوتے ہیں

بظاہر یہ کلام عتاب تھا لیکن درحقیقت اس بات پر تنبیہ تھی کہ منکسرة القلوب یعنی شکستہ دل فقراء اور مساکین پر حق تعالٰی کی تجلّی اغنیاء سے کہیں زائد ہے اور فقیروں پر حق تعالٰی کی توجہ اور عنایت بادشاہوں سے زیادہ ہے بادشاہوں پر حق تعالٰی کی تجلّی کبھی کبھی ہوتی ہے۔ دائم نہیں ہوتی۔ اور فقراء سے خدا کی رحمت اور عنایت کبھی دور نہیں ہوتی اس لیئے اشارہ فرمایا کہ فقراء کی دلجوئی کو اغنیاء کی دلجوئی پر مقدم رکھو۔

نکتہ جب کوئی امیر کسی فقیر اور درویش کے پاس آتا ہے تو وہ اپنی شان و شوکت کو ترک کر کے آتا ہے تو شریعت نے اس کی دلجوئی کے لیے بحق زیارت اس کا اکرام اور احترام واجب کیا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ اِذا جاءكم كريم قوم فاكرموه، "جب تمہارے پاس کسی قوم کا سردار آئے تو اس کا اکرام کرو" اور تبسم اور کشادہ پیشانی کے ساتھ اس سے پیش آؤ۔

تو اس واقعۂ عَبَسَ وَتَوَلّٰی میں جو اغنیاء پہلے سے آئے بیٹھے تھے اُن کا بحق زیارت اکرام ہو چکا تھا۔

اور اس کا وقت گذر چکا تھا اب آنے والے کا حق زیارت زیادہ اہم اور مقدم تھا اور یہ آنے والا منکسرۃ القلوب میں سے تھا جو تجلی الٰہی اور عنایت ربانی کا خاص محل اور مورد ہے وہ زیادہ التفات کا مستحق تھا۔ اور اس کا اکرام اُن گزشتہ آنے والے اغنیاء کے اکرام سے زیادہ اہم ہے۔

جو غنی آپ کے پاس آیا ہے وہ اپنے اصلی منصب کو چھوڑ کر آیا ہے اور اس کی یہ نیازمندانہ حاضری اس کی عارضی تواضع ہے اور فقیر جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے وہ اپنے اصلی منصب کے ساتھ آیا ہے۔ فقر اور تواضع اس کا اصلی اور ذاتی منصب ہے اور اس کا دائمی مقام ہے۔

حسب ارشادِ خداوندی اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ آپؐ نے اغنیاء کو اپنی بارگاہ عالی میں جگہ دی اور ان کو حکمت اور موعظت حسنہ حق کی دعوت دی۔ ان کا حق ادا ہوگیا وہ اس سے زیادہ کے مستحق نہیں اور یہ آنے والا درویش تو بارگاہِ خداوندی کے سکان میں سے ہے اور فی الحال آنے والے سردارانِ قریش کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ وہ دعوتِ حق کے دسترخوان سے کوئی لقمہ اٹھا بھی لیں گے یا نہیں۔ واللہ اعلم۔

(من افادات حضرت الوالد الشیخ محمد ادریس الکاندھلویؒ)

اثبات قیامت کے لیے دلائل آفاق و انفس

قرآن حکیم کا یہ خاص اسلوب ہے کہ دلائل توحید و خالقیت حشر و نشر اور بعث بعد الموت کا مضمون ثابت کرنے کے لیے دلائل کی دونوں قسموں کا احاطہ کر دیتا ہے کسی موقعہ پر اجمال سے اور کسی موقعہ پر تفصیل سے جن کی تحقیق پہلے گذر چکی یہاں بھی حق تعالیٰ شانہٗ نے مسئلۂ حشر و نشر اور بعث بعد الموت ثابت کرنے کے لیے دلائل انفس کے ذیل میں انسانی تخلیق کا ذکر فرمایا اور اس کی موت و حیات کے مسئلہ کو بیان کرنے کے بعد دلائل آفاق کے طور پر فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ سے کائنات میں اللہ رب العزت کی قدرت کے جو عظیم نمونے دنیا کے نظروں کے سامنے ہیں ان کو بیان فرمایا۔ تاکہ قرآن حکیم کا یہ مدعیٰ اور مقصد بخوبی واضح اور ثابت ہو جائے۔ مقصود انسان کے غرور و تکبر کا ابطال اور اپنی قدرت کاملہ کا اثبات تھا۔ جو ان دلائل سے پوری طرح ثابت ہوگیا۔

اموات کے لیے قبر اور دفن قانون فطرت ہے

"قبر" لغت کے اعتبار سے زمین میں کھود کر بنائے ہوئے گڑھے کو کہا جاتا ہے۔ مگر اصطلاح شریعت

میں "قبر" عالم برزخ کا نام ہے۔ یعنی وہ محل اور حالت جو انسان کے مرنے کے بعد سے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے تک کی ہے۔ نزع روح کے بعد وہ جسم انسانی کسی بھی جگہ ہو خواہ زمین میں دفن کر دیا جائے یا دریا میں غرق ہو جائے یا آگ میں جل جائے یا کوئی جانور اس کو کھا جائے یا جسم کے ذرات ہواؤں میں اڑ جائیں غرض ہر حالت اور مکان برزخ ہے اور اسی برزخی حالت یا محل کو شریعت قبر کے لفظ سے تعبیر کرتی ہے اسی بنا پر ہر میت سے مرنے کے بعد نکیرین کے سوال کا ذکر احادیث میں آتا ہے ظاہر ہے کہ یہ سوال ہر ایک میت سے ہوتا ہے اور مرنے کے بعد انسان کی لاش بسا اوقات ان حالتوں میں واقع ہوتی ہے۔

"قبر" چونکہ اصل فطرت انسانی کا ایک قانون اور مقرر کردہ طریقہ ہے۔ جیسے کہ ہابیل و قابیل کے قصہ میں گذر چکا کہ نسل انسانی میں پہلا قتل اور موت کا واقعہ پیش آیا اور قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر ڈالا اور اب تک انسان کو یہ معلوم نہ تھا کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کی لاش کا کیا کیا جائے تو حق تعالیٰ نے انسان کے سامنے اپنی ہدایت اور اس قانون فطرت کی تشریح و توضیح کا عجیب انداز اختیار فرمایا۔ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ۔ ایک کوّا بھیجا جو اپنی چونچ میں ایک مُردہ کوّا اٹھائے ہوئے تھا اس نے مردہ کوے کو زمین پر رکھ دیا پھر چونچ سے زمین کھودنے لگا اور گڑھا کر کے اس میں مردے کو چھپا دیا اور پھر پروں سے اس پر مٹی ڈال دی تو یہ منظر دیکھ کر قاتل بھائی اپنے قصور فہم پر افسوس کرنے لگا کہ میں تو اس کوے سے بھی زیادہ غافل و عاجز رہا کہ اتنا ہی سمجھ جاتا جتنا کہ اس نے سمجھا اور اسی طرح میں بھی اپنے بھائی کو زمین کے اندر دفن کر دیتا۔ غرض اس فطری امر کو خداوند عالم نے اس نوعیت سے نسل انسانی کے لیے ظاہر اور مشروع فرما دیا۔

تاریخی روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دورِ قدیم میں انسان کی لاشیں جانوروں کی طرح باہر پھینک دی جاتی تھیں جن کو چیل کوے کھا جاتے تھے ظاہر ہے کہ اس میں انسان کے پیکرِ جسد کی بیحرمتی بھی تھی اور اس کے تعفن سے لوگوں کو اذیت بھی پہنچتی اور امراض بھی پھیلتے تو خداوند عالم کے اس تکوینی امر سے اور قبر میں دفن کے طریقہ سے انسان کی حرمت بھی باقی رہی۔ گندگی اور امراض سے بھی تحفظ کا سامان ہو گیا۔

پارسی اور مجوسی قوم میں بھی یہی رواج ہے کہ وہ اپنے مردوں کی لاش اسی طرح چھوڑ دیتے ہیں۔ البتہ اتنا کرتے ہیں ایک احاطہ گہرا سا کنوئیں کی شکل کا بنا دیتے ہیں اس میں ایک دروازہ ہوتا ہے۔ اس احاطہ میں مردہ کو چھوڑ کر چلے آتے ہیں۔ پھر گدھ، چیل اور کوے اس کو نوچ نوچ کر کھا جاتے ہیں۔ بس ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جاتا ہے قوم مجوس میں اس جگہ کو "دخمہ" کہا جاتا ہے۔

ہندوؤں کے یہاں مردوں کو جلانے کی رسم ہے۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کیونکہ ان کے مذہب کی بہر حال اصل بنیاد خدا کی کتاب تورات و انجیل ہے تو اس وجہ سے وہ مسلمانوں کی طرح اپنے مردوں کو دفناتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اسلام کے سوا جو بھی طریقے انسان کی لاش کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں عقل و فطرت

کے خلاف انسانی عظمت کو سراسر پامال کرتے ہیں جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے دنیا کو یہ ہدایت ملتی ہے کہ مردوں کے جسم کا احترام زندوں کے جسم کی طرح ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے فرمایا میّت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسا کہ زندہ کی ہڈی کو توڑنا۔

ہندوؤں کا یہ خیال کہ آگ میں جلا دینا زمین میں دفن کرنے سے زیادہ بہتر ہے اور یہ کہ آگ جلا کر مردہ کو پاک کر دیتی ہے عقل و فطرت کے خلاف ہے۔

انسان کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا تو مناسب یہی ہے کہ مرنے کے بعد مٹی میں ہی دفنا دیا جائے۔ اسی کو حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ التَّكْوِيْر

یہ سورت بھی مکیہ ہے۔ اور تمام ائمہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے۔ عبداللہ بن عباس۔ ابن عمر۔ ابن زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے اسی طرح منقول ہے اس سورت کی انتیس آیات ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس کو یہ منظور ہو کہ وہ قیامت کا منظر اپنی آنکھ سے دیکھ لے تو اس کو چاہیئے کہ وہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ سورتوں کی تلاوت کرےؔ۔ ان دونوں سورتوں میں قیامت کا پورا پورا نقشہ کھینچ کر دکھایا گیا ہے کہ قیامت اس طرح برپا ہوگی۔

گزشتہ سورت عبس کا مضمون اس پر ختم کیا تھا کہ قیامت کے روز انسان کی بدحواسی کا یہ عالم ہوگا کہ کسی کو کسی کی پرواہ نہ ہوگی۔ ہر شخص دوسرے سے بھاگتا اور بے گانہ ہوگا تو اس مناسبت سے ان دونوں سورتوں میں دو اہم حقیقتوں کو واضح کیا جا رہا ہے۔ ایک قیامت کی حقیقت۔ دوسری وحی اور رسالت کی حقیقت اس سورت کے یہ دو اہم اور عظیم موضوع ہیں جس پر از اوّل تا آخر جملہ مضامین دائر ہیں۔

عہ جامع ترمذی۔ ابن کثیر۔ طبرانی۔

آیاتھا ۲۹ ۸۱ سُوْرَةُ التَّكْوِيرِ مَكِّيَّةٌ ۷ رکوعھا ۱

سورۂ تکویر مکی ہے اور اس میں اُنتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝١ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ ۝٢ وَإِذَا

جب سورج کی دھوپ تہ ہو جاوے۔ اور جب تارے میلے ہو جاویں - اور جب

الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝٣ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝٤ وَإِذَا

پہاڑ چلائے جاویں - اور جب بیائی اونٹنیاں چھٹی پھریں - اور جب

الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝٥ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝٦ وَإِذَا

جنگل کے جانوروں میں رول پڑے - اور جب دریا جھونکے جاویں - اور جب

النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝٧ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ۝٨ بِأَيِّ

جیوں کے جوڑ بندھیں - اور جب بیٹی جیتی گاڑدی کو پوچھے - کس

ذَنبٍ قُتِلَتْ ۝٩ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝١٠ وَإِذَا السَّمَاءُ

گناہ پر ماری گئی - اور جب کاغذ کھولے جاویں - اور جب آسمان کا

كُشِطَتْ ۝١١ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ۝١٢ وَإِذَا الْجَنَّةُ

چھلکا اُتارے - اور جب دوزخ دھکائی جاوے - اور جب بہشت پاس

أُزْلِفَتْ ۝١٣ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ۝١٤ فَلَا أُقْسِمُ

لائی جاوے - جان لے جی جو لے کر آیا - سو قسم کھاتا ہوں

بِالْخُنَّسِ ۝١٥ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝١٦ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۝١٧

پیچھے ہٹ جاتے - سیدھے چلتے دبک جانیوالوں کی - اور رات کی جب اس کا اٹھان ہو -

وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِىْ

اور صبح کی جب دم بھرے ۔ مقرر یہ کہا ہے ایک بھیجے ہوئے عزت والے کا۔ قوت

قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾

رکھتا، تخت کے مالک پاس درجہ پایا۔ سب کا مانا، وہاں کا معتبر ہے۔

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾

اور یہ تمہارا رفیق کچھ نہیں دیوانہ ۔ اور اس نے دیکھا ہے اس کو کھلے کنارے آسمان کے۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ

اور غیب کی بات پر نہیں بخیل ۔ اور یہ کہا نہیں کسی شیطان

رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۷﴾

مردود کا ۔ پھر تم کدھر چلے جاتے ہو؟ یہ تو ایک سمجھوتی ہے جہان کے واسطے ۔

لِمَنْ شَاۤءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَاۤءُوْنَ اِلَّاۤ

جو کوئی چاہے تم میں کہ سیدھا چلے ۔ اور تم جبھی چاہو کہ

اَنْ يَّشَاۤءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾

چاہے اللہ جہان کا صاحب ۔

ع ۱ ۲۹ ۶

ہولناک مناظر روز قیامت و پیشئ اعمال فیصلۂ جزاء وسزا

قال اللہ تعالیٰ - اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ .... الیٰ .... اِلَّاۤ اَنْ يَّشَاۤءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ

(ربط) سورۂ عبس کا مضمون دراصل اثباتِ قیامت کے موضوع ہی پر مشتمل تھا اور مقصد بیان یہ تھا کہ انسان کی سعادت و فلاح اور عزت وعظمت اپنی زندگی اپنے پروردگار کے ساتھ وابستہ رکھنے اور فکر آخرت میں ہے۔ اس کے برعکس وہ مغرور و متکبر جو نہ خدا پر ایمان لاتا ہے اور نہ ہی اس کو آخرت کی فکر ہے

وہ خدا کی نظروں میں ذلیل و حقیر ہے طالبِ حق اور سعادت کی فکر میں لگے رہنے والا انسان ہی بارگاہِ رسالت میں ہر عزت و اکرام کا مستحق ہے۔ آخر میں قیامت کے روز کی پریشانی اور بدحواسی کا عالم بیان کیا گیا کہ ہر شخص دوسرے سے بے نیاز ہوگا۔ اس کو اپنی پڑی ہوگی اس مناسبت سے اب اس سورت میں وہ ہولناک مناظر اور حوادث ذکر فرمائے جا رہے ہیں جو روزِ قیامت پیش آئیں گے اور یہی حوادث تخریب عالم کا ذریعہ ہوں گے

چنانچہ اس سورت کی ابتداء ان ہولناک مناظر کے ذکر سے کی گئی جو قیامت کے وقت پیش آئیں گے کہ چاند سورج اور ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اُڑنے لگیں گے اور زمین شق ہو کر جو کچھ اس میں ہوگا اُگل دے گی۔ الغرض تمام نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔

اسی سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ خاص احوال اور اوصاف بیان کیئے گئے جو وحی الٰہی کے نزول پر پیش آئے تھے۔ اور اسی کے ساتھ مشرکین و منکرین کی محرومی و بدنصیبی بھی ذکر کردی گئی جو وحی الٰہی اور پیغمبر خدا سے اعراض و انحراف کی وجہ سے ان پر مسلط ہوئی۔

ارشاد فرمایا۔ جس وقت کہ سورج کی شعاعیں لپیٹ کر رکھ دی جائیں گی اور اس طرح آفتاب بے نور ہو کر ٹکی کے مانند رہ جائے گا اور جب کہ ستارے بے نور ہو جائیں گے یا ٹوٹ کر ہوا میں اڑتے ہوئے ذرات کی طرح ہو جائیں گے اور جبکہ پہاڑ چلا دیئے جائیں گے اور ریزہ ریزہ ہو کر ہواؤں میں اڑنے لگیں گے اور جب کہ دس مہینہ کی گابھن اونٹنیاں چھوڑ دی جائیں گی جو ابھی بیانے کے قریب ہیں اور دودھ دینے والی ہیں اور عرب کی نظروں میں سب سے قیمتی اور قابل قدر مال ہے ان کی طرف بھی کوئی نظر اٹھا کر دیکھنے والا نہ ہو اور جب کہ وحشی جانور جو انسانوں سے وحشت کرتے ہیں اور انسان کو دیکھ کر ہی بھاگ جاتے ہیں۔ شہر اور آبادی میں جمع ہو جائیں گے[۱] اور آگھسیں گے۔ انسانوں اور پالتو جانوروں میں مل جائیں گے۔

اور جس وقت سمندر کھولا دیئے جائیں گے اور ان میں اس طرح اُبال اٹھ رہا ہو جیسے کھولتے ہوئے پانی میں اٹھتا ہو یا سمندروں کا پانی شدت گرمی کے باعث دھواں اور آگ بن جائے جو درحقیقت خداوند ذوالجلال کے غضب و قہر کے آثار ہوں گے اور جس وقت کہ تمام انسان ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیئے[۲] جائیں گے۔ کافر کافر کے ساتھ اور مسلمان مسلمان کے ساتھ اور بدعمل بدعمل کے ساتھ اور نیکوکار نیکوکار کے ساتھ اور جبکہ

عله: بعض مفسرین نے حشرت کا ترجمہ مارنے کے بعد اٹھانے کا بھی کیا ہے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے اپنے فوائد میں بیان فرمایا ہے "ابھی چند سال ہوئے گنگا جمنا میں سیلاب آیا تھا تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک چھپر بہتا جا رہا ہے اس پر آدمی بھی ہیں اور سانپ اور بچھو بھی اس سے لپٹے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے کوئی تعرض نہیں کر رہا۔

عله بعض ائمہ مفسرین نے اس آیۃ میں اجسام کو روحوں کے ساتھ جوڑنے کی مراد بھی بیان کی ہے۔

زندہ درگور کی ہوئی بچی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کی پاداش میں ماری گئی۔ علہ

اور ظاہر ہے کہ وہ معصوم بچی جو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دی گئی کیا گناہ اور جرم کر سکتی ہے جس کو عرب کے لوگ دورِ جاہلیت میں اپنے واسطے عار سمجھتے ہیں اور پیدا ہوتے ہی اس کو زندہ زمین میں دفن کر دیا کرتے تھے تو یہ سوال ان کے جرم کو ثابت اور نمایاں کرنے کے لیے ہوگا اور جب کہ تمام صحیفے اور نامہ اعمال کھول کر رکھ دیئے جائیں گے کہ ہر ایک کو اپنا نامۂ اعمال جو اس کے سامنے ایک کتاب منشور کی صورت میں نظر آرہا ہوگا اور جس وقت کہ آسمان کا جرم اس سے کھینچ لیا جائے گا۔ جیسا کہ کسی جانور کو ذبح کر کے اس کی کھال کھینچ لی جائے اور اس کے بعد اس کے تمام اعضا گوشت ہڈیاں اور رگیں نظر آنے لگتی ہیں تو اسی طرح آسمان کے کھل جانے سے اس کے اوپر کی تمام چیزیں نظر آنے لگیں گی جب کہ اس سے قبل کسی انسان کو نظر نہیں آسکا تھا کہ آسمان کے اوپر کیا ہے۔

اور جس وقت کہ دوزخ دہکائی جائیگی اور زور وشور سے اس کی لپٹیں سمندر کی موجوں کی طرح تھپیڑے مار رہی ہوں گی اور جب کہ جنت قریب کر دی جائے گی۔ اہل ایمان وتقویٰ کے جس کو نزدیک سے دیکھ کر اہل جنت فرحت ومسرت محسوس کرنے لگیں گے تو اس وقت جب یہ تمام احوال رونما ہو رہے ہوں گے تو ہر انسان جان لے گا کہ علہ

علہ جاہلیت کے زمانہ میں اہل عرب بچی کی پیدائش کو عار سمجھتے تھے اور جب کسی کے یہاں بچی پیدا ہوتی وہ اس کو زندہ زمین میں دبا دیتا تھا۔ اکثر اہل عرب جہاں اور عملی واخلاقی گندگیوں میں مبتلا تھے ان میں یہ بھی ایک ظالمانہ انسانیت سوز عیب تھا۔ چند ایک نفوس تاریخ میں بیشک ایسے ملتے ہیں جن کو اس مذموم فعل سے نفرت تھی۔ جیسے زید بن عمرو بن نفیل ؓ ان کے تذکرہ میں ہے کہ بتوں پر جانوروں کے ذبح کرنے کو بھی شدت سے منع کرتے تھے اور اس طرح اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی معصوم بچی زمین میں نہ دبائی جائے تو وہ تلاش میں رہتے جس کے یہاں بچی پیدا ہوتی اس سے جا کر کہتے بھائی تو اس کو دفن نہ کر میں اس کو پالتا ہوں تو اس کو پالتے جب وہ بڑی ہو جاتی تو اس کی شادی کر دیتے۔ تفصیل کے لیے صحیح بخاری۔ تاریخ ابن کثیر اور طبقات کی مراجعت فرمائیں۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں عمر بن الخطاب ؓ سے وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ قیس بن عاصم ؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یارسول اللہ میں نے جاہلیت کے زمانہ میں اپنی چند بیٹیاں زندہ درگور کی ہیں۔ آپ ؐ نے فرمایا اس جرم کے کفارہ میں (اگرچہ یہ زمانہ جاہلیت میں ہوا اور تم اسلام بھی لے آئے) تم غلام آزاد کرو عرض کیا یارسول اللہ میں تو اونٹوں والا ہوں (غلام میرے پاس نہیں ہیں) تو آپ ؐ نے فرمایا ہر ایک بچی کے لیے ایک اونٹ ذبح کرو۔ اور اس کو صدقہ کر دو۔

علہ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ جواب ہے ان امور مذکورہ کا جو اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ سے یہاں تک بیان کیے گئے اور یہ بارہ امور ہیں جن میں ہر ایک کو اس کی اہمیت اور عظمت کے باعث لفظ اِذَا کے ساتھ بیان کیا گیا۔ ۱۲۔

اس نے پہلے سے کیا بھیجا ہے اور کیا لے کر وہ میدان حشر میں حاضر ہوا ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں نیکیاں کی تھیں یا برائیاں۔ تو اس طرح ہر انسان اپنے کیے ہوئے عمل اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہوگا۔

الغرض یہ سب باتیں دلائل و شواہد ہیں اس امر پر کہ انسان قیامت پر ایمان لائے اور اپنی عملی زندگی میں اس کی فکر اور تیاری کرے۔ ان دلائل و شواہد کی حقانیت میں کسی طرح تردد کی گنجائش نہیں پس قسم کھاتا ہوں میں ان ستاروں کی جو پیچھے ہٹ جانے والے ہیں سیدھے چلنے والوں کی جو سیدھے[عل۵] چلتے چلتے کبھی الٹے چلنے والے ہوتے ہیں پھر سورج کی شعاعوں میں آکر چھپ جانے والے ہیں اور قسم ہے رات کی جب وہ ڈوبنے لگے اور قسم ہے صبح کی جب وہ سانس لے اور اپنی روشنی پھیلا دے۔ بے شک یہ قرآن یقیناً قول ہے ایک بھیجے ہوئے۔ قاصد کا جو بڑی ہی عزت والا ہے جو اللہ کے پیغامات لے کر اس کے رسول کے پاس آتا ہے بڑی ہی قوت والا ہے عرش والے پروردگار کے یہاں بڑے ہی اونچے درجے والا ہے اور یہ قاصد جبریل امین ہیں جن کی اطاعت کی جاتی ہے ملکوت سمٰوٰت میں وہ تمام ملائکہ کے سردار ہیں پھر وہ قاصد بڑا ہی امین و معتمد ہے۔ خدا کے اس قاصد نے ان تمام باتوں کی خبر خدا کے پیغمبر کو بذریعہ وحی دی۔ یہ باتیں اور بیان کردہ ہولناک حوادث کسی عقلی استدلال یا سائنسی تحقیق کا نتیجہ نہیں کہ اس میں کوئی شخص اختلاف کرنے لگے بلکہ یہ وحی الٰہی ہے جو ایسی عزت و کرامت والا فرشتہ اور معتمد قاصد لے کر اللہ کے پیغمبر کے پاس آیا ہے۔ اور تمہارا یہ صاحب اے قریش مکہ کوئی دیوانہ نہیں ہے۔ جیسے کہ تم میں سے بعض بیہودہ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو مجنون ہیں۔ العیاذ باللہ۔ بلکہ ان کے پاس یہ سب باتیں اللہ کا قاصد لے کر آیا ہے اور اس پر خدا کے پیغمبر کو یقین کامل ہے محض یقین ہی نہیں اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ اس پیغمبر نے تو خدا کے

عل۵:۔ خُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ستاروں کے احوال یا ان کے نام ہیں بروایت حارث حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ اسی طرح ابن عباسؓ مجاہدؒ حسن بصریؒ وغیرہم سے بھی منقول ہے۔ اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ پانچ ستارے ہیں جن کو اہل ہیئت خمسہ متحیرہ کہتے ہیں۔ یعنی زحل مشتری۔ مریخ۔ زہرہ و عطارد ان ستاروں کی عجیب حیرت ناک رفتار ہے یہ کبھی سیدھے چلتے ہیں تو اس لحاظ سے ان کو "الجوار" (یعنی جاری رہنے والے اور چلنے والے) کہا گیا۔ اور کبھی چلتے چلتے الٹے ہو جاتے ہیں اس لحاظ سے "الخنس" کہا گیا۔ کیونکہ خنس لغت میں لوٹنے کو کہا جاتا ہے اور کبھی یہ غائب ہو جاتے ہیں اس بنا پر ان کو الکنس کہا گیا جو کنس سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ستر اور پوشیدگی کے ہیں یہ ستارے مغرب سے مشرق کو چلیں تو یہ سیدھی راہ ہوئی اور کبھی ٹھٹک کر الٹے پھر جاتے ہیں۔

بعض مفسرین نے ان کلمات کی مراد ستاروں کے علاوہ اور کچھ بیان کی ہے تفصیل کے لیے تفسیر قرطبی اور تفسیر حقانی کی مراجعت فرمائی جائے۔ ۱۲۔

اس قاصد کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے[۱] آسمان کے کھلے کنارہ پر اور یہ قاصد غیب کی باتیں بتانے میں بخیل نہیں ہے بلکہ وحی الٰہی سے ملکوت السمٰوٰت اور آخرت کی جو باتیں انسانی ادراک سے غائب ہیں اور ان پر ایمان لانا ہی ایمان ہے۔ جیسے کہ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ میں ظاہر کر دیا گیا تو ان سب باتوں کو اللہ کا یہ قاصد پورا پورا پہنچا دیتا ہے اور قاصد کا کمال ہی یہ ہے کہ وہ پیغام مکمل اور پوری طرح پہنچا دے۔ اور جب آپ نے اللہ کے اس قاصد کو دیکھ لیا تو اب کسی قسم کے تردّد اور شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی اس لئے وہ کسی شیطان مردود کا کہا ہوا نہیں ہے۔ جب یہ سب باتیں واضح اور ثابت ہیں کہ قرآن کریم حق و صداقت کا مجموعہ ہے اور اس میں کسی قسم کے وہم اور تخیل کی گنجائش نہیں تو پھر اے لوگو! تم کدھر چلے جا رہے ہو اور راہِ حق سے بھٹک رہے ہو یہ تو بس ایک نصیحت ہے تمام جہان والوں کے لیے اس کا ہر مضمون، ایک ایک لفظ ہدایت و نصیحت اور ایسا مکمل دستور العمل ہے جس سے سعادت دارین وابستہ ہے ہر اس شخص کے لیے تم میں سے جو یہ چاہے کہ سیدھا چلے عناد اور کجروی اختیار نہ کرے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے تم کوئی چیز نہیں چاہ ہو گے بجز اس کے کہ جو اللہ تمام جہانوں کا پالنے والا چاہے اور فیصلہ کرے اس کے فیصلہ اور ارادہ کے بغیر تو ایک پتہ بھی درخت سے نہیں گر سکتا۔ اس لیے تمہیں بھی چاہیئے کہ خدا کی طرف رجوع کرو اور اسی سے توفیق مانگو۔ یہی طریقہ ہر نصیحت اور ہدایت سے منتفع ہونے کا ہو سکتا ہے۔

شمس و قمر کی قسموں سے
مضمون کی مناسبت

قرآنِ کریم کے اسلوب بیان میں یہ اسلوب بھی نہایت ہی بلند ترین اور معجزانہ اسلوب ہے کہ مخلوقات خداوندی کی قسموں کے ساتھ کوئی مضمون ان قسموں پر مرتب کیا جائے۔ جیسا کہ گزشتہ تفصیلات سے یہ ثابت ہو چکا کہ ہر قسم کے ساتھ جوابِ قسم کے مضمون میں مناسبت اور ربط ہوتا ہے یہاں بھی شمس و قمر کے بے نور کر دینے اور پہاڑوں کو اڑانے اور سمندروں کے دہکانے وغیرہ وغیرہ کی قسموں پر

---

[۱] یعنی شرقی کنارہ کے پاس اس کی اصلی صورت میں نہایت واضح طور پر دیکھ لیا اور یہ بھی سمجھ لیا کہ یہ اللہ کا فرشتہ ہے اور یہی اللہ کی وحی لے کر آتا ہے تو اب کیا تردّد ہو سکتا ہے کہ شبہ کیا جا سکے کہ شاید کسی جن یا شیطان کا قول ہے اس وجہ سے آیات قرآنیہ کو کسی کاہن کا قول کہنا جیسا کہ کفار مکہ کہتے تھے بعید از عقل ہے اور پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کیا شیطان ایسی پرہیزگاری اور تقویٰ کی باتیں بتائے گا؟ ۱۲۔

حشر و نشر اور قیامت برپا ہونے کا مضمون بڑی ہی قوی مناسبت رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں وحی الٰہی کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے بھی ایک بلند پایہ اور عظیم تر درجہ رکھتا ہے کہ ان ستاروں کا چلنا۔ ٹھہرنا۔ لوٹنا۔ اور پھر چھپ جانا ایک نمونہ ہے۔ انبیاء سابقین پر بار بار وحی آنے کا ایک مدت دراز تک اس کے نشان باقی رہنے پھر منقطع ہو کر چھپ جانے اور غائب ہونے کا اور رات کا آنا اس تاریک دور کا نمونہ ہے جو خاتم الانبیاءؐ والمرسلینؐ کی ولادت باسعادت سے پہلے گذرا کہ کسی شخص کو حق و باطل کی تمیز نہیں رہی تھی جس طرح رات میں سیاہ و سپید کا فرق نہیں معلوم ہوتا مگر رات کے بعد جب صبح صادق سانس لیتی ہے اور دم بھر کر اپنی روشنی تمام عالم میں پھیلا دیتی ہے تو بالکل اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت جہالت و گمراہی کی تاریکیوں کو پھاڑ کر عالم میں ہدایت کا نور پھیلا دینے والی ہے۔ انبیاء سابقین ستاروں کی طرح تھے مگر آپؐ کی رسالت ایک آفتابِ عالم بن کر عالم کے سامنے درخشاں ہوئی۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو بیان فرماتے ہوئے یہ دو شعر بھی نقل فرمائے۔

فانّہٗ شمسُ فضلٍ ھم کواکبھا یظھرن انوارھا للنّاس فی الظلم

حتیٰ اذا طلعت فی الکون عمّ ھُداھا للعٰلمین و احییت سائر الاُمم

بعض ائمۂ مفسرین کا قول ہے کہ ستاروں کا سیدھا چلنا اور لوٹنا اور چھپ جانا فرشتے کے آنے اور واپس جانے اور عالم ملکوت میں جا چھپنے کے مشابہ ہے اور رات کا گذرنا اور صبح کا آنا قرآن کریم کے ذریعہ ظلمتِ کفر کے دور ہو جانے اور نور ہدایت کے پوری طرح پھیل جانے کی مشابہ تو اس طرح ان قسموں کے ساتھ مضمون قیامت اور وحی الٰہی کی حقانیت کا ثبوت پوری طرح مربوط ہے اور ان میں مناسبت واضح ہے۔

ان آیات اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ۔ میں جبریل امینؑ کی صفات کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم جو اللہ کے پاس سے ہم تک پہنچا اس میں دو واسطے ہیں ایک وحی لانے والا فرشتہ (جبرئیل علیہ السلام) اور دوسرا واسطہ پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو صفات ایسی عظیم اور بلند پایہ ہیں کہ ان کے علم کے بعد کسی قسم کا شک و شبہ قرآن کے صادق اور مُنزل من اللہ ہونے میں نہیں رہتا۔ کسی روایت کی صحت تسلیم کرنے کیلئے اعلیٰ سے اعلیٰ راوی وہ ہوتا ہے جو اعلیٰ مرتبہ کا ثقہ، عادل، ضابط، حافظ اور امانت دار ہو اور جس سے وہ روایت کرے اس کے پاس عزت و حرمت کے ساتھ رہتا ہو بڑے بڑے معتبر ثقات اس کی امانت پر اعتماد کلی رکھتے ہوں اور اس وجہ سے اس کی بات بے چون و چرا مانتے ہوں تو یہ تمام صفات جبریل امینؑ میں موجود ہیں وہ کریم عزت و کرامت والے ہیں اور ظاہر ہے عزت و کرامت والا وہی ہوتا ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ و طہارت کا وصف رکھتا ہے۔ بقانون اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اور بڑی ہی قوت والے ہیں۔ حفظ و ضبط کی صلاحیت اعلیٰ و اکمل رکھتے ہیں اور رب العرش کے یہاں ان کا مرتبہ نہایت ہی عزت و قرب

کا ہے جس کے باعث ملکوت سموٰت میں وہ فرشتوں کے سردار ہیں اور سب فرشتے ان کی بات اور حکم مانتے ہیں۔ ان کے امین و معتبر ہونے میں کسی کو ذرہ برابر بھی شبہ نہیں تو ایسے فرشتہ کے ذریعے یہ قرآن نازل ہوا اور اللہ کے بندوں تک پہنچا اور جس رسول کے ذریعے دنیا کو یہ قرآن پہنچا آئندہ اس رسول خدا کی صفات و احوال کا بیان فرما دیا گیا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ خدا کے ایسے عظیم پیغمبر نے یہ کلام پہنچایا ہے جو صدق و امانت اور عقل و دانش کا پیکر ہے۔ ایسی صورت میں قریش مکہ اور مخالفین کا ان کو یہ کہنا کہ یہ دیوانہ یا کاہن ہیں بلاشبہ خود ان کہنے والوں کی دیوانگی اور پاگل پن کی دلیل ہے (فوائد شیخ الاسلامؒ)

ابطالِ جبر و قدر

وَمَا تَشَآءُونَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ میں انسان کے لئے ارادہ اور مشیت کا اثبات فرمایا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ یہ واضح کیا جا رہا ہے کہ انسان کا ارادہ اور مشیت اللہ کی مشیت اور اس کی تقدیر کے مطابق اس کی تابع ہے اس کی توفیق ہی سے ہدایت اختیار کرتا ہے۔ اور ہر انسان قضا و قدر کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے البتہ بات صرف اتنی ہے کہ قضا و قدر اس سے جو کچھ کراتی ہے وہ اس کے ارادہ اور اختیار کے توسط سے کراتی ہے۔ اینٹ پتھر کی طرح نہیں ہے کہ اس کو کوئی حرکت دے رہا ہو اور خود اس میں کسی طرح کا شعور و ادراک اور ارادہ و اختیار نہ ہو تو بندہ اسی ارادہ اور اختیار کو استعمال کرنے کی وجہ سے ثواب و عتاب کا مستحق ہوتا ہے تو اس آیت (لِمَنْ شَآءَ) سے جبر کا ابطال ہو گیا۔ اور اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ سے قدر کا ابطال اور فرقہ قدریہ کا رد ہو گیا۔ اور ظاہر ہو گیا کہ انسان نہ تو فاعل مختار ہے اور نہ مجبور محض بلکہ جبر و قدر کے بین بین ہے۔ مسئلہ کی تفصیل پہلے گذر چکی۔

اٰیاتُھَا ۱۹ — ۸۲ سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ ۸۲ — رُكُوْعُھَا ۱

سورۂ انفطار مکی ہے اور اس میں انیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝۱ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝۲

جب آسمان چر جاوے۔ اور جب تارے جھڑ پڑیں۔

وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿۳﴾ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ﴿۴﴾

اور جب دریا بہہ پڑیں ۔ اور جب قبریں اٹھائی جاویں ۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ﴿۵﴾ يَا أَيُّهَا

جان لیوے جی جو آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا ۔ اے

الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ﴿۶﴾ الَّذِي خَلَقَكَ

آدمی ! کاہے سے بہکا تو اپنے رب کریم پر ؟ جس نے تجھ کو بنایا

فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ﴿۷﴾ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ﴿۸﴾

پھر تجھ کو ٹھیک کیا پھر تجھ کو برابر کیا ۔ جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا ۔

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ ﴿۹﴾ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ

کوئی نہیں : پر تم جھوٹ جانتے ہو انصاف ہونا ۔ اور تم پر نگہبان

لَحَافِظِينَ ﴿۱۰﴾ كِرَامًا كَاتِبِينَ ﴿۱۱﴾ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ﴿۱۲﴾

مقرر ہیں ۔ سردار لکھنے والے ۔ جانتے ہیں جو کرتے ہو ۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿۱۳﴾ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴿۱۴﴾

بیشک نیک لوگ آرام میں ہیں ۔ اور بے شک گنہگار دوزخ میں ہیں ۔

يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿۱۵﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ﴿۱۶﴾

پیٹھیں گے (پہنچیں گے) اس میں انصاف کے دن ۔ اور نہ ہوں گے اس سے چھپ رہنے والے ۔

وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا

اور تجھ کو کیا خبر ہے کیسا ہے دن انصاف کا ؟ پھر بھی تجھ کو کیا خبر ہے؟ کیسا

يَوْمُ الدِّينِ ﴿۱۸﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ط

ہے دن انصاف کا ؟ جس دن بھلا نہ کر سکے کوئی جی کسی جی کا کچھ ۔

وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿١٩﴾

اور حکم اس دن اللہ کا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَار

حوادث ارض وسما و شمس و قمر بر قیام قیامت

سورۂ انفطار بھی مکی سورتوں میں سے ہے جس کی انیس آیات ہیں۔ اس کا مضمون بھی سورۃ تکویر کی طرح نظام عالم کے درہم برہم ہونے۔ قیامت کے وقت انقلابات کونیہ کے برپا ہونے پر مشتمل ہے پھر یہ کہ روز محشر ابرار و نیکوکار لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ اور فساق و فجار کس طرح عذاب جہنم میں مبتلا ہونگے۔

سورت کی ابتداء میں یہ ظاہر کیا گیا کہ قیام قیامت پر آسمانوں کا نظام اس طرح درہم برہم کر دیا جائے گا کہ آسمان شق ہو جائیں گے اور ستارے ٹوٹ کر گر پڑیں گے اور سمندر آگ سے دہکا دیئے جائیں گے اور مردے قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اس وقت ہر انسان کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے زندگی میں کیا کیا ہے اور پھر چاہے وہ کتنا ہی انکار کرے لیکن اس کے انکار سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ تو ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

جب کہ آسمان شق ہو جائے اور جب ستارے ٹوٹ کر گرنے لگیں اور جب سمندر ابلنے لگیں اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں اور اس طرح آسمان و زمین کا نظام تباہ ہو جائے تو ہر انسان جان لے گا۔ اس نے اپنے سے پہلے کیا بھیجا ہے اور پیچھے کیا چھوڑا ہے یا اس نے زندگی میں پہلے کیا کام کیا اور بعد میں کیا کیا۔ ہر عمل اور ہر چیز اس کے سامنے آجائے گی ان حقائق کو پیش نظر رکھنے کے بعد تو اس بات کا امکان نہیں رہتا کہ انسان کو اپنے پروردگار اور اس کی قدرت اور روز جزاء۔ حساب و کتاب کے بارہ میں کسی قسم کا شبہ یا دھوکہ باقی رہے لیکن افسوس اے انسان کس چیز نے تجھ کو تیرے رب کریم کے بارہ میں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے جس رب کریم نے تجھ کو بنایا ہے عدم سے تجھ کو وجود میں لایا۔ پھر تجھ کو ٹھیک کیا۔ پھر تجھ کو برابر کیا کہ اعضاء جسمانی ٹھیک ٹھیک بنائے اور ان میں ایک بہترین تناسب اور اعتدال رکھا کہ انسان کے بدن کا کوئی حصہ بے جوڑ اور غیر مناسب نہیں اور ان کی وضع و ہیئت بڑی ہی دقیق اور بلند پایہ حکمتوں پر مبنی ہے۔ پھر مزاج و اخلاط میں تناسب رکھا۔ یہ تمام باتیں اس کا موجب تھیں کہ انسان اپنے رب کو اور اس کے

انعامات کو پہچانتا۔ اس کی اطاعت و فرماں برداری کرتا۔ لیکن افسوس بہت سے انسان غفلت و جہالت کی ظلمتوں میں بھٹکتے رہے اور انہوں نے اسی میں اپنی ساری عمر برباد کی سو ایسے لوگوں کو سُن لینا چاہیئے۔ خبردار بات یہ نہیں ہے کہ خالق کائنات اور تمہارے رب کی ربوبیت کوئی پوشیدہ چیز ہے بلکہ تم تو جھٹلاتے ہو انصاف کے ہونے کو اور روز جزاء یعنی قیامت قائم ہونے کو اور کہتے ہو کہ انسان کی بس یہ زندگی ہے اسی میں اس کو رہنا ہے۔ اور جو کچھ کر لیا وہ بس گذر گیا اب نہ بعد میں زندہ ہونا ہے اور نہ ہی کیے ہوئے اعمال کی کوئی جزاء و سزا ہے۔ حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں جو بڑے ہی عزت والے اعمال کے لکھنے والے ہیں۔ جو جانتے ہیں ہر وہ بات جو تم کرتے ہو۔ اس لیے ہر ایک کے عمل کا بدلہ قیامت کے روز اس کو ملے گا اعمال خیر کی جزاء جنت کی نعمتیں ہیں اور اعمال شر کی سزا عذاب جہنم اور خدا کی ناراضگی ہے۔ یہی قانون خداوندی ہے جو طے ہو چکا بس اس کی رُو سے بے شک نیک لوگ بہشت کی نعمتوں میں ہوں گے اور بدکار بے شک دوزخ میں ہوں گے جس میں وہ داخل ہوں گے انصاف کے دن اور روز محشر ہر ایک ہمارے سامنے موجود ہوگا تو وہ گنہگار لوگ اس جہنم سے دور ہونے والے نہ ہوں گے نہ بھاگ کر اس سے دور ہو سکیں گے اور نہ داخل ہونے کے بعد اس سے نکل سکیں گے بلکہ ہمیشہ وہیں رہنا ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر کیا ذلت اور مصیبت ہو سکتی ہے اور اے مخاطب جانتا بھی ہے کہ کیا ہے انصاف کا دن کتنا ہی سوچا جائے اور غور و فکر کیا جائے۔ اس کی ہیبت اور عظمت کا انسان اندازہ نہیں کر سکتا پھر بھی سوچ لے جانتا ہے کیا ہے انصاف کا دن؟ اے انسان تو نہ جان سکتا ہے اور نہ اس تک تیری رسائی ہو سکتی ہے بس یہ سمجھ لے وہ دن ایسا ہوگا کوئی انسان کسی انسان کے لیے کسی بھی چیز کا مالک نہ ہوگا اور کوئی کسی کے لیے کچھ بھی نہ کر سکے گا۔ اس دن تمام رشتے ناطے اور تعلقات و روابط قطع ہو چکے ہوں گے اور کسی کو کسی کے لیے بولنے کی بھی مجال نہ ہوگی اور ہر فیصلہ اس دن اللہ ہی کے لیے ہوگا ہر ایک نفسی نفسی پکارتا ہوگا نہ کوئی کسی کی مدد کر سکے گا اور نہ کسی کی سفارش کر سکے گا اور نہ ہی فدیہ اور عوض قبول ہوگا۔ ہاں بس وہی شفاعت کر سکے گا جس کو اللہ کی طرف سے اجازت ملے گی جیسے کہ ارشاد فرمایا گیا یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا۔

دنیا کے بادشاہوں کے ہاں وسائل و ذرائع اور سفارشیں کام آجاتی ہیں لیکن احکم الحاکمین کی بارگاہ میں یہ سب رشتے ناطے بیکار اور بے اثر ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کسی شخص کو قیامت کا منظر دیکھنا ہو تو اس کو چاہیئے کہ وہ سورۃ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ اور سورۃ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ کی تلاوت کرے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ایک روایت باسناد احمد بن حنبل بشر بن جحاش القرشی کی نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز دیوار پر تھوکا۔ اور اس کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اے لوگو! حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے اے ابن آدم تو مجھے کہاں عاجز کر سکتا ہے۔ حالانکہ میں نے

تجھے اس تھوک جیسے حقیر پانی کے قطرہ سے پیدا کیا ہے یہاں تک کہ جب میں نے تجھ کو برابر اور متناسب اعضاء کے ساتھ بنایا تو اے انسان تو اپنے لباس (دو چادروں) میں اکڑ کر چلنے لگا حالانکہ زمین میں تیرے دفن ہونے کی جگہ ہے۔ تو نے مال خوب جمع کیا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے انکار کیا تا آنکہ جب تیرا سانس حلق تک پہنچنے لگا تو کہنا شروع کیا اب میں صدقہ کرتا ہوں۔ حالانکہ اب کہاں وقت رہا ہے۔ صدقہ کرنے کا ع۵

مغرور و نافرمان انسان کو خلاق رب العالمین کی ایک دھمکی

آیت مبارکہ "یَآیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ" میں انسانی غرور اور غفلت پر متنبہ کیا گیا ہے کہ انسان بحیثیت انسان ہونے کے اس امر سے نہایت ہی بعید ہے اور یہ بات اس کے واسطے قابل حیرت ہے کہ وہ اپنے رب کے معاملہ میں دھوکہ میں رہے اس کو نہ پہچانے اور اس کی اطاعت و فرماں برداری سے غرور و تکبر اختیار کرے۔ اس کو اللہ نے عقل و فطرت کی صلاحیت سے نوازا ہے اور مخلوق میں خالق کا رابطہ اور تعلق فطری امر ہے لیکن اس کے باوجود اس کی سرکشی و نافرمانی بلاشبہ قابل حیرت ہے بعض ائمہ مفسرین بیان فرماتے ہیں کہ "انسان" سے یہاں کافر مراد ہے۔ کیونکہ وہی قیامت کا منکر ہے اور انکار قیامت پر اصرار و دلیری اور گناہوں کا ارتکاب اور سزا سے بے پرواہ ہو کر شتر بے مہار بنے رہنا اللہ سے اس کا غرور ہے اور یہ کہ دھوکہ میں وہ مبتلا ہے۔ عطاءؒ سے منقول ہے کہ یہ آیات ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئیں کلبیؒ اور ابن مقاتلؒ بیان کرتے ہیں کہ یہ ایک مغرور کافر ابن الاسد بن کلدہ کے بارہ میں نازل ہوئیں اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخی کی مگر خدا نے دنیا میں سزا نہ دی تو یہ غرور و تکبر میں اترانے لگا۔ بغویؒ نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت اسود بن شریق کے بارہ میں نازل ہوئی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا تھا۔

بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہاں الانسان سے ہر ایک کو خطاب ہے خواہ وہ کافر ہو یا مؤمن گناہگار ہو یا بدکار تو بطور تنبیہ سب کو یہ خطاب فرمایا جا رہا ہے تاکہ کوئی بھی متنفس اس طرح کی روش اختیار نہ کرے اور آسمانی عدالت سے کسی وقت غفلت نہ برتے اگر کسی وقت بشری کوتاہی کرے اور کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر نادم و شرمندہ ہو کر تائب ہو یہ نہیں کہ عیسائیوں کی طرح یہ سمجھ کر مطمئن ہو جائے کہ بس یسوع مسیح ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو چکے ہیں۔ اب ہم کو کسی بھی گناہ کی سزا بھگتنی نہیں پڑے گی اور نہ یہودیوں کی طرح یہ سمجھے کہ بس حضرت ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونا کافی ہے۔ اور اگر کسی گناہ کی کچھ سزا بھی ملے تو بس چند روز کی ہوگی۔ جیسے کہ ارشاد ہے وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً یا ان جہلاء کی طرح دھوکہ میں نہ پڑے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ

ع۵: تفسیر ابن کثیر ج ۴۷۔

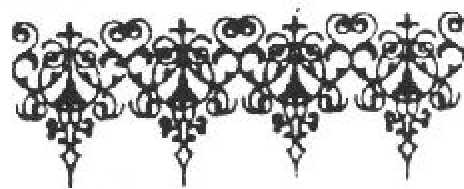
ان کے بزرگ اور غوث و قطب ان کو بخشوا دیں گے اور ان کو نہ کسی فرض کے ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ اور نہ کسی معصیت سے ان کو کچھ نقصان ہوگا اور نہ ہی روافض و شیعہ کی طرح یہ اعتقاد قائم کرلے کہ بنی فاطمہ پر آگ حرام ہے خواہ وہ کچھ بھی کریں ان کو قطعاً سزا نہ ہوگی ایسے فاطمیوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ یا فاطمۃ بنت محمد انقذی نفسك من النار فانی لا اغنی عنك من اللہ شیئًا۔ کہ اے فاطمہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی تو اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا (بغیر ایمان و عمل) میں اللہ کے یہاں تجھے ذرہ برابر بھی فائدہ نہ پہنچا سکوں گا۔

الغرض یہ اعتقادات اور تخیلات دھوکہ ہی ہیں ربّ کریم کے معاملہ میں ہر انسان کو اس قسم کے دھوکہ میں پڑنے سے اپنے آپ کو بچانا چاہیئے۔

آیت مبارکہ میں رب کے ساتھ کریم کی صفت جمع کرنے میں ایک نہایت ہی لطیف اشارہ ہے وہ خداوند عالم کی شان ربوبیت جس کا تقاضا ہر مرحلہ پر مخلوق کو پالنا اس کی ضرورتوں طبعی تقاضوں کو پورا کرنا ہے وہ اس امر کی مقتضی ہے کہ اس سے کسی طرح کی غفلت نہ برتی جائے اور نہ ہی تکبر و غرور کی روش اختیار کرنی چاہیئے پھر جب کہ وہ کریم بھی ہے اور اس کا کرم بار بار انسان کو اس کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اس کی یاد تازہ کرتی ہے اس کے انعامات و احسانات انسانی فطرت کو اس سے تعلق و محبت اور اس کی اطاعت و بندگی پر آمادہ کرتے ہیں اور اس کی ناراضگی و عتاب سے ڈراتے ہیں۔ تو حیرت ہے کہ پھر بھی انسان غافل رہے اور غرور و تکبر ہی کرتا رہے اور ہر طرح کی معصیت و نافرمانی کرنے پر بھی امیدیں قائم رکھے اور اسی گھمنڈ میں رہے کہ اس کا انجام بہت اچھا ہوگا اس تصور پر تو خداوند عالم نے اہل کتاب کو تنبیہ فرمائی اور ارشاد ہے تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ اور فرمایا لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ، کہ ان امیدوں اور آرزوؤں سے کام نہیں چلے گا۔

ابوبکر وَرّاقؒ بیان کرتے ہیں کہ اگر قیامت میں مجھ سے کہا گیا مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ تو میں کہہ دوں گا غرّنی کرم الکریم کہ کریم کے کرم نے مجھے دھوکہ میں ڈالا۔ غرض اس لطیف عنوان سے انسان کی طبعی کمزوری کو نمایاں کردیا گیا تاکہ اس عیب سے انسان اپنے آپ کو بچائے اور اس عیب سے اپنی زندگی کو پاک رکھے جو انسان کو حیوان سے بھی بدتر کردینے والی ہے۔ بس یہ حقیقت ہے۔

لطف حق با تو مواسا ہا کند
چونکہ از حد بگذرد رسوا کند



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ

سورۂ مطففین جس کو سورۂ التطفیف بھی کہا جاتا ہے مکیہ ہے۔ اس میں چھتیس آیات ہیں۔ ضحاکؒ و مقاتلؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ یہ مکی سورت ہے۔

عبداللہ بن الزبیرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ نے بیان کیا کہ یہ مکہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے آخری سورت ہے اس کے بالمقابل ایک جماعت ائمہ مفسرین کی اس کو مدنی سورت کہتی ہے چنانچہ حسنؒ اور عکرمہؒ سے منقول ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی اور یہ اس وقت نازل ہوئی جب آپ ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے۔ لیکن قول اوّل راجح اور قوی ہے۔

گزشتہ سورتوں میں آخرت اور بعث ونشر کے مضامین ذکر فرمائے گئے تھے اور اس ضمن میں اعتقاد و ایمان کے اصول واضح اور متعین کرنا تھا۔ اب اس سورت میں ایمان بالآخرۃ کی بنیاد پر معاملات کی اصلاح مقصود ہے اور انسانی معاشرہ کو خیانت جھوٹ اور حق تلفی کی گندگیوں سے پاک کرنا ہے اور ثابت کرنا ہے کہ حقوق العباد میں خیانت وہ بدترین جرم ہے کہ انسان اس کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔

آیاتُھا ۳۶	۸۳ = سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ = ۸۶	رُكُوْعُهَا ۱

سورۂ تطفیف مکی ہے اور اس میں چھتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ ۱ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ

خرابی ہے گھٹانے والوں کی ۔ وہ کہ جب ماپ لیں لوگوں سے،

يَسْتَوْفُوْنَ ۝ ۲ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ ۳

پورا بھر لیں ۔ اور جب ماپ دیں اُن کو یا تول دیں تو گھٹا کر دیں۔

أَلَا يَظُنُّ أُولَٰٓئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ ۝٤ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝٥

کیا خیال نہیں رکھتے وہ لوگ؟ کہ ان کو اٹھنا ہے۔ ایک بڑے دن میں۔

يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَٰلَمِينَ ۝٦ كَلَّآ إِنَّ كِتَٰبَ

جس دن کھڑے رہیں لوگ، راہ دیکھتے جہان کے صاحب کی۔ کوئی نہیں! لکھا

الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ ۝٧ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا سِجِّينٌ ۝٨ كِتَٰبٌ

گنہگاروں کا پہنچا بندی خانہ میں۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے کیسا بندی خانہ ہے؟۔ ایک دفتر

مَّرْقُومٌ ۝٩ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ۝١٠ الَّذِينَ

ہے لکھا ہوا۔ خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی۔ جو

يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝١١ وَمَا يُكَذِّبُ بِهِۦٓ إِلَّا كُلُّ

جھوٹ جانتے ہیں انصاف کا دن۔ اور اس کو جھٹلاتا وہی ہے، جو بڑھ

مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝١٢ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ءَايَٰتُنَا قَالَ أَسَٰطِيرُ

چلنے والا گنہگار ہے۔ جب سنائیے اس کو ہماری آیتیں، کہے نقلیں ہیں

الْأَوَّلِينَ ۝١٣ كَلَّا ۖ بَلْ ۜ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا

پہلوں کی۔ کوئی نہیں! پر زنگ پکڑ گیا ہے ان کے دلوں پر، وہ جو کچھ

يَكْسِبُونَ ۝١٤ كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ۝١٥

کماتے تھے۔ کوئی نہیں! وہ اپنے رب سے اس دن روکے جاویں گے۔ پھر

ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ ۝١٦ ثُمَّ يُقَالُ هَٰذَا الَّذِي

مقرر وہ پیٹھنے (پہنچنے) والے ہیں دوزخ میں۔ پھر کہیئے گا، یہ ہے جس کو

كُنتُم بِهِۦ تُكَذِّبُونَ ۝١٧

تم جھوٹ جانتے تھے

وعید بر اتلاف حقوق و خیانت در وزن و پیمائش

قال اللہ تعالیٰ۔ وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ عل۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الیٰ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کُنۡتُمۡ بِہٖ تُکَذِّبُوۡنَ

(ربط) ماقبل سورتوں میں وعید و تنبیہ تھی عقائد کی خرابی اور گمراہی پر اور اس کی بنیاد ایمان باللہ اور فکر آخرت کے وصف سے محرومی ہوتی ہے تو اب اس سورت میں ایمان بالآخرۃ نہ ہونے کے ثمرات میں سے معاملات کی خرابی اور لین دین میں خیانت اور دھوکہ کا ذکر کیا جا رہا ہے تو ارشاد فرمایا۔

ہلاکت و بربادی ہے ان لوگوں کے لیے جو گھٹانے والے ہیں یہ لوگ وہ ہیں جب ناپ کر لیں لوگوں سے تو پورا پورا بھر لیں اور جب ناپ کر دیں دوسروں کو یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیتے ہیں اگرچہ اپنا حق کسی سے پورا وصول کر لینا کوئی مذموم بات نہیں لیکن یہ بدترین خصلت ہے کہ اپنا حق وصول کرنے میں تو ذرہ برابر رعایت و چشم پوشی نہ کریں لیکن دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں خیانت و کوتاہی کریں۔ یقیناً انسان اس حرکت پر صرف اس وجہ سے آمادہ ہوتا ہے کہ اس کو آخرت اور آخرت میں محاسبہ اور بدلہ کا کوئی خیال نہیں۔ کیا یہ لوگ خیال نہیں کرتے ہیں اس بات کا کہ وہ اٹھائے جائیں گے۔ ایک بہت بڑے دن کے واسطے جہاں ایک ایک ذرہ کا

عل المطففین۔ تطفیف سے ماخوذ ہے جس کے معنی کنارہ اور جانب میں ہونے کے ہیں طفف لغت میں کنارہ کو کہا جاتا ہے اور کمی کرنے کو بھی کہتے ہیں محاورات میں کہا جاتا ہے طف الاناء جب کہ برتن کو پورا نہ بھرا جائے بلکہ بھرنے کے قریب ہو تو چھوڑ دیا جائے۔

زجاج بیان کرتے ہیں مطفف پیمانہ اور ترازو میں کمی کرنے والے کو کہتے ہیں کیونکہ وہ اس میں سے کچھ مقدار دھوکہ کی صورت میں کم کر دیتا ہے اسی کو بخس کہتے ہیں۔ اکتیال کا مفہوم کوئی چیز ناپ کر لینا اور کال بکیل کوئی چیز ناپ کر دوسرے کو دینا۔

ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خمس بخمس کہ پانچ گناہوں کی سزا پانچ مصیبتوں کی شکل میں انسان پر واقع ہوتی ہے جو شخص عہد شکنی کرتا ہے۔ خدا اس پر اس کے دشمن مسلط کر دیتا ہے جو اللہ کا قانون چھوڑ کر دوسرے قانون پر فیصلے کرتے ہیں۔ ان میں فقر و احتیاج آجاتا ہے اور جس قوم میں بے حیائی اور زنا عام ہو جائے تو اس پر طاعون اور ایسے ہی دوسرے وبائی امراض مسلط ہو جاتے ہیں اور جو ناپ تول میں کمی کریں ان پر قحط واقع ہوتا ہے اور جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان سے بارش روک لیتا ہے۔ (قرطبی)

اور ایک روایت میں ہے کہ جس قوم میں مال غنیمت میں خیانت اور چوری ہونے لگے اللہ تعالیٰ اس کا رعب دشمنوں کے دل سے نکال دیتا ہے اور خود دشمنوں کا ڈر انکے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ (ملاحظہ کریں تفسیر مظہری)

حساب دینا ہوگا۔ وہ دن ایسا ہوگا کہ لوگ کھڑے ہوں گے رب العالمین کے سامنے[علہ] اور ہر ایک بے چینی و بیقراری کے عالم میں منتظر ہوگا کہ اس کی پیشی کا کیا انجام ہوتا ہے اور حساب وکتاب کے بعد اس کے بارہ میں کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ خبردار! انسان کو ہرگز دھوکہ میں نہ پڑنا چاہیئے محاسبہ ہونا ہے اور فیصلہ کے بعد بس یہی ہے کہ بے شک بدکاروں کا اعمال نامہ سجّین میں ہے اور اے مخاطب تجھے معلوم بھی ہے کہ کیا ہے سجّین[علہ] وہ ایک لکھا ہوا فیصلہ ہے جو جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں مجرمین کے لیئے عذاب ومصائب اور دہکتی ہوئی آگ کا طبقہ ہے یا وہ دفتر ہے جہاں ان مجرمین کے نام لکھ کر حوالہ کردیئے جائیں گے۔ ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیئے جو انکار کرتے تھے ہمارے انصاف کے دن کا اور ہرچند دلائل کے باوجود وہ روزِ محشر اور قیامت پر ایمان

علہ: يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کی تفسیر میں عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ نے ارشاد فرمایا قیامت کے روز لوگوں کی جب رب العالمین کے سامنے پیشی ہوگی تو سورج سروں کے قریب ایک میل کے بقدر ہوگا اور شدتِ کرب سے پسینہ بہتا ہوگا کسی کے گھٹنوں تک ہوگا کسی کے اس سے اوپر اور کوئی اپنے پسینہ میں منہ تک ڈوبا ہوا ہوگا۔

علہ: بعض سلف سے منقول ہے کہ یہ مقام ساتویں زمین کے نیچے ہے جو اسفل السافلین کا مصداقِ اتم ہوگا۔ سجن کے معنی اصل میں قیدخانہ کے ہیں یہ کافروں کی ارواح کا قیدخانہ ہے۔ اکثر احادیث اور صحابہ وتابعین کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جہنم کا ایک طبقہ ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ ارواحِ مؤمنین علّیین اور ملاءِ اعلیٰ میں چلی جاتی ہیں تو اس کے برعکس فساق وفجار کی ارواح سجین میں ہوں گی جو تنگ وتاریک مقام ہے اور وہاں رنج وغم اور کرب واضطراب کے سوا کچھ نہیں آگ کی لپٹیں اور سانپ بچھو ڈستے ہوں گے۔

ابن ماجہ نے بروایت ابوہریرہؓ ایک حدیث بیان کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نیک اور ایماندار شخص کی روح قبض ہونے والی ہوتی ہے تو رحمت کے فرشتے جن پر اللہ کا نور برستا ہوا ہوتا ہے آکر بیٹھ جاتے ہیں اور بڑی ہی نرمی سے روح کو خطاب کرتے ہیں۔ نکل چل خدا کی رحمت ومغفرت دباغ وبہار اور عیش وراحت کی طرف تو فوراً ہی وہ روح نشاط وفرحت کے ساتھ نکل کر ان کے ساتھ عالم بالا کی طرف چلی جاتی ہے جہاں ملائکہ ہوتے ہیں اور جس طرف سے وہ روح گذرتی ہے اس کی مہک اور خوشبو اس جگہ کو معطر کردیتی ہے تو فرشتے کہتے ہیں یہ کون معطر اور روشن روح ہے۔ تو بڑی تعظیم سے اس کا نام بتا دیا جاتا ہے۔ برخلاف فاسق وکافر کی روح کے کہ بڑی ہی سختی اور ذلت سے نکالی جاتی ہے اور جہاں سے بھی اس کا گذر ہوتا ہے فرشتے اس کی بدبو اور گندگی سے تکلیف محسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ کس قدر خبیث اور گندی روح ہے تو پھر اس کو سجین میں ڈال دیا جاتا ہے۔

اس کی تشریح آیت لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ کے تحت گذر چکی۔

لانے کے لیے تیار نہیں ہوئے اور ظاہر ہے کہ اس روز انصاف کا کوئی بھی انکار نہیں کرتا مگر ہر وہ شخص جو بڑا ہی سرکش حد سے بڑھ جانے والا گناہگار ہے جس کی حالت یہ ہے کہ جب بھی اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہہ دیتا ہے کہ یہ تو نقل کیئے ہوئے قصے ہیں پہلے لوگوں کے ان کے حقائق و معارف اور دلائل و شواہد کو تسلیم کرنے کی بجائے ان کو گذرے ہوئے افسانے اور واقعات کہہ کر ٹلا دیتا ہے خبردار ہرگز ایسا نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے ان اعمال کی وجہ سے جو وہ کرتے ہیں اس وجہ سے قلب کا ادراک ماؤف ہوگیا اور وہ صلاحیت کھو بیٹھے ہیں کہ ان حقائق کو سمجھیں۔ خبردار یہی لوگ ہیں وہ جو اپنے رب سے پردہ میں رکھے جائیں گے ان کو کبھی حق تعالیٰ کا دیدار نہ ہوسکے گا اور بارگاہِ رحمت سے ان کو دور ہی روک دیا جائے گا پھر یہ دوزخ میں گرنے والے ہوں گے اور جہنم میں جھونک دینے کے ساتھ پھر ان کو یہ کہا جائیگا دیکھ لو یہی ہے وہ جس کا تم انکار کرتے تھے اور اس کو جھٹلاتے تھے اب تم اپنے اعمال کی بدولت اسی جہنم میں جھونکے جارہے ہو اور تم اس حقیقت پر یقین کرنے کے لیئے مجبور ہو جس کی تکذیب کرتے رہے اور دحی الٰہی کا مذاق اڑاتے رہے۔

معاملات میں عدل و انصاف اور امانت

مادی زندگی اور دنیا کی حرص و لالچ میں مبتلا ہونے والا انسان اس مرض میں مبتلا ہوتا ہے کہ جس شکل سے بھی ممکن ہو کچھ مالی منفعت حاصل کرلے اور اس مرض کے باعث نہ وہ کسی پر ظلم و تعدّی سے گریز کرتا ہے نہ عزت و آبرو کا لحاظ۔ زندگی کے ہر مرحلہ پر وہ خیانت اور جھوٹ ہی کے ذریعہ اپنا یہ ناپاک مقصد حاصل کرتا رہتا ہے حضرت شعیب علیہ السّلام کی قوم تجارتی امور اور لین دین میں یہی روش اختیار کیئے ہوئے تھی۔ حضرت شعیب علیہ السّلام نے جب نصیحت کی اور فرمایا۔

وَ يٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ تو بدنصیب قوم نے جواب دیا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا۔ جیسے کہ تفصیل سے گذر چکا۔

مگر دنیا کی محبت میں غرق ہونے والے انسان کو آخرت کی گرفت اور دنیا کے عذاب سے بے فکر نہ ہونا چاہیئے۔

****

كَلَّآ إِنَّ كِتَٰبَ ٱلْأَبْرَارِ لَفِى
کوئی نہیں ! لکھا نیکوں کا ہے
عِلِّيِّينَ ۝١٨ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا عِلِّيُّونَ ۝١٩ كِتَٰبٌ مَّرْقُومٌ ۝٢٠ يَشْهَدُهُ
اوپر والوں میں۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہیں اوپر والے ؟ ایک دفتر ہے لکھا۔ اسکو دیکھتے ہیں
ٱلْمُقَرَّبُونَ ۝٢١ إِنَّ ٱلْأَبْرَارَ لَفِى نَعِيمٍ ۝٢٢ عَلَى ٱلْأَرَآئِكِ يَنظُرُونَ ۝٢٣
فرشتے نزدیک والے۔ بیشک نیک لوگ ہیں آرام میں - تختوں پر بیٹھے دیکھتے۔
تَعْرِفُ فِى وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ ٱلنَّعِيمِ ۝٢٤ يُسْقَوْنَ مِن
پہچانے تو اُن کے منہ پر تازگی آرام کی - ان کو پلائی جاتی ہے۔
رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ ۝٢٥ خِتَٰمُهُۥ مِسْكٌ ۚ وَفِى ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ
شراب مہر میں دھری - جس کی مہر جمتی ہے مشک پر، اور اس پر چاہیئے ڈھوکیں
ٱلْمُتَنَٰفِسُونَ ۝٢٦ وَمِزَاجُهُۥ مِن تَسْنِيمٍ ۝٢٧ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا
(رغبت کریں) ڈھوکنے (رغبت کرنے) والے۔ اور اس کی ملونی اُدپر سے پڑتی - ایک چشمہ جس سے پیتے ہیں
ٱلْمُقَرَّبُونَ ۝٢٨ إِنَّ ٱلَّذِينَ أَجْرَمُوا۟ كَانُوا۟ مِنَ ٱلَّذِينَ
نزدیک والے - وہ جو گنہگار ہیں وہ تھے ایمان والوں
ءَامَنُوا۟ يَضْحَكُونَ ۝٢٩ وَإِذَا مَرُّوا۟ بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ۝٣٠ وَإِذَا
سے ہنستے - اور جب ہو نکلتے ان پاس آپس میں سین (اشارے) کرتے۔ اور جب
ٱنقَلَبُوٓا۟ إِلَىٰٓ أَهْلِهِمُ ٱنقَلَبُوا۟ فَكِهِينَ ۝٣١ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوٓا۟
پھر کر جاتے اپنے گھر، پھر جاتے باتیں بناتے - اور جب ان کو دیکھتے کہتے
إِنَّ هَٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّونَ ۝٣٢ وَمَآ أُرْسِلُوا۟ عَلَيْهِمْ حَٰفِظِينَ ۝٣٣
بیشک یہ لوگ بہک رہے ہیں - اور ان کو بھیجا نہیں ان پر نگہبان -

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ
سو آج ایمان والے منکروں سے ہنستے ہیں - تختوں پر بیٹھے
يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾
دیکھتے ہیں - اب بدلہ پایا منکروں نے جیسا کرتے تھے -

کرامت و عزت برائے مومنین مطیعین

قال اللہ تعالیٰ۔ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ ..... الی ..... مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ

(ربط) گزشتہ آیات میں مجرمین اور خیانت کرنے والوں پر وعید تھی۔ اب ان آیات میں اہل ایمان اور مخلصین پر ہونے والے انعام و اکرام کا ذکر ہے کہ وہ کیسی عزت کے ساتھ جنت میں اللہ کی نعمتوں سے نوازے جائیں گے۔ ارشاد فرمایا۔

ہرگز نہیں: ایسا کہ نیک اور بد کا انجام ایک ہی طرح ہو - یہ جو کچھ سزائیں ذکر کی گئیں فساق و فجار اور مکذبین کی تھیں۔ اس کے برعکس بلا شبہ نیکو کاروں کا نامہ اعمال علیین میں ہوگا اور وہی ان کا ٹھکانا بھی ہے اور اے مخاطب تجھے معلوم بھی ہے کہ کیا ہے علیین۔ وہ ایک لکھا ہوا دفتر اور طے شدہ بلند و عظیم مقام ہے۔ جس کی عظمت کا یہ مقام ہے کہ مقرب فرشتے اس کو دیکھتے ہیں بڑی ہی عزت و احترام کی نظر سے اور اس کے گرد حاضر ہوتے ہیں جو ساتویں آسمان کے اوپر ہے اور اللہ رب العزت نے مقربین کی ارواح کے لئے اسی کو مستقر بنایا ہے۔ بے شک نیک لوگ بڑی ہی نعمتوں اور راحتوں میں ہوں گے اپنی مسندوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے۔ نہایت ہی فرحت و سرور کے ساتھ تمام مناظر بہشت اور رب العالمین کا بھی دیدار کرتے ہوں گے جب بھی اہل بہشت کو دیدار خداوندی سے نوازا جاتا ہوگا۔ اے دیکھنے والے جب تو ان کو دیکھے تو جان لے گا آرام و راحتوں کی تازگی اور شادابی ان کے چہروں میں۔ ان کے چہروں پر مسرت و اطمینان کی شادابی نمایاں ہوگی ان کو پلایا جاتا ہوگا خالص شراب طہور سے جو سر بمہر ہوگی جس پر کسی طرح کا گرد و غبار اور ہوا کا بھی اثر نہ ہوگا۔ جس کی مہر مشک ہوگی یہ ہیں وہ نعمتیں اور راحتیں جو علیین میں نیکوکار لوگوں کو حاصل ہوں گی۔

اور حقیقت یہی ہے بس ایسی ہی چیز میں رغبت کرنے والوں کو رغبت اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے لیئے مسابقت کرنی چاہیئے۔ دنیا کی شراب کی لذت و راحت اس قابل نہیں کہ اس کے لیئے حرص اور منافست و مسابقت کی جائے اور اس میں آمیزش ہوگی۔

تسنیم[1] سے جو بلندی[2] سے نیچے کی طرف گرتا ہوا ایک چشمہ ہوگا جس کی لذت وخوشبو اور لطافت احاطہ تصور سے بالا ہے۔ جسے مقربین پیتے ہوں گے جو خواص مقربین کے لیے ہوگا اور اس چشمہ سے مِلاکر ان تمام ابرار اور نیکوکار جنتیوں کو پلاتے ہوں گے جن کے واسطے شرابِ طہور رحیق مختوم ہوگی۔ یہ تو حال ہے اہل ایمان کا جو بہشت کی نعمتوں اور راحتوں میں ہونگے اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ ان کو ایمان وتقویٰ اور دنیوی لذتوں اور نفس کی خواہشات سے صبر کرنیکی وجہ سے ملا مگر ان کے بالمقابل جنکی زندگی کا مقصد دنیوی عیش وعشرت اور نفس کی خواہشات اور لذتیں ہی رہیں۔ تو ایسے لوگ خدا کے مجرم ونافرمان ہوئے اور بے شک یہ لوگ جو مجرم ہیں جنھوں نے دنیا میں جرم اور نافرمانی کی ایمان والوں سے ہنسی کیا کرتے تھے اور بڑی حقارت سے ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور جب ان پر سے گذرتے تو آنکھوں سے اشارے کرتے تحقیر وتذلیل کے لیے۔ اور اس طرح اپنی آنکھوں اور بھوؤں کے اشارے سے اہل ایمان پر طعن وتشنیع کرتے اور ان کی ظاہری شکستہ حالی پر اپنی دولت وثروت کے زعم میں مذاق اڑاتے[3] اور جب اپنے گھر لوٹتے تو خوب ہنستے ہوئے قہقہے لگاتے ——— اور جب ان کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ تو بڑے ہی گمراہ بے وقوف ہیں کہ دنیا کے مزے چھوڑ کر قیامت کی باتیں کر رہے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ مجرمین کی یہ تمام باتیں احمقانہ تھیں اور کمینہ پن جس کا عقلاً کوئی جواز نہ تھا اور نہ کوئی شریف انسان ایسی بیہودہ باتوں کو گوارا کر سکتا ہے اور یہ لوگ ان ایمان والوں پر کوئی محافظ بن کر تو نہیں بھیجے گئے تھے کہ یہ ان کے داروغہ ہوں اور ان پر اپنی فوجداری جتلائیں بہرحال دنیا میں یہ مجرم جو کچھ ذلیل حرکتیں کریں وہ کریں لیکن آج کے دن تو ایمان والے کافروں پر ہنستے ہوں گے جب کہ اپنے مسندوں پر بیٹھے ان کو دیکھ رہے ہوں کہ کس طرح یہ مجرم ذلت ورسوائی اور عذاب جہنم میں مبتلا ہیں اور دنیا کے وہ سارے عیش ختم ہو گئے تو اس حالت کو دیکھ کر ایمان والے مجرموں اور کافروں کا مذاق اڑائیں گے۔ اور اس طرح اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوں گے اور نجات وکامیابی۔ بہشت کی نعمتوں اور راحتوں پر مسرور ہو رہے ہوں گے۔ اور ان تمام مناظر سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ تو یہ ہوگا اعزاز واکرام ان ایمان والوں کا جن پر یہ

---

[1]: حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں۔ شراب کی نہریں تو ہر کسی کے محل میں بہتی ہوں گی لیکن یہ شراب طہور نہایت خاص اور نادر قسم کی ہوگی جو مشک کی مہروں سے بند کی ہوگی۔ ۱۲۔

[2]: یہ تفسیر روایتِ عکرمہؓ کے پیش نظر ہے عبداللہ بن عباسؓ اور حسن بصریؒ سے منقول ہے بیان فرماتے تھے اسکی حقیقت بجز پروردگار کے کوئی نہیں جانتا وہ ایک نہایت بے بہا اور قیمتی چیز ہے جس کی نسبت حق سبحانہٗ تعالےٰ کا اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کس قدر قیمتی ہوگی جو رحیقِ مختوم میں ملا کر عام اہل جنت کو پلائی جاتی ہوگی۔ ۱۲۔

[3]: یہی وہ چیز ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی اَلَا اخبرکم باھل الجنۃ کل ضعیف متضعف لو اقسم علی اللہ لابَرَّہٗ ——— الا اخبرکم باھل النار کل عتل جواظ متکبر (رواہ البخاری ومسلم)

کافر ہنستے تھے اور مذاق اڑا کر ان کی تحقیر کرتے تھے اور کہیں گے۔ کیا بدلہ پا لیا ہے۔ منکروں نے اپنے کاموں کا۔

فائدہ كَلَّا بَلْ رَانَ کی تفسیر میں ابن کثیرؒ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے بیان کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔ مؤمن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے اگر اس نے توبہ کر لی اور استغفار کی تو وہ نقطہ زائل ہو جاتا ہے اور اس کا قلب صیقل ہو جاتا ہے۔ اور اگر غافل رہا تو وہ سیاہ نقطہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے حتیٰ کہ پورے قلب پر احاطہ کر لیتا ہے اور یہی وہ "ران" ہے جس کا اللہ رب العزت نے كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ میں ذکر فرمایا ہے۔ یہی وہ بات ہے جو فرمائی گئی۔

ہر گناہ زنگے است بر مرآۃ دل
دل شود زیں زنگہا خوار و خجل

فائدہ[۲]

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ کی تفسیر میں امام شافعیؒ سے منقول ہے فرمایا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل ایمان دیدار خداوندی سے نوازے جائیں گے جیسا کہ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ میں فرمایا گیا اور کافروں کو دیدار خداوندی سے محرومی کی دھمکی اس بات کی علامت ہے کہ قیامت کے روز کافر بھی حق تعالےٰ کے دیدار کے مشتاق و متمنی ہوں گے اور دنیا میں چونکہ مادی غفلتوں کے حجاب دل پر قائم تھے اس وجہ سے دنیا کی زندگی میں خدا کا کوئی تعلق اور اس کی کوئی محبت محسوس نہ ہوتی تھی۔ اب جب کہ قیامت کے دن مادیت کے سارے حجاب دور ہو جائیں گے تو کافر بھی اسی طرح دیدار خداوندی کا طالب و مشتاق ہوگا جس طرح کہ مؤمن کو اس شوق کے عالم میں دیدار خداوندی سے محروم رکھنا اس پر بڑی حسرت اور تکلیف کا باعث ہوگا تو اس بنا پر بطور دھمکی فرما دیا گیا۔ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ۔

اللّٰھم ارزقنا رؤیتك فی جنّٰت النعیم واجعلنا من الذین وجوہٌ یومئذٍ نّاضرۃٌ الیٰ ربّھا ناظرۃٌ۔ آمین یا رب العٰلمین۔

(تم بحمد اللہ العزیز سورۃ التطفیف)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الانشقاق

(ربط) اس میں بھی گزشتہ مکی سورتوں کی طرح قیامت حشر و نشر اور جزاء و سزا کے مضامین ہیں۔ اور بالخصوص یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ قیامت برپا ہونے پر نظام عالم کس طرح درہم برہم ہو جائے گا۔ اس کی تحقیق و تثبیت کے ساتھ انسانی تخلیق کا ذکر فرما دیا گیا اور یہ کہ انسان اپنی زندگی میں حصول معاش اور مادی تقاضوں کے پورا کرنے کے لیے کیسی کیسی مشقتیں برداشت کرتا ہے۔ اس کو اپنی اس عملی جدوجہد میں آخرت اور بعث بعد الموت کو فراموش نہ کرنا چاہیئے اور یہ بات ہرگز اس کو نہ بھلانی چاہیئے کہ ہر انسان اپنے رب کی طرف لوٹنے والا ہے اور وہاں زندگی بھر کے اعمال کا حساب ہوگا۔

اخیر سورت میں مشرکین اور منکرین قیامت پر تنبیہ و تہدید ہے ان کے ایمان نہ لانے اور خداوند عالم کی نافرمانی کی روش پر اظہار افسوس کیا گیا کہ انہوں نے اللہ رب العزت کی بے شمار نعمتوں کے باوجود کبھی خدا کو یاد نہ کیا اور نہ اس پر ایمان لائے اور نہ ہی اس کے احکام کی اطاعت کی۔

ان چند آیات اور مختصر کلمات میں ایسے عظیم اور اہم مضامین کا جمع کر دینا بلاشبہ قرآن کریم کا اعجاز ہے جو اکثر مواقع میں ایک صاحب فہم کے سامنے اس طرح واضح ہو کر آتا ہے کہ اس پر ایمان عقل و فطرت کا تقاضا معلوم ہونے لگتا ہے۔

آیاتها ۲۵ ‏ ۸۴ = سُورَةُ الانشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ = ۸۳ ‏ رکوعها ۱

سورۂ انشقاق مکی ہے اور اس میں پچیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا

جب آسمان پھٹ جاوے۔ اور سن لے حکم اپنے رب کا، اور وہی لائق ہے۔ اور جب

الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝۳ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝۴ وَاَذِنَتْ

زمین پھیلائی جاوے ۔ اور نکال ڈالے جو کچھ اس میں ہے اور خالی ہو جاوے۔ اور سُن لے حکم

لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۵ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ

اپنے رب کا اور وہ اسی لائق ہے۔ اے آدمی ! تجھ کو بچنا ہے اپنے رب تک پہنچنے میں

كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝۶ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝۷

بچ بچ کر، پھر اس سے ملنا ۔ سو جس کو ملا لکھا اس کا داہنے ہاتھ میں ۔

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝۸ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ

تو اس سے حساب لینا ہے حساب آسان ۔ اور پھر کر آوے اپنے لوگوں

مَسْرُوْرًا ۝۹ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝۱۰ فَسَوْفَ

پاس خوش وقت ۔ اور جس کو ملا اس کا لکھا پیٹھ کے پیچھے سے ۔ سو وہ

يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝۱۱ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝۱۲ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ

پکارے گا موت موت ۔ اور پیٹھے گا (پہنچے گا) آگ میں ۔ وہ رہا تھا اپنے گھر

مَسْرُوْرًا ۝۱۳ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝۱۴ بَلٰٓى اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ

خوش وقت ۔ اس نے خیال کیا کہ پھر نہ جاوے گا ۔ کیوں نہیں ! اس کا رب اس کو

بِهٖ بَصِيْرًا ۝۱۵ فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝۱۶ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝۱۷

دیکھتا تھا ۔ سو قسم کھاتا ہوں شام کی سُرخی کی ۔ اور رات کی، اور جو اس میں سمٹتا ہے۔

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۝۱۸ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝۱۹ فَمَا

اور چاند کی جب پورا بھرے ۔ تم کو چڑھنا ہے کھنڈ پر کھنڈ (درجے پر درجہ) پھر کیا

لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۲۰ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا

ہوا ہے ان کو یقین نہیں لاتے ۔ اور جب پڑھیئے ان پاس قرآن سجدہ

يَسۡجُدُونَ ﴿٢١﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ ﴿٢٢﴾ وَاللّٰهُ أَعۡلَمُ

نہیں کرتے - اوپر سے یہ منکر جھٹلاتے ہیں - اور اللہ خوب جانتا

بِمَا يُوعُونَ ﴿٢٣﴾ فَبَشِّرۡهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٤﴾ إِلَّا الَّذِينَ

ہے جو اندر بھر رکھتے ہیں - سو خوشی سنا ان کو دکھ والی مار کی - مگر جو

ءَامَنُوا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحَٰتِ لَهُمۡ أَجۡرٌ غَيۡرُ مَمۡنُونٍ ﴿٢٥﴾

یقین لائے اور کیں بھلائیاں ، ان کو نیگ ہے بے انتہا -

قانون مجازات و مراتب جہود عملیہ در حیات انسانی

قال اللہ تعالیٰ۔ إِذَا السَّمَآءُ انشَقَّتۡ .... الیٰ .... لَهُمۡ أَجۡرٌ غَيۡرُ مَمۡنُونٍ۔

(ربط) گزشتہ سورتوں میں بعث بعد الموت اور حشر و نشر کے احوال کا ذکر تھا اور دلائل سے اس موضوع کو ثابت کرتے ہوئے انسان کو فکر آخرت کی طرف توجہ دلائی گئی تھی تو اب اس سورت میں قیامت کے کچھ ہولناک مناظر بیان کیے گئے ہیں قانون مجازات بیان کرتے ہوئے یہ بتایا جارہا ہے۔ انسانی اعمال اور اس کی جد وجہد کے مختلف اور متفاوت درجات ہیں اور ہر انسان کی زندگی مصروف عمل ہے اور وہ اپنے فکری اور عملی قویٰ کو محنت و مشقت میں ڈالے ہوئے ہے اب یہ کہ وہ سعادت کا راستہ اور منزل اختیار کرتا ہے یا شقاوت و ہلاکت ؟ یہ اس کی صلاحیت فہم اور عقل و فطرت کے تقاضے پورے کرنے یا ان کو نظر انداز کرنے پر موقوف ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا۔ اور جب کہ آسمان پھٹ جائے اور کان لگا لے وہ اپنے رب کے حکم کی طرف اور اس کے لئے بھی حق ہے کہ وہ اپنے رب کا حکم سنے اور اسی لائق ہے کہ باہی عظمت و رفعت اپنے مالک و خالق کے سامنے گردن ڈال دے اور اس کی فرماں برداری میں ذرہ برابر بھی چون وچرا نہ کرے۔

اور وہ یہ ہے کہ اس حکم تکوینی اور قیامت برپا ہونے کی شدت و ہیبت سے شق ہو جائے۔ اور جب کہ زمین پھیلادی جائے گی عمارتیں پہاڑ سب پارہ پارہ ہو کر زمین کھلے میدان کی طرح نظر آنے لگے نہ کوئی غار باقی رہے اور نہ پہاڑ نہ عمارتیں اور درخت اور زمین ایک سطح مستوی بن جائے یا جس طرح ربڑ کو کھینچا جارہا ہو اسی طرح اس کو پھیلا دیا جائے کہ کوئی حجاب حائل ہی باقی نہ رہے تو ایسی وسیع اور ہموار زمین پر سب کا حشر ہوگا۔

اور اس وقت نکال پھینک دے ہر وہ چیز جو اس کے اندر ہے خواہ وہ خزائن و معادن ہوں یا زمین میں دفن شدہ مردے اور ان کی ہڈیاں اور جسم کے اجزاء ہوں اور ان سب سے وہ خالی ہو جائے۔

اور کان لگالے اپنے رب کے حکم کی طرف اور اس کے لیئے یہی لائق ہے کہ وہ اپنے رب کا حکم سُنے اور اس کو مانے تو بس اس وقت اے دیکھنے والے تو دیکھے گا کہ نظام عالم درہم برہم ہو چکے گا زمین و آسمان ہی پر سارا عالم قائم ہے جب وہی شق ہو جائے اور زمین پر قائم آبادیاں پہاڑ درخت انسان سب ختم ہو جائیں۔ اور زمین اپنے اندر کے خزانے و مردے اگل دے تو یہی وہ وقت ہو گا کہ ہر انسان اپنے رب کے سامنے حاضر کیا جائے گا اور زندگی کے تمام اعمال کا حساب ہو گا۔ اسی لیے اے انسان تو سمجھ لے اس حقیقت کو کہ تو محنت و مشقت اٹھا رہا ہے عملی جدوجہد کرتے ہوئے اپنے رب کی طرف جاتے ہوئے کہ زندگی کا یہ سفر ہر انسان مسلسل طے کر رہا ہے اور اس کی زندگی کا ہر لمحہ اس کو قبر اور آخرت کے قریب کر رہا ہے۔

زندگی کی یہ منزلیں طے کرتے کرتے اے انسان بہر حال تجھے اپنے رب تک پہنچنا ہے اور اس کے سامنے تجھے حاضری دینی ہے انسانی زندگی میں یہ عملی جدوجہد ہر ایک کی اپنی اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق ہوتی ہے کوئی اپنے رب کی اطاعت و فرمانبرداری میں محنت و مشقت اٹھاتا ہے تو کوئی بدی اور نافرمانی میں اپنی جان کھپاتا ہے اسی طرح زندگی کی یہ منزلیں ہر انسان طے کرتے ہوئے آخر اپنے پروردگار سے ملے گا کیونکہ موت کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا اور پھر اعمال کے نتائج سے دوچار ہونا ہی پڑے گا تو جس کسی کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دے دیا جائے گا تو بس یہ تو وہ شخص ہو گا جس کا حساب نہایت ہی آسان لیا جائے گا۔ اور اس کے بعد یہ اپنے لوگوں کے پاس لوٹے گا نہایت ہی خوش ہوتے ہوئے اپنی کامیابی اور نجات پر اور ان انعاماتِ خداوندی کو دیکھ کر جو اس کو عطا کیئے جائیں گے۔ اب نہ تو سزا کا خوف رہے گا اور نہ کسی چیز کا غم وغصہ بڑے ہی اطمینان وسکون سے اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹ رہا ہو گا اپنے احباب و اقارب اور مسلمان بھائیوں کے ساتھ خوشیاں مناتا ہو گا۔ اس کا حساب تو بس نامۂ اعمال اور کاغذات کی پیشی ہو گی اور بدون کسی بحث ومباحثہ اور مناقشہ درگذر اور معاف کیا جاتا ہو گا۔

اور جس کسی کو اس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے پکڑا یا جائے یعنی فرشتے سامنے سے اس کی صورت بھی دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے ہوں گے اور اس طرح اس کے نامۂ اعمال پشت کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں دے دیئے جائیں تو بے شک وہ پکارے گا موت اور ہلاکت کو اور یہی چاہے گا کہ بجائے اس آنے والے عذاب کے مجھے موت ہلاک اور فنا کر دے تو اچھا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کی یہ آرزو پوری نہ ہو گی اور وہ داخل ہو گا ایک دہکتی ہوئی آگ میں دنیا کی زندگی میں تو اس کو خیال تک نہ تھا کہ اس طرح میدان حشر میں پیشی ہونی ہے اور اعمال کی جزاء وسزا کا مرحلہ آئے گا اس وجہ سے وہ بے شک اپنے گھر اور گھر والوں میں بڑا ہی خوش وخرم رہا کرتا تھا اس نے تو یہ خیال کر رکھا تھا اور دل میں یہی عقیدہ قائم کیئے ہوئے تھا کہ وہ واپس اپنے رب کی طرف نہیں لوٹے گا۔ اور اب اس منکر و کافر کو نظر آ جائے گا کہ اس کے یہ خیالات لغو اور بیہودہ تھے۔ بہر کیف ہر انسان کو بلاشبہ اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے۔ بے شک اس کا رب اس کو خوب دیکھنے والا ہے جس کی نظر سے اس کا کوئی عمل اور کوئی حال کسی بھی زمان ومکان میں مخفی نہیں رہ سکتا۔ پیدائش سے

موت تک کا ہر مرحلہ اس کی نگاہوں کے سامنے ہے کہ بدن کس چیز سے بنا روح کہاں سے آئی اس کے قلب میں اعتقاد کیا تھا زبان سے کیا کیا کرتا تھا۔ ہاتھ پاؤں سے کیا کمایا اور پیٹ میں کھانے اور پینے کی چیزیں کیا کیا بھریں اور کس طرح بدن سے روح نکل گئی تو بدن بھی اس کی نگاہوں میں ہے۔ دیکھ رہا ہے اس کے اجزاء کہاں کہاں منتشر اور بکھر گئے تو جو پروردگار اوّل سے آخر تک ہر مرحلہ کو دیکھ رہا ہے اور ہر چیز کا خالق اور ہر ایک بات پر قدرت رکھتا ہے بھلا اس کے محاسبہ سے اور گرفت سے کون انسان بچ سکتا ہے نہ ہی یہ ممکن ہے کہ اس کو اسی طرح عبث اور معطل چھوڑ دیا جائے اور اسکے اعمال کی جزاء وسزا کچھ نہ ہو ہرگز نہیں پس میں قسم کھاتا ہوں شام کی سُرخی کی اور رات کی اور ہر اس چیز کی جو رات کے اندھیرے میں سمٹ آتے اور چاند کی جب وہ پورا بھر جائے۔ تو اے انسانو! غروب آفتاب کے بعد سرخی اور آسمان پر اس کے اثرات پھر رات کی تاریکی اور

؏ یعنی چودھویں رات کا چاند جب اپنے کمال کو پہنچا ہوا ہو۔

اس آیت میں حق تعالےٰ شانہٗ نے شفق کی قسم کھا کر انسانی افکار کو لیل ونہار کے تغیرات کی طرف متوجہ کیا ہے کہ اس کو دیکھ کر اپنی دنیوی زندگی کی حقیقت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

اکثر حضرات محدثین اور ائمہ لغت شفق کی تفسیر میں غروب کے بعد آسمان پر باقی رہنے والی سرخی بیان کرتے ہیں خطابیؒ نے اسی کو اختیار کیا اہل لغت سے یہ بھی منقول ہے کہ آسمان پر پھیلنے والی یہ سرخی خواہ وہ بعد غروب شمس ہو یا قبل از طلوع دونوں کو شفق کہا جائے گا۔ خلیل بن احمدؒ سے جو کہ لغت عربیہ کے امام ہیں یہی نقل کیا گیا۔

مصنف عبدالرزاق میں ابوہریرہؓ سے ایک روایت میں یہ نقل ہے کہ انہوں نے فرمایا الشفق ھُوَ البیاض۔ امام راغبؒ سے یہ منقول ہے فرمایا شفق دن کی روشنی کا رات کی تاریکی کے ساتھ مخلوط ہونے کا نام ہے۔

شیخ حلبیؒ نے شرح منیہ میں لکھا ہے شفق آسمان کے کنارہ پر باقی رہنے والی سفیدی کو کہا جاتا ہے جو سُرخی کے دور ہونے کے بعد ہو۔ امام ابوحنیفہؒ اسی کے قائل ہیں اور اسی بناء پر اُن کے نزدیک عشاء کا وقت شفق ابیض کے غائب ہوچکنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔

اس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جن میں لفظ "حتیٰ یغیب الافق" آتا ہے اور ظاہر ہے غیبوبت سفیدی کے ختم ہونے کے بعد ہوسکتی ہے اس کی مزید تائید مجاہدؒ کی اس روایت سے ہوتی ہے۔ جس میں انہوں نے یہ بیان کیا ہے فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ سے اللہ نے دن کی روشنی کی قسم کھائی ہے۔ اور فرمایا کہ وَالَّیْلِ وَمَا وَسَقَ میں رات کی تاریکی کا بیان ہے تو اس طرح اللہ رب العزت نے دن کی روشنی اور رات کی تاریکی کو جمع کر دیا۔

(کذا فی تفسیر ابن کثیر و فتح الملہم جلد ثانی) ۱۲۔

اس کی تاریکی میں سمٹ جانے والی مخلوقات و کائنات پھر چاند کا ہلال کی شکل میں طلوع ہونے کے بعد اپنے حدِ کمال تک پہنچ جانا! عالم کے یہ انقلابات اور قدرت خداوندی کی یہ عظیم نشانیاں تم کو یہ بات بتا رہی ہیں کہ یقیناً ضرور بالضرور تم کو چڑھنا ہے سیڑھی پر سیڑھی اور درجہ بدرجہ مختلف احوال اور ادوار سے تم کو گذرنا ہے اور اسی طرح تدریجی مراحل طے کرتے کرتے عمر کے اختتام کو پہنچنا ہے اور زندگی کی تمام آسائشیں لذتیں اور متاع دنیا کی چمک دمک زندگی کی افق میں اسی طرح ڈوب جائیں گی جیسا کہ سورج اپنی تمام آب و تاب سے طلوع ہو کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر ڈھلنے لگتا ہے اور پھر افق کی تاریکیوں میں چھپ کر آسمان پر ایک ہیبت ناک سرخی لے آتا ہے اور تمام فضاء پر تاریکی محیط ہو جاتی ہے اسی میں چودھویں رات کا چاند کرۂ ارضی پر نور کی چادر بچھا دیتا ہے یہ سب دلائلِ قدرت انسانی ہدایت کے لیئے کافی ہیں اور عقل و فطرت کا تقاضا ہے کہ ان مشاہدات کے بعد لوگ ایمان لے آئیں لیکن افسوس پھر بھی ان کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ ایمان نہیں لاتے اور خدا کی باتوں پر یقین نہیں کرتے اگر عقلی اور فطری صلاحیتوں سے محروم ہو چکے تھے تو چاہیئے تھا کہ وحی الٰہی کی طرف رجوع کرتے۔ قرآن کریم کو پڑھتے اور اس کے حقائق و دلائل سے فائدہ اٹھاتے اور ان حقائق کے سامنے سرنگوں ہوتے لیکن افسوس کی بات ہے کہ اور جب ان پر قرآن پڑھا جائے تو باوجود اس کے اعجاز اور واضح دلائل و حقائق کے سجدہ نہیں کرتے سرنگوں تو کیا ہوتے اور قرآن پر ایمان کیا لاتے بلکہ یہ لوگ جو منکر ہو چکے وہ ان حقائق و دلائل کو جھٹلاتے ہیں اور بلا دلیل اپنی ضد و عناد اور سرکشی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ کیا ان کو اس بات کا احساس نہیں ہے کہ ان کا رب ان کی یہ تمام باتیں دیکھ رہا ہے اور بلاشبہ اللہ تو وہ بھی جانتا ہے جو وہ اپنے اندر بھرے ہوئے ہیں۔ دلوں میں جو بغض و عناد اور دشمنی بھری ہوئی ہے خداوندِ عالم اسے بھی خوب جانتا ہے اس طرح ظاہری احوال کے ساتھ جب باطنی کیفیات اور دل میں چھپا ہوا خبث بھی اللہ تعالےٰ سے پوشیدہ نہیں ہے تو بس اے ہمارے پیغمبر ان کو بشارت سنا دیجئے ایک دردناک عذاب کی جو ان پر بہر حال مسلّط ہو کر رہے گا اور اس وقت ان کو اپنی وہ آرزوئیں اور تمام خوشیاں خاک میں ملتی ہوئی نظر آجائیں گی جن کی وہ آس لگائے ہوئے تھے۔

بہر کیف یہی انجام ہے ایسے شخص کا جو دلائلِ فطرت کو نہ سمجھے شواہد قدرت کو نہ مانے اور اپنے رب کی نافرمانی اور سرکشی میں اپنی زندگی گذار دے لیکن جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں تو یقیناً ان کے واسطے ایسا اجر و ثواب ہے جو کبھی منقطع ہونے والا نہیں۔ ایسی نعمتیں جو کبھی کسی انسان کی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی فرد بشر کے تصوّر میں گذریں۔

احکامِ الٰہیہ کی قسمیں

قرآن کریم کی آیات اور احادیث و نصوص شریعت سے یہ امر ثابت ہے کہ احکامِ الٰہیہ کی دو قسمیں ہیں۔

ان میں سے ایک احکام تشریعیہ ہیں جو وحی الٰہی سے مشروع اور مقرر ہوتے ہیں ان کا خطاب ذوی العقول کو ہوتا ہے خواہ وہ انسان ہوں یا جن۔ ان احکام کے جن و انس مخاطب اور مکلف ہوتے ہیں ان میں اوامر الٰہیہ حلال و حرام۔ جائز و ناجائز۔ عبادت اور عبادات سے متعلق احکام ہوتے ہیں جو مجموعہ شریعت اور دین ہے ان احکام کی اطاعت و فرماں برداری ایمان و طاعت ہے اور ان سے انحراف وانکار فسق و فجور اور نافرمانی اور کفر ہے۔ اسی وجہ سے حق تعالٰی نے انسانوں کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ان احکام میں مخاطب کو اختیار ہوتا ہے اور اسی اختیار کی بنیاد پر احکام جزاء و سزا مرتب ہوتے ہیں۔

احکامِ الٰہیہ کی دوسری قسم تکوینی ہے جو اللہ کی تمام مخلوق اور ساری کائنات پر جاری ہوتے ہیں۔ ان میں مخاطب کا مکلف اور ذی عقل ہونا شرط نہیں وہ اللہ کے تقدیری امور ہیں وہ کائنات میں جس طرح ارادہ ہو جاری ہوتے ہیں لیل و نہار کا اختلاف شمس و قمر کا طلوع۔ نور و ظلمت۔ ہواؤں کا چلنا اور بارشوں کا برسنا۔ انسان و حیوان اور نباتات کی پیدائش اور نشو و نما جیسے امور ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے اوامر اور احکام میں نہ تو مخاطب کا اختیار ضروری ہے اور نہ اس کا صاحب عقل و شعور ہونا۔ ہر مخلوق اللہ کا حکم قدرت خداوندی سے سنتی ہے اور وہ اس کی مطیع و فرماں بردار ہے اور اس کا امکان نہیں کہ کوئی مخلوق اس کی خلاف ورزی کر سکے۔ اسی بر یہ مضمون متفرع ہے جو اس آیت مبارکہ میں ارشاد فرمایا گیا۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۔ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ۔ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝

تو ہر ذرّہ اس حکم خداوندی کو سنتا ہے اور مجبور ہے اس حکم کی اطاعت پر۔ اسی بناء پر یہاں پر فرمایا گیا۔ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ۔

آیت سجدہ

سورۂ انشقاق میں سجدۂ تلاوت کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ہے۔ امام مسلمؒ اور نسائیؒ نے یزید بن ابی سلمہؓ کی سند سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے سورۃ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ تلاوت کی اور اس میں سجدہ کیا اور بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سجدہ فرمایا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ابو ہریرہؓ نے یہ کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تھی اور آپ نے اس سورت میں سجدہ کیا تھا؎ لہٰذا میں بھی ہمیشہ اس میں

؎ تفسیر ابن کثیر ج ۴

سجدہ کیا کروں گا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اس سورت میں سجدہ ہے اور بحالت نماز بھی تلاوت کی گئی اور سجدہ فرمایا گیا۔ یہی مسلک حضرات حنفیہ کا ہے۔ مالکیہ مفصلات میں سجدۂ تلاوت کے قائل نہیں ہیں۔

"حساب یسیر" کی تفسیر میں یہ منقول ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰے عنہا فرماتی ہیں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَنْ نوقش فقد هلك یعنی جس کسی کے حساب میں مناقشہ ہوا تو بس وہ ہلاک ہوگا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا۔ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا۔؟ آپؐ نے فرمایا اے عائشہؓ یہ تو سرسری پیشی ہے لیکن جس کسی کے حساب میں جانچ پڑتال اور مناقشہ ہوگا تو عذاب و ہلاکت سے نہ بچ سکے گا۔

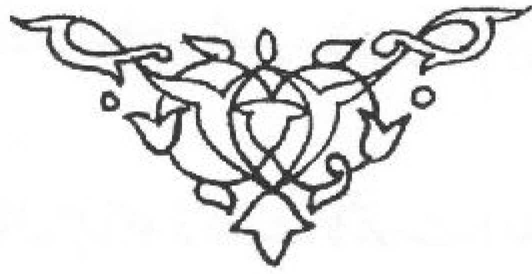
اور ایک روایت میں یہ مضمون ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے ایک روز نماز میں یہ دعا کرتے ہوئے سُنا۔ اللّٰهم حاسبنی حسابًا یسیرًا۔ نماز سے فارغ ہوکر جب لوٹے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ حساب یسیر کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اے عائشہؓ حساب یسیر یہ ہے کہ بندہ کے نامۂ اعمال پر بس نظر ڈالی جائے اور اس سے درگذر کرتے ہوئے معاف فرمایا جاتا رہے۔ اے عائشہؓ جس کسی کے حساب کا وہاں مناقشہ ہوا تو بس وہ تو ہلاک ہوجائے گا۔

اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنَا حسابًا يَّسِيْرًا بفضلك وَكَرَمك واتنا كتابنا فِی اَیماننا انك عفوٌّ كريم تُحِبُّ الْعَفْو فَاعْفُ عَنَّا يا اَرْحَمَ الرّٰحمین ویا اکرم الْاَكرمين ويا اَجْوَد الاجودين۔

آمین یارب العٰلمین آمین یارب العٰلمین[عـه]

تم بحمداللہ تفسیر سورۃ الانشقاق۔



عـه۔ تفسیر ہذا کا مطالعہ فرمانے والے ہر صاحب سے ناچیز کی درخواست ہے کہ اس گنہگار کے لیے یہ دعا فرمادیں کہ اللہ رب العزت اپنے فضل و کرم سے درگذر فرماتے ہوئے حساب یسیر لے۔ اور نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں عطا فرما دے۔ خداوند عالم میرے ان کرم فرماؤں کو اپنی بے پایاں عنایات اور رحمتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

جزاهم اللہ تعالٰے خیر الجزاء و یرحم اللہ عبدًا۔ قال آمینا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

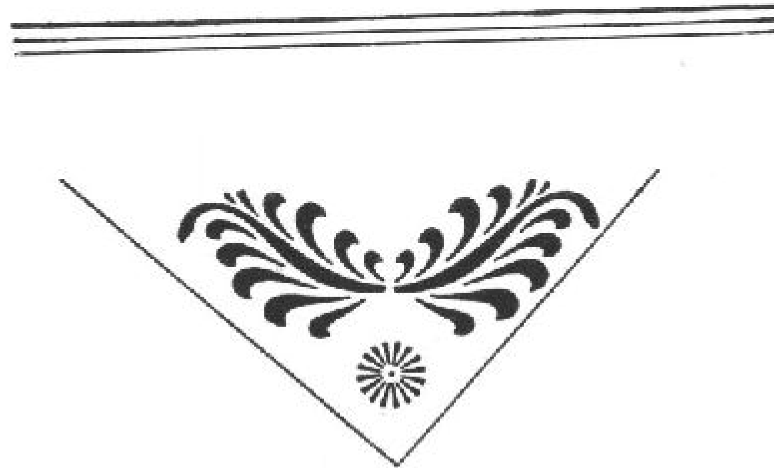
سُوۡرَۃُ الۡبُرُوۡجِ

(ربط) اس سورت میں بھی دیگر مکی سورتوں کی طرح عقیدۂ توحید کی اساس اور اس کے دلائل کا ذکر ہے اور یہ کہ یہی عقیدہ، اسلام کی روح ہے۔ اور عقیدہ کی عظمت اس امر کی متقاضی ہے کہ اس کی حفاظت کے لیئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے۔

سورت کی ابتداء حق تعالیٰ شانہٗ کی کمال خالقیت اور عظمت سے کی گئی۔ برجوں اور ستاروں والے آسمان کی قسم کھا کر انسانوں کے اذہان اس بات کی طرف متوجہ کیئے گئے کہ وہ نظامِ عالم اور اس کے مدار و معیار کو دیکھیں اور پھر سمجھیں کہ جس قدرت کے ہاتھوں میں یہ سارا نظامِ فلکی قائم اور جاری ہے وہی قدرت جب چاہے اس کو فنا اور درہم برہم کرنے پر بھی قادر ہے۔ لہٰذا ہر صاحب نظر اور عقل انسان کو قیامت پر ایمان لانا چاہیئے اور توحیدِ خداوندی پر ایمان لانا چاہیئے۔

اس موضوع کی تحقیق و وضاحت کرتے ہوئے اہلِ ایمان کی آزمائش اور ہر آزمائش میں ان کا ثابت قدم رہنا بیان کیا گیا۔ ساتھ ہی ایک قدیم تاریخی واقعہ بھی ذکر کر دیا گیا کہ اہلِ ایمان کی یہ ثابت قدمی ہوتی ہے کہ آگ کی خندقیں آگ سے دہک رہی ہوں اور ان کو صرف اس بناء پر آگ میں جھونکا جا رہا ہو کہ وہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ پر کیوں ایمان لے آئے۔ تو اس کے باوجود ان کے قدم ایمان سے ذرہ برابر بھی نہ ڈگمگائے۔ اور مضبوطی سے ایمان پر قائم رہتے ہوئے اس مصیبت کو جھیل لینا آسان سمجھا۔

آخیر سورت میں مجرمین و منکرین پر تہدید و تنبیہ کے طور پر عذاب خداوندی اور اس کی سخت گرفت کا ذکر فرمایا گیا اور چونکہ یہ جملہ حقائق وحی الٰہی اور قرآن نے دنیا کے سامنے کھول کر رکھ دیئے تو اخیر میں قرآن کریم کی عظمت اور اس کا لوحِ محفوظ میں ہونا بیان فرمایا گیا۔



آیاتھا ۲۲ ۸۵ سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ ۲۷ رکوعھا ۱

سورۂ بروج مکی ہے اور اس میں بائیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ① وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ② وَشَاهِدٍ

قسم ہے آسمان کی جس میں برج ہیں۔ اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے۔ اور حاضر ہونیوالے

وَّمَشْهُوْدٍ ③ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ④ النَّارِ ذَاتِ

کی اور جس پر حاضر ہوویں۔ مارے جائیو کھائیاں کھودنے والے؟ آگ بھری ایندھن

الْوَقُوْدِ ⑤ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ⑥ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ

سے۔ جب وہ اس پر بیٹھے۔ اور جو کچھ وہ کرتے

بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ⑦ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا

مسلمانوں سے سامنے دیکھتے۔ اور ان سے بدلہ نہ لیتے تھے، مگر اسی کا کہ یقین لائے

بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ⑧ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

اللہ پر، جو زبردست ہے خوبیوں سراہا۔ جس کا راج ہے آسمانوں میں

وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑨

اور زمین میں۔ اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز۔

تنبیہ و تہدید بر سرتابی انسان از طاعت خداوندی و تاکید استقامت بر ایمان

قال اللہ تعالیٰ۔ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۔۔۔۔۔ الی ۔۔۔۔۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ

(ربط) گزشتہ سورت میں قیامت کا ذکر تھا اور یہ کہ خداوند عالم جب عالم پر قیامت برپا فرمانے کا

ارادہ کرے گا تو آسمان شق کر دیا جائے گا اور ستارے منتشر ہو جائیں گے۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے غرض نظامِ عالم سب ہی درہم برہم ہو جائے گا۔ اب اس سورت میں حق تعالےٰ اپنی عظمت وکبریائی اور اس کے دلائل وشواہد کا ذکر کرتے ہوئے انسان کی نافرمانی اور اطاعتِ خداوندی سے سرتابی پر وعید اور تنبیہ فرما رہا ہے اور ساتھ ہی یہ کہ ایمان والوں کو صبر واستقامت اختیار کرنی چاہیئے اور راہ حق میں استقامت کے لیئے ہر قربانی اور ہر مشقت کے اٹھانے کے لیئے تیار ہو جانا چاہیئے اس راہ میں صبر واستقامت ہی اصل منزلِ فلاح وسعادت تک پہنچانے والی چیز ہے۔ ارشاد فرمایا۔ قسم ہے آسمان کی جو برجوں والا ہے۔ اور قسم ہے اس دن کی جو حاضر ہوتا ہے اور اس دن کی جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔ تو یہ ہیں عظمتیں خالق کائنات کی ربّ السمٰوٰتِ والارض کی ان عظمتوں اور شواہد کو دیکھنے والوں کو چاہیئے کہ اس رب العالمین پر ایمان لائیں بے شک اس کی عظمت وخالقیت برحق ہے اور اس کی وحدانیت پر ساری کائنات گواہ ہے لہٰذا اس کی نافرمانی بڑی ہی ہلاکت و بربادی ہے۔ ایسا کرنے والا خواہ کوئی فرد یا جماعت ہو۔ قوم ہو یا خاندان وقبیلہ اسی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے آگ کی خندقیں کھودنے والے ایسی آگ جو دہکنے والی تھی جس کے شعلے خندقوں سے ابل کر بلند ہو رہے تھے۔ جب کہ وہ ان پر بیٹھے ہوئے تھے تاکہ خدا پر ایمان لانے والوں میں سے کسی کو بچ کر نہ جانے دیں اور ہر ایک کو ظلم وتعدی سے مجبور وبے بس بنا کر آگ کی ان خندقوں میں جھونکنے میں مصروف تھے اور وہ جو کچھ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے تھے اس کو اپنی آنکھوں سے خوب دیکھ رہے تھے۔ شقاوت وبدبختی کی انتہا تھی کہ یہ انسان سوز مظالم جن کے تصوّر سے بھی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں دل اس ہولناکی سے پارہ پارہ ہو جائے۔ یہ بدبخت بڑے اطمینان سے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی رہے تھے۔

ان کو ایمان والوں سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی تھی کہ اس کے انتقام میں ایسا کرتے۔ بجز اس کے کہ وہ ایمان لا چکے تھے اس اللہ پر جو بڑی عزت والا ہر حال میں قابل تعریف ہے۔ کائنات کی ہر چیز جس کی حمد وثنا کرتی ہے اور ہر زمان ومکان اور ہر حال اس کی خوبی وتعریف کا پیکر ہے جس کی شان حاکمیت یہ ہے اسی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی۔ اور اللہ تو ہر چیز پر خوب مطلع ہے اس کی نظروں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ تو اس خدائے برتر وحدہٗ لاشریک لہٗ پر ایمان لانے والوں نے ان بدبختوں کو نہ تو ستایا تھا اور نہ کوئی قصور کیا تھا بس ان کا جرم ان نافرمانوں بدبختوں کے نزدیک یہی تھا کہ وہ اس خداوندِ عالم پر ایمان لائے جس کے قبضۂ قدرت میں ساری کائنات اور تمام عالم کا نظام ہے ظاہر ہے کہ یہ ظلم وستم

ع۵ بروج سے بعض مفسرین ستارے مراد لیتے ہیں جیسے تَبَارَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا کی تفسیر میں گذر چکا ابن عباسؓ قتادہؒ اور مجاہدؒ سے یہی منقول ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ وہ بارہ بُرج ہیں جن کی مسافت آفتاب ایک سال میں طے کرتا ہے اور بعض یہ فرماتے ہیں کہ آسمان کے وہ حصّے ہیں جہاں فرشتوں کا پہرہ رہتا ہے۔ ۱۲۔

خالی نہیں جا سکتا تھا۔ عزیز ذوانتقام کی طرف سے اس پر انتقام اور سزا لازم تھی۔ انہوں نے تو ایمان والوں کے لیئے ان خندقوں کو کھودا اور اس میں آگ دہکائی تھی لیکن جوں ہی اللہ کا غضب عہ آیا وہی آگ خود ان پر پھیل گئی اور اس شعلے برسانے والی آگ نے ان امیروں اور بادشاہوں کے گھر پھونک دیئے۔ اور دم کے دم میں مجرمین کی وہ بستی جل کر خاک ہوگئی تو جس طرح تاریخ قدیم کی یہ مجرم قوم ایمان والوں کو ستا کر قہر خداوندی سے نہ بچ سکی اسی طرح یہ منکرین و مجرمین جو مکی زندگی میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ پر ایمان لانے والوں کو ستا رہے ہیں۔ غضب خداوندی کے شعلوں اور اس کے قہر کی آگ سے ہرگز ہرگز نہ بچ سکیں گے۔

یومِ موعود اور شاہد و مشہود کی تفسیر

اکثر روایات و احادیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شاہد سے جمعہ کا دن مراد ہے اور مشہود عرفہ کا دن ہے اور یوم موعود قیامت کا دن ہے۔ یومِ موعود یعنی وہ دن جس کا وعدہ کیا گیا ظاہر ہے کہ وہ قیامت ہے جیسا کہ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ میں یہ وعدہ کیا گیا اور اسی طرح ارشاد فرمایا گیا۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ تو اس مضمون کی جملہ آیات جن میں قیامت واقع ہونے کا وعدہ کیا گیا وہ اس امر کی دلیل ہیں کہ الیوم الموعود قیامت کا دن ہے۔ اگرچہ بعض حضرات سے قیامت کا دن یوم مشہود بیان کیا گیا اس بناء پر کہ اس روز میدان حشر میں سب کی حاضری ہوگی۔

ابو مالک الاشعری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے الیوم الموعود قیامت کا دن ہے اور شاہد جمعہ اور مشہود عرفہ ہے۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اور تفسیر نقل کی گئی فرمایا شاہد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا اس لحاظ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر امت کے پیغمبر کے حق میں گواہی دیں گے کہ بے شک اللہ کے پیغمبر نے اپنی ذمہ داری پوری کردی اور حق رسالت ادا کردیا ہے اور شاہد لغت میں گواہی دینے والے کو کہا جاتا ہے۔ اور فرمایا مشہود قیامت کا دن ہے اور فرمایا یہ اس آیت سے سمجھ میں آتا ہے۔

ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَکْثِرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ یوم الجمعۃ فانہ یوم مشھود تشھدہ الملٰئکۃ۔ کہ مجھ پر جمعہ کے روز کثرت سے

عہ شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانیؒ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں کہ اس کی وضاحت حضرت شاہ صاحبؒ نے کی۔ اگرچہ روایات میں اس کا ذکر نہیں۔

درود پڑھا کرو کیونکہ یہ دن یوم مشہود ہے۔ جس میں فرشتوں کی (بکثرت) حاضری ہوتی ہے۔ تو ان مواقع میں لغوی معنی کے لحاظ سے قیامت اور جمعہ پر مشہود کا اطلاق وارد ہوا ہے۔ جمہور مفسرین اسی کو اختیار فرماتے ہیں۔ جو حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں وضاحت فرمائی گئی کہ یوم موعود قیامت کا دن ہے اور شاہد جمعہ اور مشہود عرفہ ہے عه

(واللہ اعلم بالصواب)

اصحاب الاُخدود یعنی آگ کی خندقیں کھودنے والوں کا قصّہ

اکثر محدثین اور ائمہ مفسرین نے اصحاب الاخدود کا قصہ احادیث مرفوعہ سے بیان کیا ہے۔ امام ترمذیؒ اس سورۃ کی تفسیر میں باسناد عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اکثر) نماز عصر کے بعد آہستہ آہستہ کچھ پڑھتے اور ہونٹوں کو حرکت دیتے (جس سے محسوس ہوتا کہ آپ کچھ پڑھ رہے ہیں)۔ تو آپ سے عرض کیا گیا آپ نماز عصر سے فارغ ہو کر کیا پڑھتے ہیں تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ انبیاء (سابقین) میں ایک نبی تھے ان کو اپنی امت پر فخر ہوا اور خوشی ہوئی۔ اور کہا کہ ان کے مقابلہ کی کون تاب لا سکتا ہے۔ اور کون ہے جو ان کے مقابلہ کے لیئے کھڑا ہو فوراً ہی اللہ کی وحی آئی اور اس اعجاب پر بطور گرفت فرمایا گیا۔ اے پیغمبر اپنی قوم کو اختیار دے دو کہ ان دو باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیں یا تو میں ان سے انتقام لے لوں یا ان پر ان کا دشمن مسلط کر دوں تو انہوں نے انتقام و نقمت کو اختیار کر لیا تھا جس پر ایک ہی دن میں اس امت کے ستر ہزار افراد ہلاک ہو گئے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قصہ کے ساتھ ایک اور قصہ بھی سنایا۔ فرمایا پہلے زمانے میں کوئی کافر بادشاہ تھا اس کے ہاں ایک ساحر یعنی جادوگر تھا جو بادشاہ کا بہت مقرب تھا۔ جب اس کی موت کا وقت قریب ہوا تو اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ مجھے ایک نہایت ہونہار اور ہوشیار لڑکا دیا جائے تاکہ میں اس کو اپنا یہ علم سکھا دوں اور میرے مرنے کے بعد یہ علم باقی رہے۔ چنانچہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا جو روزانہ ساحر کے پاس جا کر اس کا علم سیکھتا تھا۔ راستہ میں ایک عیسائی راہب بھی (اس زمانہ کا سماوی مذہب عیسائیت تھا اور اس وقت کے لحاظ سے وہ دین حق پر تھا) لڑکا اس کے پاس بھی آنے جانے لگا اور خفیہ طور پر راہب کے ہاتھ پر ایمان لے آیا اور اس کے فیض صحبت سے ولایت و کرامت کے مقام تک پہنچ گیا۔ ایک روز لڑکے نے دیکھا کہ کسی بڑے جانور (شیر وغیرہ) نے راستہ روک رکھا ہے۔ جس سے لوگ پریشان ہیں۔ اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دعا کی۔ کہ "اے اللہ اگر راہب کا دین سچا ہے تو اس پتھر سے اس جانور کو ہلاک کر دے، یہ کہہ کر پتھر اس جانور پر پھینکا جس سے فوراً ہلاک

عه تفسیر ابن کثیر۔ قرطبی۔ روح المعانی۔

ہوگیا۔ لوگوں میں بات مشہور ہوگئی اور شور مچ گیا کہ اس لڑکے کو تو عجیب علم آتا ہے کسی نابینا نے سن لیا تو اس نے آکر درخواست کی میری آنکھیں اچھی کر دو لڑکے نے کہا اچھی کرنے والا میں نہیں اچھی کرنے والا وہ اللہ ہے جو یکتا ہے وحدہٗ لاشریک لہٗ اگر تو اس پر ایمان لانے کا وعدہ کرتا ہے تو میں دعا کروں گا کہ وہ تجھے بینا کر دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رفتہ رفتہ یہ خبریں بادشاہ کو پہنچیں اس نے برہم ہو کر حکم دیا کہ لڑکے کو مع راہب اور اندھے کے دربار میں حاضر کیا جائے۔ کچھ گفتگو کے بعد راہب اور اندھے کو قتل کر ڈالا اور لڑکے کے لئے حکم دیا کہ کسی اونچے پہاڑ پر لیجا کر اس کو وہاں سے گرا دو۔ اور اس طرح یہ ہلاک ہو جائے۔ مگر خدا کی قدرت کہ جو لوگ اس کو لے کر گئے وہی سب ہلاک ہوگئے اور لڑکا صحیح سالم چلا آیا اس پر بادشاہ کو اور زائد غصہ آیا اور حکم دیا کہ اس کو دریا میں غرق کر دو وہاں بھی یہی ہوا کہ جو لوگ لے کر گئے تھے وہ خود ڈوب گئے اور لڑکا صحیح سالم نکل آیا۔ آخر لڑکے نے بادشاہ سے کہا تو اس طرح مجھے کبھی نہ مار سکے گا۔ میں خود ہی تجھے ایک ترکیب بتاتا ہوں اگر تو اختیار کرلے۔ وہ یہ ہے کہ تو سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرلے اور ان کے سامنے مجھے سولی پر لٹکا کر مجھے ایک تیر مار یہ کہہ کر بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ هٰذَا الْغُلَامِ۔ اللہ کے نام سے جو رب ہے اس لڑکے کا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور یہ لڑکا اپنے رب کے نام پر قربان ہوگیا۔ یہ عجیب واقعہ دیکھنا ہی تھا ایک شور بپا ہوگیا اور مجمع میں سے ہر ایک کی زبان سے یہ نعرہ بلند ہوا۔ اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰذَا الْغُلَامِ۔ کہ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے لوگوں نے بادشاہ سے کہا کہ اب تک تو اکا دکا کوئی ایمان لا رہا تھا لیکن اس کی اس بات کے بعد اب یہ ساری مخلوق مسلمان ہوگئی بادشاہ نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ بڑی بڑی خندقیں کھود دی جائیں اور ان میں آگ بھر دی جائے جو دہکتی ہو اور اس میں سے شعلے نکل رہے ہوں۔ اور اعلان کر دو جو شخص اس دین سے نہیں لوٹے گا اس کو ان خندقوں میں جھونکا جائے گا لوگوں کا یہ ایمان اور ایمان پر استقامت کا یہ عالم تھا کہ آگ میں جھونکے جا رہے تھے لیکن اسلام سے نہیں ہٹتے تھے۔ اسی میں ایک عورت لائی گئی جس کے پاس اس کا دودھ پیتا بچہ تھا بظاہر وہ اپنے بچہ کی وجہ سے آگ میں گرنے سے گھبرائی۔ مگر بچہ نے خدا کے حکم سے آواز دی اور بولا یٰۤاُمَّاهْ اِصْبِرِیْ فَاِنَّكِ عَلَى الْحَقِّ کہ اے میری ماں تو صبر کر کیونکہ تو حق پر ہے۔ یہ بدبخت بادشاہ اور اس کے وزراء و مصاحبین خندقوں کے پاس بیٹھے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اسی کو حق تعالیٰ نے فرمایا۔ وَهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ۔

ایک روایت میں ہے کہ اس بادشاہ نے جب نابینا سے پوچھا کہ تیری بینائی کس نے لوٹائی تو اس نے کہا میرے رب نے۔ تو بادشاہ بولا یعنی میں نے۔ نابینا نے کہا نہیں۔ میرے رب نے اور اس رب نے جو تیرا رب ہے۔ بادشاہ کہنے لگا کیا میرے سوا بھی اور کوئی رب ہے۔ نابینا نے جواب دیا ہاں میرا اور تیرا اور آسمان و زمین کا رب اللہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ بادشاہ ذا نیال تھا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ بادشاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل فترت نبوت کے زمانہ میں تھا۔

حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں محمد ابن اسحاقؒ کی سند سے بیان کیا ہے کہ اہل نجران میں سے ایک شخص نے کسی ضرورت یا تعمیر کے لئے کسی جگہ کو کھودا تو اس میں سے عبداللہ بن تامرؓ یعنی اس شہید کی لاش ملی اور وہ بالکل اسی حالت میں تھی جیسا کہ اسے ابھی دفن کیا گیا اور اس طرح کہ بٹھ پڑی پر ہاتھ رکھا ہوا تھا جب کہ اس کو تیر مارا گیا ہوگا اس نے اپنی پٹھ پڑی پر ہاتھ یا انگلی رکھ لی ہوگی۔ اس کا ہاتھ جب اس جگہ سے ہٹایا گیا تو تازہ خون زخم سے بہنے لگا۔ فوراً ہاتھ اسی جگہ پر رکھ دیا گیا تو خون بند ہوگیا اس کی انگلی میں ایک انگوٹھی تھی جس پر لکھا ہوا تھا "رَبِّیَ اللّٰہُ" یہ زمانہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا۔ ان کی خدمت میں یہ واقعہ لکھ کر بھیجا گیا تو عمر فاروقؓ نے حکم دیا کہ اس لاش کو اسی جگہ دفنا دو اور جو کچھ انگوٹھی وغیرہ پائی گئی وہ بھی اس کے ساتھ رہنے دو۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اور بھی بعض تاریخی نقول ذکر کی ہیں اور خندقوں کی تفصیل پر بھی کلام کیا ہے۔ حضرات اہل علم تفسیر ابن کثیر کی مراجعت فرمالیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ

جو دین سے بچلانے (بھٹکانے)

فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ

لگے ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو، پھر توبہ نہ کی تو ان کو

عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝۱۰ اِنَّ الَّذِيْنَ

عذاب ہے دوزخ کا، اور ان کو عذاب ہے آگ لگی کا۔ جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ

یقین لائے اور کیں بھلائیاں، ان کو باغ ہیں جن کے نیچے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ۝۱۱ اِنَّ بَطْشَ

بہتی نہریں۔ یہ ہے بڑی مراد ملنی۔ بے شک تیرے

رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۝۱۲ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ۝۱۳ وَهُوَ

رب کی پکڑ سخت ہے۔ بیشک وہی کرے پہلی مرتبہ اور دوسری۔ اور وہی ہے

الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿۱۴﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿۱۵﴾ فَعَّالٌ

بخشتا محبت کرتا - مالک تخت کا بڑی شان والا - کر ڈالتا

لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۶﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾ فِرْعَوْنَ

جو چاہے - کچھ پہنچی تجھ کو بات لشکروں کی ؟ فرعون

وَثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۱۹﴾

اور ثمود کی - کوئی نہیں بلکہ منکر جھٹلاتے ہیں -

وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿۲۰﴾ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ

اور اللہ نے ان کے گرد سے گھیرا ہے - کوئی نہیں؛ یہ قرآن ہے

مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾ ع

بڑی شان والا - لکھا تختی میں جس کی نگہبانی ہے -

ع ۱ ۲۲ ۱۰

تنبیہ خداوندی بدوام عذاب جہنم بر تعذیب مؤمنین و مؤمنات

قال اللہ تعالیٰ - اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۔۔۔۔ الی ۔۔۔۔ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ

(ربط) گزشتہ آیات میں اصحاب الاخدود اور آگ کی خندقیں کھودنے اور ان میں اہل ایمان کو ڈال کر ستانے والوں کا ذکر تھا۔ اب اس مناسبت سے ان آیات میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ خداوند عالم کا قہر و غضب جو بیان کیا گیا ہے۔ ان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جس دور اور قرن میں مجرمین اس قسم کا رویہ اختیار کریں گے اور ایمان لانے والوں کو ستائیں گے۔ خواہ وہ کفار اہل مکہ ہوں یا آج کے بعد کوئی اور قوم ہو سب کو اپنا انجام سمجھ لینا۔ اور جان لینا چاہیئے کہ وہ عذاب خداوندی سے ہرگز نہیں بچ سکتے۔ ارشاد فرمایا۔ بے شک جن لوگوں نے ستایا ہے مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو۔ پھر وہ تائب بھی نہ ہوئے جیسے کہ اصحاب الاُخدود کے قصہ میں تاریخی نقول سے معلوم ہوا ہے کہ ایمان لانے والوں میں بہت سے مرد تھے اور بہت سی عورتیں تھیں۔ جنکو خندقوں کے کناروں پہ کھڑا کر کے دہکتی آگ کی خندقوں

میں جھونکا جارہا تھا تو یقیناً ان کے واسطے دوزخ کا عذاب ہے، اور دنیا میں بھی ان کے لئے دہکتی ہوئی آگ کا عذاب[1] ہے۔ جس طرح کہ انہوں نے ایمان والوں کو ستایا تھا۔ لہٰذا جب تاریخ قدیم کے ایسے مجرم خدا کے عذاب اور اس کی سزا سے نہیں بچ سکے تو اسی طرح کفار مکہ کو بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ مسلمانوں کو ستانے اور ظلم وستم ڈھانے کا انجام دنیا اور آخرت میں ان کو بھگتنا[2] ہی پڑے گا۔

بہرکیف قانون مجازات کا یہی تقاضا ہے مگر اس کے برعکس یہ ہے کہ بے شک جو لوگ ایمان لائیں اور نیکی کے کام کریں اِن کے واسطے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔ بلاشبہ یہی بڑی عظیم الشان کامیابی ہے۔ بہرکیف خداوندِ عالم کے قہر وجلال اور انعام وکرم کی یہ دونوں شانیں دیکھ لیں تو اب سمجھ لینا چاہیئے اے مخاطب بے شک تیرے رب کی گرفت بڑی سخت ہے۔ جس سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ وہی ہر چیز کو ابتداء میں وجود عطا کرنے والا ہے اس کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے اور وہی اس کو لوٹانے والا بھی ہے۔ لہٰذا جس رب العالمین نے انسان اور تمام کائنات کو ابتداء میں وجود عطا کیا۔ وہی رب العالمین قیامت میں انسانوں کو دوبارہ اُٹھائے گا۔ وہ پروردگار تو اپنی شانِ رحیمی اور کریمی سے بڑا ہی مغفرت کرنے والا ہے اپنے بندوں کو جو اپنی کسی غفلت وکوتاہی سے کوئی غلطی یا معصیت کرلیں جب بھی وہ اپنے گناہوں پر استغفار وتوبہ کریں۔ بڑا ہی محبت کرنے والا ہے اپنے فرماں بردار اور مطیع بندوں سے۔

بڑی ہی عظمت والے عرش کا مالک ہے۔ اس کی قدرت وکبریائی کی کوئی حد ونہایت نہیں۔ ایسا قادرِ مطلق ہے کہ کرڈالتا ہے ہر وہ کام جو چاہتا ہے۔ اس کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ لَا مُعَقِّبَ لِحُکْمِہٖ (اس کے فیصلہ کو کوئی ٹلا نہیں سکتا) چنانچہ تاریخ عالم اس بات کی کھلی شہادت ہے۔ اور گذرے ہوئے واقعاتِ عالم۔ خداوندِ عالم کی شانِ عظمت وکبریائی اور اس کے قادرِ مطلق ہونے کا پورا پورا ثبوت ہیں۔ تو کیا اے مخاطب تجھے لشکروں کی خبر پہنچی ہے۔ فرعون اور قومِ ثمود کی؟ ضرور پہنچی ہوگی۔ کیونکہ یہ واقعات عام طور پر عرب والوں کو بھی خوب معلوم تھے۔ اور ان کی خوب شہرت تھی۔ جو بڑے ہی طاقت ور لشکر تھے۔ مگر خداوندِ عالم نے اپنے قہر وغضب سے ان کو ہلاک کرڈالا اور دنیا کی کوئی مادی طاقت خدا کا عذاب نہ ٹلاسکی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ کفار مکہ اور مشرکین عرب ان باتوں کو سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے۔ اور کفر ونافرمانی سے

---

[1]: ان مصائب اور حوادث کی صورت میں جو ان پر قہر خداوندی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ ۱۲

[2]: بعض روایات میں ہے کہ اس آیت کو تلاوت کرکے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے۔ "یہ سزا ان مجرمین کی اس لئے ذکر فرمائی گئی تاکہ ان کی سزا ان کے عمل کے جنس سے ہوجائے۔ کیونکہ یہ اللہ کا قانون ہے عمل کا بدلہ عمل کے مشابہ ہوتا ہے۔"

حسن بصریؒ سے منقول ہے فرمایا خدا کے اس جود وکرم کو دیکھو کہ جنہوں نے اولیاء اور اس کے محبوب بندوں کو قتل کیا۔ ان کو توبہ کی دعوت دی جارہی ہے۔ ۱۲

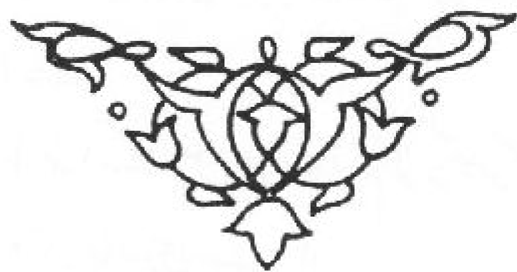
تائب ہو جاتے۔ لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہوا بلکہ یہ انکار کرنے والے کافر برابر اللہ کے پیغمبر کی باتیں جھٹلانے ہی میں لگے ہوئے ہیں اور حال یہ ہے کہ اللہ ! ان کا ہر طرف سے احاطہ کیئے ہوئے ہیں۔ وہ اللہ کے احاطہ اور گرفت سے بچ کر کہیں بھی نہیں جا سکتے نہ اس کے احاطۂ علم سے باہر ہو سکتے ہیں نہ اس کے ملک سے نکل سکتے ہیں اور نہ اس کی قدرت اور گرفت سے چھوٹ سکتے ہیں وہ ہر طرح علماً و ملکاً و قدرۃً ان کو محیط ہے۔

یہ تاریخی حقائق ہیں نہ یہ کہ محض افسانے اور کہانیاں جیسا کہ مشرکین مکہ عناد اور بغض کی وجہ سے کہتے ہیں۔ بلکہ یہ تو بڑی ہی عظمت اور اونچی شان والا قرآن ہے جو وحی الٰہی ہے۔ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ جہاں نہ کسی کی نظر پہنچ سکتی ہے اور نہ کسی معاند کا ہاتھ کہ وہ اس میں کوئی تبدیلی کر سکتا ہے۔ اور نہ کسی کو قدرت ہے کہ لوحِ محفوظ کی کوئی بات ٹلا سکے اور نہ ہی اس امر کا امکان ہے کہ وحی الٰہی کی کسی بات کو غلط کہہ سکے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ الطَّارِق

اس سورت کا مضمون بھی عقیدۂ توحید کی ترجمانی پر مشتمل ہے اور اسلام کی بنیاد یعنی ایمان بالآخرۃ کے ثابت کرنے کے لیئے حق تعالے نے اپنی عظیم تر مخلوقات ارض وسماء اور کواکب و نجوم کے تغیرات اور انقلابات کو بطور شہادت اور حجت پیش فرمایا ہے، اور انسانی تخلیق پر غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ سورت کی ابتداء آسمان اور نجم ثاقب کی قسم سے کی گئی۔ اور انتہاء سورت پر قرآنی حقائق کی حقانیت کا ذکر کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر پر تسلی دی گئی کہ کفار و مشرکین اور دشمنانِ اسلام کی سازشوں کی آپ ہرگز کوئی فکر نہ کریں۔ اگر وہ اسلام اور اللہ کے پیغمبر کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں تو کرتے رہیں۔ قدرت خداوندی بھی ایسی تدابیر سے غافل نہیں ہے جو اسلام کی عظمت و کامیابی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح و نصرت کا باعث ہیں۔



آیاتھا ۱۷ ۸۶ سورۃ الطارق مکیۃ ۳۶ رکوعھا ۱

سورۂ طارق مکی ہے اور اس میں سترہ آیتیں ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝١ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝٢ النَّجْمُ

قسم ہے آسمان کی، اور اندھیرا پڑے آنیوالے کی۔ اور تو کیا سمجھا کون ہے اندھیرا پڑے آنیوالا۔ وہ تارا

الثَّاقِبُ ۝٣ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝٤ فَلْيَنْظُرِ

چمکتا۔ کوئی جی نہیں جس پر نہیں ایک نگہبان۔ اب دیکھ لے

الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝٥ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝٦ يَّخْرُجُ

آدمی، کاہے سے بنا۔ بنا ایک اُچھلتے پانی سے۔ جو نکلتا ہے

مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝٧ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝٨

پیٹھ اور چھاتی کے بیچ سے۔ بیشک وہ اس کو پھر لا سکتا ہے۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝٩ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝١٠ وَ

جس دن جانچے جاویں بھید۔ تو کچھ نہ ہو گا اُس کو زور، اور نہ کوئی مدد کرنیوالا۔ قسم

السَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝١١ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝١٢ اِنَّهٗ

ہے آسمان چکر مارنے والے کی۔ اور زمین دراڑ کھانے والی کی۔ یہ

لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝١٣ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝١٤ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۝١٥

بات دوٹوک ہے۔ اور نہیں یہ بات ہنسی کی۔ البتہ وہ لگے ہیں ایک داؤ کرنے میں۔



وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۝١٦ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝١٧

اور میں لگا ہوں ایک داؤ کرنے میں۔ سو ڈھیل دے منکروں کو، ڈھیل دے ان کو صبر کر۔

دعوت فکر در تخلیق انسانی وشہادت ارض وسماء ونجوم بر مسئلۂ بعث بعد الموت

قال اللہ تعالیٰ ـــ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۔۔۔۔ الی ۔۔۔۔۔۔۔۔ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا

(ربط) گزشتہ سورت ایمان اور ایمان پر استقامت اور راہِ خداوندی میں صبر اور قربانی کے مضمون پر مشتمل تھی اور اس امر پر کہ دنیا کی کوئی طاقت ایمان کو کفر کی طرف نہیں لوٹا سکتی۔ اب اس سورت میں قیامت اور بعث بعد الموت کا مسئلہ ثابت کرنے کے لیئے انسان کو اس امر کی دعوت دی ہے کہ وہ خود اپنی تخلیق و پیدائش میں غور وفکر کرے۔ ارض وسماء اور روشن ستاروں کو دیکھے اور یہ کہ زمین کس طرح شق ہوکر اپنے اندر سے نباتات اور سبزہ باہر نکالتی ہے اور وہ تخم جو زمین میں دب کر ریزہ ریزہ ہو چکا تھا اور مٹی میں مل کر خاک بن گیا تھا کیونکر وہ پھر زمین کی سطح پر رونما ہوکر تر و تازہ اور شاداب نظر آنے لگا تو ارشاد فرمایا۔ قسم ہے آسمان کی اور رات کے اندھیرے میں نمودار ہونے والے طارق کی اور اے مخاطب جانتا بھی ہے کیا ہے طارق۔ وہ ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے، بے شک نہیں ہے کوئی جان والا ایسا کہ اس پر ایک نگران نہ ہو۔ بلکہ ہر ایک ذی رُوح انسان ہو یا دوسری کوئی مخلوق اس پر اللہ کی طرف سے محافظ مقرر ہیں۔ انسان کا کوئی قول و عمل ایسا نہیں کہ خدا کے مقرر کردہ نگران اس کو محفوظ نہ کر لیتے ہوں۔ پھر ہر انسان ان ہی محافظوں کے باعث عالم میں بکھری ہوئی آفات اور حوادث کے حملوں سے محفوظ رہتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ۔ اور جوں ہی کوئی تکوینی مصیبت یا حادثہ پیش آنے والا ہوتا ہے۔ یہ غیبی حفاظت اس سے جُدا ہونے ہی کی وجہ سے پیش آتا ہے۔ اور جس پروردگار نے آسمان پر ستاروں کی حفاظت کے سامان بنائے اس کو کیا مشکل ہے کہ وہ ہر نفس کی حفاظت کا سامان بھی پیدا کر دے۔ ظاہر ہے کہ ایسے ربِّ قدیر اور علیم کی کسی بھی لمحہ انسان کو نافرمانی نہ کرنی چاہیئے اور یہ بات کبھی بھی فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ یہ انسان اپنی اس حیات کے بعد پھر دوبارہ قیامت کے روز اپنے پروردگار کے رو برو حاضر ہونے والا ہے لہٰذا اس انسان کو دیکھنا چاہیئے اور غور و فکر کرنا چاہیئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا؟ وہ پیدا کیا گیا ہے ایک اُچھلتے ہوئے پانی یعنی قطرۂ منی سے جو نکلتا ہے پُشت اور سینہ کی ہڈیوں کے درمیان سے جیسا کہ بتایا جاتا ہے کہ مرد کی منی کا نصاب پیٹھ سے اور عورت کا سینہ سے یا یہ کہ اعضائے رئیسہ سے مادۂ منویہ کا تعلق ہے تو اس حیثیت سے سینہ اور پشت کی ہڈیوں سے نکلنا بیان کیا گیا تو جو ذات قادرِ مطلق اپنی قدرت و حکمت سے انسان کو ایک قطرہ سے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اور اس کی قدرت و حکمت سے کس طرح اس کے اعضاء کی ساخت ہوتی ہے، روح پڑتی ہے حواس و مدرکات ناک، کان، آنکھیں

اور ان میں بینائی پیدا ہوتی ہے۔ غرض جو ذات رب العالمین اپنی عظیم قدرت اور حکمت سے ان تمام باتوں پر قادر ہے بلے شک وہ ذات قادر مطلق اس انسان کو واپس لوٹانے پر بھی یقیناً قدرت رکھتا ہے۔ حالانکہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا اس قدر عجیب نہیں جتنا کہ ابتداءً اس کو پیدا کرنا عجیب تر ہے اور ایک ایک چیز اور بدن کا ایک ایک حصہ اللہ رب العالمین کی قدرت و حکمت کا واضح ثبوت ہے۔ یہ مرنے کے بعد انسان کو لوٹایا جانا اس دن ہوگا جب کہ جانچے جائیں گے بھید۔ اور ہر قسم کے پوشیدہ راز پس اس دن اس انسان کے لیئے نہ کوئی طاقت ہوگی اور نہ کوئی مددگار ہوگا۔ جو ایسے سخت مرحلہ پر اس کی کوئی مدد کر سکے۔ جبکہ چھپے ہوئے بھید کھل رہے ہوں اور ہر قول و فعل کا حساب لیا جاتا ہوگا۔ حتیٰ کہ جو باتیں دل میں چھپی ہوئی ہوں گی وہ بھی کھل جائیں گی اور قسم ہے اس آسمان کی جو لوٹنے والا ہے بار بار زمین پر بارش[1] برسانے کی صورت میں اور قسم ہے زمین کی جو شق ہونے والی ہے جب کہ اس میں تخم ڈال دیا جائے تو بعد میں اس کے شق ہونے پر سبزہ اور درختوں کا سلسلۂ نشو و نما شروع ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ بارش کا نظام اور بارشوں کے برسنے کے بعد غلّوں اور سبزوں کا اُگنا خداوند عالم کی کمال قدرت اور حکمت کے شواہد و دلائل ہیں جن کا ہر ایک انسان مشاہدہ کرتا ہے۔ بے شک یہ بات یا قرآن حکیم ایک فیصلہ کن قول ہے[2] جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور ہدایت و ضلالت کی حدوں کو جُدا جُدا کر کے دکھاتا ہے۔ اور ہر طے شدہ امر کی خبر دیتا ہے۔ اور جس طرح آسمان سے بارشوں کے برسنے پر بنجر زمین زندہ ہو جاتی ہے، پھل پھول، کھیتیاں اور درخت اُگتے ہیں اور زمین اس سے سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے اسی طرح آسمان سے اس وحی الٰہی کے نزول سے انسانوں کی زندگی سرسبز و شاداب ہوتی ہے اور انسانوں کے قلوب سے محاسنِ اعمال و اخلاق اور معارف و حِکَم کے پھل پھول اُگنے لگتے ہیں جس کے بعد حیاتِ انسانی ایک شاداب باغ اور نافع و قیمتی پھلوں سے لدا خزانہ ہو جاتی ہے اور یہ کلام کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں ہے اصولاً اور عقلاً چاہیئے کہ لوگ اس پر ایمان لائیں اور اللہ کے رسول اور اس کے دین کی مخالفت و دشمنی سے باز آجائیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر وہ باز نہیں آتے اور اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں تو اے ایمان والو تم اس کی وجہ سے غمگین و پریشان نہ ہو بس سُن لو بے شک وہ لوگ

---

[1] ذات الرجع کی یہ تفسیر عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے۔ اسی کے مطابق یہ ترجمہ کیا گیا کہ آسمان ذات الرجع اس لیئے ہے کہ بار بار بارشیں برساتا ہے۔ قتادہؒ بیان کرتے ہیں آسمان اس وجہ سے ذات الرجع ہے کہ وہ بارش کے ذریعہ بار بار رزق پیدا کرتا ہے۔ ابن زیدؒ کہتے ہیں کہ اس وجہ سے ذات الرجع ہے کہ اس کے ستارے اور چاند سورج بار بار لوٹتے رہتے ہیں۔

[2] میرے شیخ حضرت عثمانیؒ نے فرمایا قسم اور جوابِ قسم کی ایک مناسبت یہ ہی ہے کہ جس طرح بارش برس کر زمین کو حیات اور تازگی بخشتی ہے اسی طرح قیامت میں بھی کوئی غیبی بارش ایسی برسے گی جس سے مُردے زندہ ہو جائیں گے۔ ۱۲ (فوائد عثمانی)

تمہارے دین کے خلاف ایک داؤ لگا رہے اور سازش و مکر میں لگے ہوئے ہیں تو میں بھی لگا ہوا ہوں ایک داؤ لگانے میں۔ اب ظاہر ہے کہ خدا کی تدبیر اور اس کے داؤ سے کون دشمن بچ سکتا ہے۔ اور خدا کی تدبیر کے مقابلہ میں کس کا مکر اور سازش کامیاب ہو سکتی ہے۔ رہا یہ امر کہ یہ لوگ خوب غرّا رہے ہیں اسلام کے خلاف اُچھلتے کودتے پھر رہے ہیں نہ ان پر ابھی آسمان سے کوئی عذاب نازل ہو رہا ہے اور نہ زمین ان کو نگل رہی ہے تو بس اے مخاطب ڈھیل دے دے ان کافروں کو میں بھی ان کو کچھ دنوں ڈھیل دے رہا ہوں۔ اور جب ان کو عذاب میں پکڑوں گا تو بچ کر نہ جا سکیں گے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ علہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ ظالم کو ایک وقت تک (اپنی کسی حکمت سے) مہلت دیتا ہے لیکن جب اس کو اپنے قہر و عذاب کی گرفت میں لیتا ہے تو وہ کسی طرح بھی اس سے بچ نہیں سکتا۔ چنانچہ فرمانِ خداوندی ہے۔ وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ۔ تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الطارق

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الْأَعْلَىٰ

اس سورت میں خاص طور پر ذاتِ خداوندی اور اس کی عظمت نیز صفاتِ خداوندی کا علو اور برتری پر بنیادی طور پر کلام فرمایا ہے اسی کے ساتھ دلائل قدرت اور وحدانیت کا بھی بیان ہے۔ وحی الٰہی اور قرآن کریم کی حقانیت کا بھی ذکر ہے۔ نیز یہ کہ وحی الٰہی اور موعظۂ حسنہ سے وہی قلوب منتفع ہوتے ہیں جنمیں استعداد و صلاحیت اور خشیت و تقویٰ کے آثار ہیں۔ اور جو قلوب شقاوت و بدبختی سے مردہ ہو چکے ہیں ان پر نہ دلائل اثر انداز ہوتے ہیں اور نہ وحی اور موعظۂ حسنہ ان کو مفید ہوتا ہے۔

علہ عبدالرحمٰن بن خالد بن ابی جبل العدوانی رضؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ شرقِ ثقیف میں اپنی عصا یا کمان پر ٹیک لگائے کھڑے ہیں جب کہ آپ ثقیف کے یہاں تشریف لائے تھے تو میں نے سُنا آپ سورۃ وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ تلاوت فرما رہے ہیں۔ تو میں نے اس سورت کو اپنے اسلام لانے سے قبل ہی یاد کر لیا تھا مجھے ثقیف کے لوگوں نے کہا کہ یہ کیا کہہ رہے تھے تو میں نے ان لوگوں کو یہ سورت سُنا دی تھی۔ پھر جب اسلام لے آیا دوبارہ اس کو پڑھا۔ ۱۲۔ تفسیر ابن کثیر۔ ج ۴۔

ان مضامین کو بیان کرتے ہوئے حق تعالےٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت بھی سُنائی کہ جو کتاب الٰہی آپؐ پر اُتاری جارہی ہے گو وہ اپنی شان کے لحاظ سے بڑی ہی عظمت والی ہے۔ اور نفسِ وحی قولِ ثقیل ہے، لیکن یہ سب کچھ آسان کردیا جائے گا۔ اور آپؐ سہو و نسیان سے محفوظ رہیں گے بجز اس کے جو خدا ہی چاہے اور اس کو منسوخ کرنے کا ارادہ فرمائے۔

آخیر میں یہ بھی بتادیا گیا کہ انسانی فلاح و کامیابی ذکر الٰہی اور اس کی عبادت و بندگی میں مصروف رہنے ہی میں ہے۔ اور یہ مقصد اعلیٰ اس صورت میں حاصل ہے جب کہ انسان دنیاوی لذتوں کو آخرت پر ترجیح اور فوقیت نہ دے۔

اٰیَاتُهَا ۱۹ ۔ ۸۷ = سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ = ۸ ۔ رُكُوْعُهَا ۱

سورۃ اعلیٰ مکی ہے اور اس میں اُنیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝۱ الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝۲

پاکی بول اپنے رب کے نام کی جو سب سے اُوپر ہے۔ جس نے بنایا پھر ٹھیک کیا۔

وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝۳ وَالَّذِىْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝۴

اور جس نے ٹھہرایا، پھر راہ دی۔ اور جس نے نکالا چارا۔

فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ۝۵ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝۶

پھر کر ڈالا اس کو کوڑا کالا۔ ہم پڑھادیں گے تجھ کو، پھر تو نہ بھولے گا۔

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۝۷ وَنُيَسِّرُكَ

مگر جو چاہے اللہ۔ وہ جانتا ہے پکارا اور چھپا۔ اور سہج سہج پہنچاویں گے

لِلْيُسْرٰى ۝۸ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝۹ سَيَذَّكَّرُ مَنْ

ہم تجھکو آسانی تک۔ سو تو سمجھا اگر کام کرے سمجھانا۔ سمجھ جاوے گا جس کو

يَّخۡشٰى ۝١٠ وَيَتَجَنَّبُهَا الۡاَشۡقَى ۝١١ الَّذِىۡ يَصۡلَى النَّارَ

ڈر ہو گا ۔ اور سرک رہے گا اس سے بڑا بدبخت ۔ وہ جو پیٹھے گا (پہنچے گا) بڑی

الۡكُبۡرٰى ۝١٢ ثُمَّ لَا يَمُوۡتُ فِيۡهَا وَلَا يَحۡيٰى ۝١٣ قَدۡ اَفۡلَحَ

آگ میں ۔ پھر نہ مرے گا اس میں نہ جیوے گا ۔ بیشک بھلا ہوا

مَنۡ تَزَكّٰى ۝١٤ وَذَكَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝١٥ بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ

اس کا جو سنورا ۔ اور پڑھا نام اپنے رب کا، پھر نماز کی ۔ کوئی نہیں! تم آگے رکھتے ہو

الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا ۝١٦ وَالۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى ۝١٧ اِنَّ هٰذَا

دنیا کا جینا ۔ اور پچھلا گھر بہتر ہے اور رہنے والا ۔ یہ کچھ

لَفِى الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰى ۝١٨ صُحُفِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى ۝١٩

لکھا ہے پہلے ورقوں میں ۔ ورق ابراہیم کے اور موسیٰ کے ۔

فلاح وسعادت از ذکرِ خداوندی وانہماک در صلوٰۃ وعبادت

قال اللہ تعالیٰ ۔ سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى ..... الی ..... صُحُفِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى

(ربط) گزشتہ سورت میں انسان کو اس امر کی دعوت دی گئی تھی کہ وہ خود اپنی تخلیق وپیدائش پر نظر ڈالے اور سوچے کہ پروردگار عالم نے اپنی کیسی عظیم قدرت اور حکمت سے اس کو وجود عطا فرمایا اور جو ذات خداوندی انسان کو ابتداءً وجود عطا کرنے پر قادر ہے وہ بلاشبہ اس کے اعادہ پر بھی قادر ہے اور اس طرح مسئلہ آخرت اور بعث بعدالموت ثابت فرمایا گیا تھا اب اس سورت میں عظمت خداوندی بیان کی جارہی ہے ، اس کی ذات اور صفات عالیہ کا ذکر کرکے اور یہ بتایا جارہا ہے کہ انسان کے لئے فلاح وسعادت کی منزل صرف اسی میں مضمر ہے کہ وہ ذکرِ خدا یادِ الٰہی اور اپنے رب کی عبادت و بندگی میں مصروف رہے۔ اور اس راہ میں اصل رکاوٹ ڈالنے والی چیز حُبّ دنیا اور نفس کی خواہشات ہیں۔ تو انسان کو چاہئے کہ اس سے بچے اور اصل مقصد حیاتِ فانی اور عارضی لذتوں پر فوقیت دے۔ تو ارشاد فرمایا۔

پاکی بیان کر اے انسان! اپنے رب کے نام کی جو سب سے بلند و بالا ہے جس نے پیدا کیا۔ عدم سے

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وجود میں لاتے ہوئے پھر ہر ایک چیز کو برابر بنایا نہایت تناسب اور خوبی کے ساتھ انسان ہو یا جو بھی کوئی مخلوق اس کی ساخت نہایت ہی موزوں اور اس کے اجزاء و اعضاء بڑے ہی متناسب بنائے اور وہ جس نے ہر بات کو مقرر و مقدر فرمایا پھر اس کی طرف راہ دکھائی سعادت و شقاوت ہو یا ایمان و کفر حصول مال و منال ہو یا اس سے محرومی الغرض جو بھی کچھ اپنی تقدیر سے طے کیا اسی کی طرف انسان و مخلوق کو کر دیا۔ اور وہی چیز اس کو آسان معلوم ہونے لگی۔ چنانچہ اہلِ ایمان کو ایمان و عمل صالح آسان و مرغوب ہو گیا اور اہلِ شقاوت کو فسق و فجور ہی لذیذ معلوم ہونے لگا۔ اور وہ جس نے سبزہ اُگایا پھر اس کو چورا بنا دیا سیاہ رنگ کا حالانکہ وہ جب نمودار ہوا تھا تو بڑا ہی سرسبز و شاداب اور خوش منظر تھا مگر خشک ہو کر وہ ریزہ ریزہ اور سیاہ رنگ ہو جاتا ہے ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں اس رب العالمین کی کمال قدرت اور حکمت کی نشانیاں ہیں اور اس طرح انسان سے لے کر گھانس کے ایک تنکے تک ہر چیز اس کی عظمت و بلندی کی گواہی دے رہی ہے تو یہ ہیں وہ دلائل قدرت اور شواہد وحدانیت جو ہم آپ کو سلے ہمارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھا رہے ہیں پس آپ اُن کو نہیں بھولیں گے۔ کیونکہ آپ کا ربِّ اعلیٰ ان علوم کو آپ کے سینہ میں محفوظ کر دے گا جس طرح یہ علوم ملأ اعلیٰ میں لوح محفوظ میں محفوظ ہیں تو آپؐ ان کو نہیں بھولیں گے۔ مگر جو چیز اللہ چاہے اور ان آیات میں جن کو منسوخ کرنا چاہے تو بے شک وہ آیات آپ کے دل سے نکل جائیں گی لیکن اس کے ماسوا جو بھی اللہ کی وحی ہو گی اور جو کچھ آپؐ پر نازل کیا جائے گا وہ آپ یاد رکھیں گے جیسا کہ وعدہ فرمایا گیا۔ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَ قُرْاٰنَہٗ بے شک وہ ربِّ اعلیٰ جانتا ہے بلند آواز کو اور اس کو بھی جو پست اور چھپی ہے۔ یہ سب کچھ اس کی قدرت اور حکمت پر مبنی ہے کہ کون سی آیات صرف وقتی طور پر نازل کر دی گئیں پھر ان کی تلاوت منسوخ کرنی ہے اور کون سی آیات وہ ہیں جو ہمیشہ کے لیے اُتاری گئیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِھَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْھَآ اَوْ مِثْلِھَا۔ اور پروردگار چونکہ تمہاری ظاہری اور باطنی حالت جانتا ہے اور تمہاری وہ استعداد و صلاحیت بھی جو مخفی ہے اس وجہ سے وہی معاملہ فرمائے گا جس کے مستحق ہو اور آسانی دیں گے تم کو ہر اس کام کے لیے جو سہولت و فلاح کا ہے۔ اس وجہ سے وحی الٰہی بھی محفوظ ہو جائے گی اور اس میں کوئی مشقت نہ ہو گی پھر ان علوم و معارف کے اثر سے قلب پر معرفت و محبّت کے آثار رونما ہوں گے اور عبادت کا وہ ذوق و شوق ہو گا کہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور چین ہو جائے گا اور اُمّت کی اصلاح اور ملک کی ترقی اور عظمت کے وہ طریقے بھی آسان کر دیئے جائیں گے جس سے آپؐ کی اُمت اور ان کے ملک تاریخ عالم میں عظمت و بلندی کا پیکر ہوں گے۔ اور کامیابی کی راہ میں جو مشکلات حائل ہو سکتی ہیں۔ ان سب کو دور کر دیا جائے گا۔ بہرکیف آپ پر جب انعامات فرمائے

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی تو آپؐ نے فرمایا اس کو تم اپنے سجدہ میں مقرر کر لو اس وجہ سے سجدہ کی تسبیح سبحان ربی الاعلیٰ مقرر ہوئی۔

گئے ہیں تو دوسروں کو بھی ان سے فیضیاب کیجئے اور اپنے کمالات سے دوسروں کو بھی باکمال بنائیے جس کی شکل یہ ہے کہ پس آپ بار بار سمجھاتے رہیئے۔ اگر سمجھانا اور نصیحت کرنا اس کو فائدہ پہنچائے۔ اور کمال شفقت کے باعث بار بار کے افہام و تفہیم اور نصیحت سے ہرگز نہ اکتائیے اگر کوئی آج نصیحت نہیں قبول کر رہا ہے تو بہت اُمید ہے کہ عنقریب نصیحت قبول کرے گا ہر وہ شخص جو ڈرتا ہے کیونکہ خوفِ خدا بہرکیف انسان کو درست راستہ پر لاکر ہی رہتا ہے اور کسی نہ کسی وقت ضرور وہ ہدایت قبول کر لیتا ہے اور اس نصیحت اور پیغام ہدایت سے وہی شخص دُور رہتا ہے اور بچتا ہے جو بہت ہی بدبخت اور بدنصیب ہو۔ جو جہنم کی بڑی آگ میں داخل ہوگا اور وہ جہنم کی بڑی آگ ایک ایسا شدید عذاب ہوگا کہ پھر اس میں نہ تو مرے ہی گا کہ سرگران مصائب اور کلفتوں کا خاتمہ ہو جائے اور نہ ہی زندہ رہے گا کہ زندگی کی کوئی راحت اور چین اس کو نصیب ہو سکے۔

تو یہ ہے انجام اس بدنصیب بدبخت کا جس کے مقدر میں دوزخ کی آگ لکھی ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ کہاں وعظ و نصیحت کی طرف کان لگائے گا۔ اور کہاں اس کو عبرت ہوگی۔ اور خدا کا ڈر ہوگا کہ وہ اپنا انجام سوچے اور کفر و نافرمانی سے باز آئے۔ ہاں جس کے دل میں خوفِ خدا ہوگا اور اپنے انجام کو سوچے گا وہی اپنا رُخ سعادت کی منزل کی طرف کرے گا۔ اس لئے بس یہی ضابطہ خدا کی طرف سے طے کر دیا گیا کہ بیشک کامیاب وہی شخص ہوا جس نے پاکی حاصل کی ہر قسم کی ظاہری باطنی اور حسی و معنوی گندگی اور نجاستوں کو دور کر کے۔ اس طرح کہ نہ اس کے عمل میں کوئی گندگی اور برائی باقی رہی نہ اخلاق میں نہ ظاہر میں اور نہ باطن میں قلب و اعتقاد اور عمل کی طہارت ہی فوز و فلاح کا ذریعہ ہے اور لیا اس نے اپنے رب کا نام پھر اس نے نماز پڑھی اور اپنے رب کی بندگی کا حق ادا کیا۔ تقویٰ و طہارت کا مقام طے کر چکنے کے بعد فضائل اعمال اور اخلاق کی عظمتوں تک اس نے اپنے آپ کو پہنچا لیا۔ یعنی تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے رب کا نام لے لیا اور اس کے بعد ارکانِ صلوٰۃ ادا کر کے عبودیت و بندگی کی منزلِ عالی تک رسائی حاصل کر لی[ع] فلاح و سعادت کی منزل انابت الی اللہ اور خشیت خداوندی پر موقوف ہے اور اس پر مبنی ہے کہ انسان فکرِ آخرت میں

ع: بعض ائمہ مفسرین مَنْ تَزَکّٰی سے صدقۂ فطر کی ادائیگی مراد لیتے ہیں اور ذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ سے تکبیرات عیدین۔ حضرات حنفیہ نے اس آیت سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے لئے محض ذکر اسم رب جو مشعر تعظیم ہو کافی ہے۔ لفظ اللہ اکبر فرض اور رکن نہیں۔ بے شک احادیث صحیحہ کی رو سے اور اس اصول کے پیش نظر واجب یا سُنّت ضرور ہے، کیونکہ فَصَلّٰی کے لفظ میں فعل صلوٰۃ کا ترتب مطلق ذکر اسم پر فرمایا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ ہر ذکرِ اسمِ رب کافی ہے کہ اس پر فعل صلوٰۃ مرتّب ہو اور ادائیگی کا تحقق ہو جائے۔ اگر بالخصوص لفظ اللہ اکبر رکن اور فرض ہوتا تو تعبیر یہ ہوتی وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فقال اللّٰہ اکبر وصلّٰی۔ واللہ اعلم۔

لگ جائے گا۔ اور اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ حبِّ دنیا اور نفس کی خواہشات ہیں تو ضرورت ہے کہ اس سے اجتناب اختیار کیا جائے۔ لیکن اے انسانو! تم اپنی غفلت ولاپرواہی کے باعث اس حقیقت کی طرف توجہ نہیں کرتے بلکہ تم تو ترجیح اور فوقیت دینے لگتے ہو۔ دنیا کی زندگی کو اور اسی کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کرنے لگتے ہو۔ حالانکہ آخرت ہی بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والی ہے کہ وہاں کی نعمتوں کو دوام خلود ہے اور وہاں کی ہر ایک نعمت ایسی ہے کہ انسان نے کبھی دیکھی نہ اس کے کان نے کبھی سُنا اور نہ اس کے دل میں اس کا تصوّر گذرا تو چاہیئے تو یہ تھا کہ اعتقاد وعمل سے ثابت کیا جاتا کہ آخرت کو پسند کیا جا رہا ہے۔

یہ بلند پایہ نصیحت اور فلاح وسعادت کا راز بے شک وہ ہے جو پچھلے صحیفوں میں ہے، ابراہیم وموسیٰ کے صحیفوں میں تو جو نصیحت پہلی کتابوں اور صحیفوں میں ایسے جلیل القدر انبیاءؑ پر نازل ہوئی ہے اس کی عظمت وبرتری میں کیا شبہ ہوسکتا ہے جس کی عظمت کو پہلی نسلیں اور شریعتیں تسلیم کر چکیں اور دنیا نے اس کی افادیت کو دیکھ لیا لہٰذا اے انسانو! تم کو چاہیئے کہ انسان کی فطری اور طبعی کمزوریوں سے بچو۔ حیاتِ دنیا کو پسند کرنے کے بجائے فکرِ آخرت اور حصول سعادت کی طرف رُخ کرلو۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الاعلیٰ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُورَةُ الغَاشِيَة

(ربط) دیگر مکّی سورتوں کی طرح اس کا مضمون بھی دو اہم بنیادی موضوعات پر مشتمل ہے، قیامت اور بعث بعدالموت کے احوال اور اس کی شدت و پریشانیاں اور یہ کہ کافر اور نافرمان انسان کو روزِ قیامت کیسی مصیبتوں اور شدّتوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس کے بالمقابل اہل ایمان کا اعزاز واکرام اور ان پر فائز ہونے والی نعمتوں کی کوئی حد وانتہا نہ ہوگی۔

دوسرا موضوع اس سورت کا حق تعالےٰ شانہٗ کی وحدانیت اور اس کے دلائل وشواہد کا بیان وتحقیق ہے۔ سُورت کے اخیر میں انسان کے اعمال اور محاسبۂ اعمال کا ذکر کرتے ہوئے یہ یاد دلایا گیا کہ بہرکیف ہر انسان کو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنا ہے۔ جہاں اس کے اعمال کا اس کو پورا بدلہ ملے گا۔

آیاتُها ۲۶ ۸۸ سُورَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ ۶۸ رکوعها ۱

سورۃ غاشیہ مکی ہے اور اس کی چھبیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

هَلْ أَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ﴿۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ﴿۲﴾

کچھ پہنچی تجھ کو بات اس چھپا لینے والی کی؟ کتنے منہ اس دن ذلیل (خوفزدہ) ہیں۔

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴿۳﴾ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ﴿۴﴾ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ

محنت کرتے تھکتے۔ بیٹھیں گے (پہنچیں گے) دہکتی آگ میں۔ پانی ملے گا ایک چشمے کھولتے

اٰنِيَةٍ ﴿۵﴾ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ﴿۶﴾ لَّا يُسْمِنُ

کا۔ نہیں ان پاس کھانا، مگر جھاڑ کانٹے۔ نہ موٹا کرے،

وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ﴿۷﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿۸﴾

نہ کام آوے بھوک میں۔ کتنے منہ اس دن آسودہ ہیں۔

لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿۹﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۱۰﴾ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا

اپنی کمائی سے راضی۔ اونچے باغ میں۔ نہیں سنتے اس میں

لَاغِيَةً ﴿۱۱﴾ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿۱۲﴾ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ﴿۱۳﴾

بکنا۔ اس میں ایک چشمہ ہے بہتا۔ اس میں تخت ہیں اونچے بچھے۔

وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ﴿۱۵﴾ وَّزَرَابِيُّ

اور آبخورے دھرے۔ اور قالیچے قطار پڑے۔ اور مخمل کے

مَبْثُوْثَةٌ ﴿۱۶﴾ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾

نہالیچے کھنڈر رہے۔ بھلا کیا نہیں نگاہ کرتے اونٹوں پر، کیسے بنائے ہیں؟

وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾

اور آسمان پر، کیسا بلند کیا ہے؟ اور پہاڑوں پر، کیسے کھڑے کیے ہیں؟

وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾

اور زمین پر، کیسی صاف بچھائی ہے؟ سو تو سمجھا، تیرا کام یہی ہے سمجھانا۔

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ إِلَّا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾

تو نہیں اُن پر داروغہ - مگر جس نے منہ موڑا اور منکر ہوا -

فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾

تو عذاب کرے گا اس کو اللہ وہ بڑا عذاب - بیشک ہم پاس ہے ان کو پھر آنا۔

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿٢٦﴾

پھر بیشک ہمارا ذمہ ہے اُن سے حساب لینا۔

تنبیہ انسانِ غافل از وقوع قیامت و دعوت فکر برائے رجوع الی اللہ

قال اللہ تعالیٰ۔ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ....الی .... عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ

(ربط) گزشتہ سورت میں انسان کو اس امر پر متوجہ کیا گیا تھا کہ وہ اللہ رب العالمین کی پاکی بیان کرے۔ اور مادی زندگی میں منہمک ہو کر اپنے رب کو فراموش نہ کرے۔ ایمان و تقویٰ ہی معیار نجات ہے اور فکر آخرت ہی انسانی سعادت ہے۔ یہی وہ ہدایت و تعلیم ہے جو تخلیق عالم کے بعد سے مسلسل تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو دیتے رہے۔ ان ہی علوم و ہدایات پر صُحف ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام بھی مشتمل تھے۔ اب اس سورت میں ہر اس غافل انسان کو وقوع قیامت سے چونکا جا رہا ہے جو مادی لذتوں میں پڑ کر آخرت اور بعث بعد الموت کو بھلا چکا، چنانچہ ارشاد فرمایا۔

کیا (نہیں) پہنچی تجھ کو اے مخاطب خبر ایک چھپا لینے والی چیز کی جو تمام مخلوق پر اس طرح چھا جائے گی۔ جیسے دن کی روشنی پر رات کی تاریکی۔ اور تمام کائنات اور اس کے نظام کو درہم برہم کر ڈالے گی۔ اور وہ قیامت ہے؟ کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ خبر نہ پہنچی ہو کیونکہ یہ بات اللہ کے تمام انبیاء بتاتے چلے آئے۔

موجودات کا تغیر و تبدل اور حوادث کے احوال اس حقیقت کی واضح دلیل ہیں اس لئے ضرور اے مخاطب تجھے یہ خبر مل چکی ہے۔

وہ چھپا لینے والی چیز ایسی ہیبت ناک ہے کہ کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل و خائف نظر آتے ہوں گے محنتیں اٹھانے والے تھکے ہوئے کہ جنہوں نے دنیا میں اگرچہ بڑی ہی محنتیں اُٹھائیں تکالیف و مصائب برداشت کیئے لیکن اس وجہ سے کہ حق پر نہ تھے وہ سب برباد ہوئیں اور اب قیامت اور عذاب آخرت کے آثار دیکھتے ہی چہروں پہ بدحواسی برسنے لگے گی اور ایسا معلوم ہونے لگے گا کہ بڑی ہی محنت کر کے یہ چہرے تھکے ہارے ناکام و ذلیل ہیں علہ خسر الدنیا والآخرۃ کا پورا پورا منظر نظر آرہا ہوگا۔ جو داخل ہو رہے ہوں گے ایک دہکتی ہوئی آگ میں۔ چہروں کے بل جہنم میں جھونکا جا رہا ہوگا جیسے کہ فرمایا گیا۔ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ۔ اور ارشاد ہے فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ جن کو پلایا جاتا ہوگا ایک کھولتے ہوئے علہ چشمے کے پانی سے جو بجائے پیاس بجھانے کے سوزش اور اضطراب ہی میں اضافہ کرے گا۔ جن کے واسطے کوئی کھانا نہ ہوگا بجز ایک خاردار جھاڑ کے۔ جو ظاہر ہے کہ نہ تو کھانے والے کو کوئی فربہی اور توانائی پہنچا سکے گا اور نہ ہی وہ بھوک رفع کر سکے گا۔ اس لئے کہ خاردار جھاڑ میں کیا غذائیت ہو سکتی ہے کہ جس سے انسانی بدن کو کوئی تقویت پہنچے یا بھوک کی بے چینی اس سے دور ہو جائے۔ یہ تو حال ہوگا اس روز مجرمین و نافرمانوں کا لیکن ان کے بالمقابل بہت سے چہرے اس دن تروتازہ اور شاداب جو اپنی محنت پر خوش ہوتے ہوں گے جو انہوں نے اعمال صالحہ اور احکام شریعت کی اطاعت و پابندی میں کی تھی تو وہ اپنی اس جد و جہد کا ثمرہ اور انعام دیکھ کر خوش ہوتے ہوں گے۔ بہشت بریں اور جنّت الفردوس کے بلند و بالا محلات میں ہوں گے جہاں سکون و اطمینان کا یہ عالم ہوگا کہ بہشت بریں کے ان محلات میں کوئی بیہودہ بات بھی نہ سنتے ہوں گے اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے جن سے صاف و شفاف

علہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں، یہ وہ بدنصیب کافر ہیں جو دنیا میں بڑی بڑی ریاضتیں کرتے تھے اور اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا ہوا تھا لیکن اللہ کے ہاں کچھ قبول نہ ہوا، حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ایک روایت بیان کی ہے کہ ابو عمران الجونیؒ نے بتایا کہ ایک مرتبہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک عیسائی راہب کے گھر کے سامنے سے گزر رہے تھے تو اس کو آواز دی "یا راہب"، اس راہب نے اوپر سے جھانکا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھا۔ اور دیکھ کر رونے لگے عرض کیا گیا اے امیر المؤمنین آپؓ اس کو دیکھ کر کیوں رو رہے ہیں۔ فرمایا مجھے اس وقت اسے دیکھ کر یہ آیت یاد آگئی وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ۔ تَصْلَىٰ نَارًا حَامِيَةً، تو اس وجہ سے گریہ طاری ہو گیا یعنی اس کی بدنصیبی اور محرومی کے تصوّر سے کہ اب دنیا میں یہ کیا کیا مشقتیں اٹھا رہا ہے اور آخر میں یہ انجام ہوگا ۔ ۱۲ ابن کثیر ج ۴ ۔

علہ۔ دنیا میں بھی ایسے سمندر اور چشمے موجود ہیں۔ جنکو دیکھ کر بخوبی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ ۱۲

تازہ پانی ہر وقت بہتا ہوگا۔ اس بہشت میں تخت ہوں گے نہایت اونچے جن کی عظمت و بلندی تصور بھی نہیں کی جاسکتی اور بڑی ہی حسن و خوبی سے آبخورسے جمائے ہوں گے جن کی ترتیب اور ہیئت وضعیہ عجیب وغریب ہو گی، نظریں اُن کو دیکھ کر حیران و مبہوت ہو رہی ہوں گی۔ اور برابر لگائے گئے ہوں گے نرم و لطیف ریشمی گدّے جن کی لطافت و نرمی اور زینت انسانی احاطۂ خیال سے بالاتر ہے اور بکھیرے ہوئے ہوں گے ہر طرف قالین۔ یہ ہوں گی وہ نعمتیں اور عزتیں جو اس دن اہلِ ایمان اور اللہ کے فرمانبردار بندوں کو ملیں گی۔ اور ان انعامات پر ان کے چہرے ہشاش بشاش ہوں گے اور اپنی دنیا دی زندگی کی کوششوں اور انکے انعامات پر خوش و خرّم ہوں گے۔

غرض یہ کہ یہ ہے وہ روز قیامت جس میں مجرمین و نافرمانوں کی بدحالی اور مصائب کا یہ حال ہوگا کہ چہرے بگڑے ہوئے ہوں گے۔ اور اہلِ ایمان و انعام کے چہرے فرحت و خوشی سے چمک رہے ہوں گے۔ عالم دنیا اور کل موجودات خداوند عالم کی قدرت و خالقیت کا واضح ثبوت ہیں۔ اور ہر ایک شئے اپنی ذات اور نوعیت سے ثابت کر رہی ہے کہ روزِ قیامت برحق ہے وہ آکر رہے گا۔ ایسے واضح اور روشن دلائل کے ہوتے ہوئے کس کو مجال ہے کہ قیامت اور اللہ کی عظیم قدرت کا انکار کر سکے۔ آسمان و زمین دلائل قدرت سے بھرے پڑے ہیں تو پھر کیوں نہیں نظر کرتے اونٹوں پر کہ کیسے بنائے گئے۔ جو اپنی ہیئت اور خاصیت کے لحاظ سے عجیب ہیں۔ ان کی جسمانی ساخت حیرت انگیز ہے۔ پھر جس طرح وہ جنگلوں بیابانوں اور پہاڑوں میں سفر کرتا ہے۔ وہ بھی انسانی عقول اور ان کے پرواز فکر سے بالا ہے۔ محنت و مشقت برداشت کرنا، کانٹوں پر گذرنا، راتوں دنوں مسلسل اپنے مالک کی خدمت میں منہمک رہنا۔ انسان کو جہاں ایک طرف خداوندِ عالم کے دلائل قدرت و خالقیت مہیا کر رہا ہے تو دوسری طرف اس کو یہ عبرت کا سبق سکھا رہا ہے کہ ایک حیوان اپنے مالک کی خدمت و اطاعت میں کس طرح لگا ہوا ہے لیکن اس انسان پر افسوس ہے جو ہر طرح کی نعمتوں اور راحتوں کے باوجود اپنے رب پر ایمان لانے کو تیار نہیں ہوتا، اور نہ وہ اپنے رب کے انعامات کا کوئی شکر ادا کرتا ہے۔ اور کیوں نہیں نظر کرتے یہ لوگ آسمان کی طرف کہ کیسا بلند بنایا گیا ہے اور کس طرح آسمانوں کو ستاروں سے مزیّن کیا چاند اور سورج کو پیدا کیا اور کیوں نہیں دیکھتے پہاڑوں کو کس طرح کھڑے کر دیئے گئے۔ یہ عظیم پہاڑ اور ان کی فلک بوس چوٹیاں کس طرح زمین پر قائم ہیں۔ جو زمین ایک ناخن سے کھرچی جا سکتی ہے۔ اس پر یہ ہزارہا میلوں میں پھیلے ہوئے بلند پہاڑ کیونکر قائم ہیں۔ پھر ان میں کیسی کیسی قیمتی چیزیں اور معدنیات اللہ نے پیدا کیں اور ان میں کس طرح چشمے جاری کیئے۔ اور کیوں نہیں دیکھتے زمین کو کہ کیسی صاف سطح کی شکل میں بچھا دی گئی باوجود کروی الشکل ہونے کے مسطح معلوم ہوتی ہے۔ جس پر چلنا پھرنا اور زندگی کے تمام مشاغل کا پھیلا دینا بالکل آسان کر دیا گیا۔ تو یہ سب دلائل قدرت ہیں جن کا ہر ایک انسان مشاہدہ کرتا ہے، ایسے دلائل و شواہد کے بعد بھی اگر کوئی رب العالمین کی قدرت اور اس کی خالقیت پر ایمان نہ لائے تو اس کی بدنصیبی ہے۔ اس لیئے اے ہمارے پیغمبر آپ ان کی فکر میں زیادہ پریشان و مضطرب نہ رہیں آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا ہدایت قبول کرنا نہ کرنا یہ مخاطب کا کام ہے۔ اس پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ بس آپ تو

ان کو نصیحت ہی کرتے رہیئے۔ آپ ان پر داروغہ بنا کر مسلّط نہیں کیے گئے ہیں کہ زبردستی ان کو منوا کر ہی چھوڑیں۔ اور نہ ہی یہ کسی کی قدرت میں ہے کہ ان کے دل بدل ڈالے یہ کام تو بس اسی ذات مقلب القلوب کا ہے جس کے دستِ قدرت میں تمام انسانوں کے قلوب ہیں اس لیئے آپ زیادہ فکر میں نہ پڑیں۔

مگر ہاں یہ بات ضروری ہے اور کوئی بھی اس سے نہیں بچ سکتا کہ جو شخص بھی روگردانی کرے گا اور کفر کرے گا تو اللہ اس کو بہت ہی بڑا عذاب دے گا جس سے کوئی کافر اور منکر اپنے آپ کو نہیں بچا سکے گا۔ کیونکہ ہماری ہی طرف ان سب کا لوٹ کر آنا ہے اور ہمارے ہی ذمہ ہے ان کا حساب لینا۔ بس یہ ہمارا ہی کام ہے لہٰذا کوئی کافر اور مجرم ہماری گرفت اور ہمارے حساب اور اعمال کی سزا سے چھٹکارا کسی بھی حالت میں نہیں حاصل کر سکتا۔

دلائل قدرت میں غور و فکر

تقاضائے فطرت اور باعث سعادت ہے

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ ان آیات یعنی اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ " کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ان دلائل کا ذکر اور ان کی ترتیب اس واقعہ سے مزید واضح ہو رہی ہے جو احادیث میں ضمام بن ثعلبہ کا بیان فرمایا گیا۔ کہ ایک مسافر اپنے اونٹ پر سفر کر رہا ہے۔ آسمان اس کے سر پر ہے بلند پہاڑ نظروں کے سامنے ہیں۔ زمین اس کے نیچے ہے جس پر وہ خلاق علیم صنعت و حکمت کے بے شمار احوال کا مشاہدہ کر رہا ہے اور ان پر غور و فکر کے عالم میں جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو فطری انداز استدلال کے رنگ میں بات کرتا ہے چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب ہمیں (غیر ضروری) سوالات کرنے کی ممانعت کر دی گئی تھی (اور اس وجہ سے ہم مرعوب و خوف زدہ ہو کر نفسِ سوال کرنے کی بھی جرأت نہ کرتے تھے تو ہمارا دل چاہتا تھا کہ کوئی بدوی شخص سمجھ دار آکر مجلس میں کچھ سوال کرے اور ہم سُن کر حضورؐ کے جواب مبارک سے مستفید ہو جائیں) تو ایک دن ایک شخص آیا تو اس نے آپؐ کو بدویانہ انداز میں خطاب کرتے ہوئے کہا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا ایک قاصد ہمارے پاس آیا ہے اور اس نے یہ بتایا ہے کہ آپ نے یہ اعلان کیا ہے کہ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ اس نے سچ کہا اس پر وہ بدوی کہنے لگا تو اچھا یہ بتائیے کہ آسمان کس نے بنایا ہے آپؐ نے فرمایا اللہ نے۔ اس نے کہا یہ زمین کس نے پیدا کی آپؐ نے فرمایا اللہ نے۔ پھر اس نے کہا تو یہ پہاڑ کس نے قائم کیئے اور ان میں یہ فائدے کی چیزیں کس نے پیدا کیں آپ نے جواب دیا، اللہ نے۔ یہ سُن کر وہ بولا تو اس

ذات کی قسم جس نے یہ آسمان بنایا اور جس نے یہ زمین پیدا کی اور جس نے اس پر یہ پہاڑ قائم کیئے اور اس میں پیدا کیا جو کچھ بھی پیدا کیا؛ اسی خدا نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے آپ نے جواب دیا بے شک اُسی نے مجھ کو رسول بنایا اس کے بعد اُس نے ارکان اسلام کا ذکر کیا جو اس قاصد کے ذریعے معلوم ہوئے تھے۔ آپ نے ان باتوں کی بھی تصدیق کی اور جب وہ شخص اس گفتگو سے فارغ ہوا تو فوراً مجلس سے اُٹھ کھڑا ہوا یہ کہتے ہوئے واللہ لا ازید علی ھذا ولا انقص کہ خدا کی قسم میں ان چیزوں میں نہ کوئی کمی کروں گا اور نہ زیادتی۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ان صدق لید خلنّ الجنۃ یعنی اگر سچا ہے تو ضرور بالضرور یہ شخص جنت میں داخل ہوگا، تو اس حدیث کے مضمون سے ظاہر ہوا کہ ان دلائل قدرت پر اس سمجھ دار اعرابی کی نظر اپنے فطری تقاضے کے باعث تھی اور اسی کی وجہ سے اس کو یہ سب کچھ سعادت نصیب ہوئی جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے پیغام بشارت جاری ہوا۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الغاشیۃ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الفجر

سورۃ الفجر مکی سورت ہے جس کی تیس آیات ہیں۔ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورت کا مضمون بھی بالخصوص ان تین اہم موضوعات پر مشتمل ہے۔

۱- بعض امم سابقہ کا واقعہ کہ انہوں نے اپنے رسولوں کا انکار کیا اور خدا کی نافرمانی کرتے رہے تو کس طرح عذاب خداوندی نے انکو تباہ کر دیا۔ جیسے قوم عاد و ثمود اور فرعون۔

۲- اللہ کا قانون حیات دنیویہ میں بندوں کی آزمائش کا۔ اور یہ کہ انسانی عمل کی خیر و شر کی جانب تقسیم اسی طرح انسانی مزاج اور طبائع کا بھی خیر و شر کی طرف انقسام۔

۳- آخرت اور آخرت کے احوال اور روز محشر واقع ہونے والے ہولناک امور کا بیان اور یہ کہ انسانی نفس میں نفس خبیثہ کا انجام اور اس کے بالمقابل سعید انسان کی کامیابی و عزت۔ تو ان تین بنیادی مضامین پر اس سورت کی آیات مشتمل ہیں۔

اٰیَاتُھَا ۳۰ ۔ ۸۹ سُوْرَۃُ الْفَجْرِ مَکِّیَّۃٌ ۱۰ ۔ رُکُوْعُھَا ۱

سورۂ فجر مکی ہے۔ اس میں تیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالْفَجْرِ ﴿۱﴾ وَلَیَالٍ عَشْرٍ ﴿۲﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿۳﴾ وَالَّیْلِ

قسم ہے فجر کی۔ اور دس راتوں کی۔ اور جفت اور طاق کی۔ اور اس رات

اِذَا یَسْرِ ﴿۴﴾ ھَلْ فِیْ ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ ﴿۵﴾ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ

کی، جب رات کو چلے۔ ہے ان چیزوں کی قسم پوری عقلمندوں کے واسطے۔ تو نے نہ دیکھا کیسا کیا

فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ ﴿۶﴾ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿۷﴾ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ

تیرے رب نے عاد سے؟ وہ جو ارم تھے بڑے ستونوں والے؟ جو بنی نہیں ویسی

مِثْلُھَا فِی الْبِلَادِ ﴿۸﴾ وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿۹﴾

سارے شہروں میں۔ اور ثمود سے جنہوں نے تراشے پتھر وادی میں۔

وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ﴿۱۰﴾ الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ﴿۱۱﴾

اور فرعون سے، وہ میخوں والا۔ یہ سب جنہوں نے سر اٹھایا ملکوں میں۔

فَاَکْثَرُوْا فِیْھَا الْفَسَادَ ﴿۱۲﴾ فَصَبَّ عَلَیْھِمْ رَبُّکَ سَوْطَ

پھر بہت ڈالی ان میں خرابی۔ پھر پھینکا ان پر تیرے رب نے کوڑا

عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا

عذاب کا۔ تیرا رب لگا ہے گھات میں۔ سو آدمی جو ہے، جب

مَا ابْتَلٰہُ رَبُّہٗ فَاَکْرَمَہٗ وَنَعَّمَہٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْ اَکْرَمَنِ ﴿۱۵﴾

جانچے اس کو رب اس کا، پھر اس کو عزت دے، اور اس کو نعمت دے، تو کہے میرے رب نے مجھے عزت دی۔

وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّیْٓ

اور وہ جس وقت اس کو جانچے، پھر کھینچ کرے اس پر روزی کی، تو کہے، میرے رب نے

اَهَانَنِ ﴿١٦﴾ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿١٧﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ

مجھے ذلیل کیا۔ کوئی نہیں! پر تم عزت نہیں کرتے یتیم کو۔ اور تاکید نہیں رکھتے

عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿١٨﴾ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾

آپس میں محتاج کے کھانے کی۔ اور کھاتے ہو مردے کا مال سمیٹ کر سارا۔

وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا

اور پیار کرتے ہو مال کو جی بھر کر۔ کوئی نہیں! جب پست کریں زمین کو کوٹ

دَكًّا ﴿٢١﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ وَجِايْٓءَ

کوٹ کر۔ اور آوے تیرا رب، اور فرشتے آویں قطار قطار۔ اور لائیے

يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ

اس دن دوزخ کو۔ اس دن سوچے آدمی، اور کہاں ملے اُسکو

الذِّكْرٰى ﴿٢٣﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِیْ ﴿٢٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ

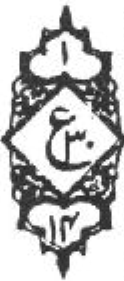
سوچنا؟ کہے کسی طرح میں کچھ آگے بھیجتا اپنے جیتے۔ پھر اس دن

لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٥﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٦﴾

مار نہ دے اس کی سی کوئی۔ اور باندھ نہ رکھے اس کا سا کوئی۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِیْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً

اے جی! چین پکڑے! پھر چل اپنے رب کی طرف، تو اس سے راضی



مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿٣٠﴾

وہ تجھ سے راضی۔ پھر مل میرے بندوں میں۔ اور پیٹھ (داخل ہوجا) میری بہشت میں۔

تاریخِ اقوام مکذبین و تقسیم فطرت انسانی

بصورتِ شقاوت و سعادت

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ۔ وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۔۔۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔۔۔ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ

(ربط) گزشتہ سورت میں قیامت کے احوال ذکر کیے گئے تھے اور یہ کہ ان ہولناک واقعات کا انسانی قدرت اور مادی اسباب کے دائرہ میں کوئی مقابلہ اور دفاع نہیں ہوسکتا۔ مقابلہ اور مدافعت تو درکنار اس پر بدحواسی اور اضطراب کا یہ عالم ہوگا کہ انسان اپنے آپ کو بے بس دیکھ رہا ہوگا۔ اور مجرمین پر خداوند عالم کا ایسا عذاب مسلّط ہوگا کہ اس کا تصوّر ہی نہیں کیا جاسکتا۔ تو اب اس سُورت میں بالخصوص ایسے عبرت ناک تاریخی واقعات بیان فرمائے گئے، جنکو پڑھ کر ہر انسان عبرت حاصل کرے اور سمجھ لے کہ خدا کی نافرمان قومیں اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے والی بڑی سے بڑی طاقت ور قوم جب اس طرح ہلاک کردی گئی تو پھر کس کی مجال ہے کہ اللہ کے پیغمبر کا انکار کر کے اس کے عذاب سے بچ سکے۔ ارشاد فرمایا قسم ہے فجر کے وقت کی جس کے طلوع اور صبح صادق کی روشنی کے عالم میں پھیل جانے کے منظر کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بس اسی طرح اب کفر و ضلالت کی ظلمتوں اور شرک و بدعات کی تاریکیوں کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نُور رسالت دُور کرنے کے لیئے صبح صادق بن کر طلوع ہوچکا ہے۔ اور قسم ہے دس راتوں کی ماہ ذوالحجہ کی جو اپنی فضیلتوں اور برکتوں میں بہت ہی اعلیٰ مقام رکھتی ہیں۔ اور قسم ہے جفت اور طاق کی جو کہ یوم النحر یعنی ذوالحجہ کی دسویں تاریخ ہے اور یوم عرفہ جو نویں تاریخ اور طاق ہے یا وہ نمازیں جو شفع اور جفت ہیں مثلاً صبح، ظہر، عصر اور عشاء اور جو طاق ہے مثلاً مغرب اور صلوٰۃ الوتر۔ یا رمضان کے عشرۂ اخیرہ کی طاق اور جفت راتیں اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ ڈھلے[ع] اور گذرتے ہوئے تاریکی کی آخری منزل پر پہنچ جائے حتیٰ کہ صبح کا نُور اس پر چھا جائے۔ کیا نہیں ہے ان چیزوں میں قسم پوری پوری عظمت والی عقل والوں کے لیئے؟ بلاشبہ ان احوال اور اوقات کی عظمت ہر صاحب عقل جانتا ہے اور کلام الٰہی میں ان کی قسم کھائی گئی تو یقیناً وہ اس قسم کی عظمت کو سمجھے گا، جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ اور بلاشبہ غور کرے گا کہ جن احوال اور زمانوں کو بطور قسم ذکر کیا جا رہا ہے جواب قسم اور مدّعی کو ثابت کرنے کے لیے بہت کافی ہے۔ اور یہ قسم بہت بڑی قسم ہے بے شک

ع۔ ان الفاظ میں اشارہ ہے اس امر کی طرف یہ مضمون اور اِذَا يَسْرِ کا مفہوم آیت مبارکہ "وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ" ہی والا مضمون ہے۔

وہ پروردگار بڑی قدرت وعظمت والا ہے وہی یکتا خالق و قادر ہے اس لیئے ہر انسان کو چاہیئے کہ اس کی اطاعت وفرمانبرداری کے لیئے تیار ہو جائے اس کے پیغمبر کی بات پر ایمان لائے اور سمجھ لے کہ نافرمانی کا انجام ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ اور یہ محض دعویٰ ہی نہیں بلکہ تاریخی حقائق اور وہ عبرتناک واقعات ہیں جن سے اہل عرب بھی بخوبی واقف ہیں تو اے مخاطب کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ کیسا کیا تیرے رب نے قوم عاد کے ساتھ جو اِرَم[عہ] میں تھے بڑے بڑے ستونوں والے۔ ان کی عالیشان عمارتیں اور بلند ستونوں پر قائم محلات اور سبزہ وسیاحت میں اونچے اونچے خیمے ان کی عظمت اور طاقت وشوکت کے واضح نشانات تھے۔ کہ ان جیسی کوئی قوم پیدا نہیں کی گئی تھی۔ دوسرے تمام شہروں میں خود ان کے ڈیل ڈول، طویل قدوقامت اور مضبوط بدن اور مال ودولت کی فراوانی اور عیش وعشرت کا یہ مقام کہ اونچے محلوں اور قلعوں میں زندگی گذار رہے ہوں تاریخی لحاظ سے اسی قوم کو یہ تمام عظمتیں اور نعمتیں حاصل تھیں اور قوم ثمود کے ساتھ جنہوں نے پتھروں اور چٹانوں کو تراشا وادی میں اور وادی القریٰ میں پہاڑوں کو تراش کر محفوظ ومضبوط مکانات بنائے تھے اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا کہ اس کی سرکشی وظلم کی حد نہ تھی اور لوگوں کو دیوار کے ساتھ ہاتھ پاؤں[عہ۲] میں میخیں ٹھوک کر نصب کرتا تھا۔ جنہوں نے سرکشی اختیار کر رکھی تھی شہروں میں اور جگہ جگہ ظلم وستم ڈھاتے پھرتے۔ بس ان کی شان وشوکت اور فوجی طاقت اسی بات کے لیئے تھی۔ تو انہوں نے خوب دل کھول کر فساد برپا کیا ان شہروں میں۔ معصوموں اور بے گناہوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ خدا کی نافرمانی کے علاوہ یہ ظلم وستم اور سرکشی کا انجام ظاہر ہے کہ ہلاکت اور بربادی کی صورت میں رونما ہونا تھا۔ چنانچہ خوب برسایا ان پر اے مخاطب تیرے رب نے عذاب کا کوڑا اور وہ ایسا عذاب تھا کہ ان قوموں کا نام ونشان بھی مٹ گیا۔ بے شک تیرا رب تو لگا ہوا ہے گھات میں ایسے مجرموں کی، پھر کون مجرم ہے جو اس کی گرفت سے نکل سکے۔ چنانچہ یہ قومیں جن کو ان کے مال ودولت عیش وعشرت اور طاقت وسلطنت نے مغرور ومست بنا دیا تھا۔ اور طغیانی وسرکشی میں انہوں نے وہ ظلم وستم ڈھائے کہ حد نہ چھوڑی اور ایسا سر اٹھایا کہ گویا ان کے سروں پر کوئی حاکم ہی نہیں اور تصور تک نہ رہا کہ ان سے انتقام لینے والا بھی کوئی حاکم موجود ہے تو اس رب العالمین نے جو کائنات کا مالک ہے اس کی طاقت کے سامنے دنیا کی کوئی حقیقت نہیں ان کو اپنی گرفت میں ایسا پکڑا کہ پلک جھپکنے کی بھی مہلت نہ مل سکی، آناً فاناً ان

عہ: بعض مورخین کہتے ہیں کہ ارم قوم عاد کے جد اعلیٰ کا نام تھا، ان ہی کو عاد اولیٰ بھی کہا گیا۔ ۱۲

عہ۲: بعض مفسرین ذوالاوتاد اور میخوں والے کی تفسیر میں اس کا لاؤ لشکر بیان کرتے ہیں کہ جب وہ باہر نکلتا اور اس کا لشکر ساتھ ہوتا تو جنگلوں اور میدانوں میں ٹھیرنے کے لیئے خیمے گاڑے جاتے اور ان خیموں کو نصب کرنے کے لیئے میخیں ساتھ ہوتیں تو اس لحاظ سے فرعون کو ذوالاوتاد یعنی میخوں والا کہا گیا۔ ۱۲

طاقتور اور مغرور قوموں کا نام ونشان مٹا دیا گیا۔ وہ قادرِ مطلق مجرموں سے غافل اور لاعلم نہیں ہوتا بلکہ وہ گھات اور تاک میں رہتا ہے کہ کب اور کس وقت ان کو عذاب سے تباہ کرے۔ یہ اس کی حکمت سے موقع کا انتظار اور مہلت ہوتی ہے۔ نہ کہ غفلت اس لیئے کسی مجرم کو خدا کے مقابلہ میں سرکشی اور بغاوت کا خیال بھی نہ لانا چاہیئے۔

یہ تاریخی واقعات اور قدرت خداوندی کے شواہد ایسے ہیں کہ ہر ایک کو اس ربِّ کائنات کی قدرت و عظمت پر ایمان لانا چاہیئے۔ مگر کیا کہا جائے انسان اپنی طبعی افتاد سے عجیب واقع ہوا ہے منعم کی نعمتوں کا شکر اور اطاعت تو درکنار عموماً یہی ہوتا ہے کہ بس جب بھی کسی انسان کو اس کے رب نے آزمایا پھر اس کو عزّت دی اور نعمتوں سے مالامال کر دیا تو کہنے لگا کہ میرے رب نے مجھے عزّت دی کیونکہ میں اسی لائق تھا اور اس کی طرف سے مجھے عزّت اور نعمتوں سے نوازنا میری خوبیوں کی وجہ سے تھا اور جب اس انسان کو ایک اور انداز سے آزمایا پھر اس پر اس کا رزق تنگ کر دیا تو کہنے لگا میرے رب نے مجھ کو ذلیل کر دیا۔ اور میری بے قدری کی اور میں اپنی خوبیوں اور اوصاف سے جن چیزوں کا مستحق تھا وہ مجھے نہیں دی گئیں تو یہ انسان بھی اپنی طبعی خصلت اور مزاج کے لحاظ سے عجیب واقع ہوا کہ خدا کے انعامات کو انعاماتِ خداوندی نہیں سمجھتا ہے اور جب شامتِ اعمال سے مصیبت و پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے تو بجائے عبرت اور توجہ کرنے کے شکوہ و ناراضگی کا رخ اختیار کرتا ہے اور بڑی بے حیائی سے کہتا ہے کہ میرے رب نے تو مجھے ذلیل کر دیا۔ اور پھر یہ نہیں سمجھتا کہ راحت وعزّت اور نعمت و مصیبت۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی عملی زندگی کا نتیجہ ہو۔ اس لیئے اے مخاطبو! تم اس حقیقت سے ہرگز غافل نہ بنو کہ دنیوی مصائب بسا اوقات انسان کے بُرے اعمال کی شامت ہوتے ہیں چنانچہ تمہاری عملی خرابیوں پر ہم متنبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں خبردار یہ نہیں کہ عزّت و راحت سے نکل کر مصیبت و ذلّت میں مبتلا ہونا خداوندِ عالم کی طرف سے کسی پر کوئی ظلم اور زیادتی ہے بلکہ تم خود ایسے ہو کہ یتیم کو عزّت سے نہیں رکھتے ہو۔ اور نہ تم ایک دوسرے کو مسکین و محتاج کو کھلانے کی تاکید و ترغیب کرتے ہو یہ تو کیا ہوتا کہ محتاجوں اور مسکینوں پر خرچ کرتے ان کو کھلاتے اور اس کے برعکس تم تو مردے کا مال سارا ہی سمیٹ کر کھا جاتے ہو، حلال و حرام حق و ناحق کی تمیز نہیں کرتے مرنے والوں کے وارثوں اور یتیم بچوں کا کوئی خیال نہیں کرتے بس جو ہاتھ لگا اس کو کھا گئے۔ اور حرص ولالچ کی کوئی انتہا نہ رہی یہاں تک کہ تم مال کی محبّت کرتے ہو جی بھر کر محبّت کرنا گویا اس کی محبت تمہارے دل کے رگ و ریشہ میں رچ گئی ہے۔ اس کی پرستش کو اپنا شیوہ بنالیا۔ مال کی اس قدر محبت کہ اس کو کعبۂ مقصود ٹھہرا لے، صرف کافر کا شیوہ ہوسکتا ہے۔ خبردار ایسے دھوکہ اور غلطی میں کسی انسان کو ہرگز مبتلا نہ ہونا چاہیئے۔ اس کو سوچنا چاہیئے جب زمین کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی۔ اور اے مخاطب آجائے گا تیرا پروردگار اپنی قہری تجلّی کے ساتھ جس طرح بھی اس کی شان کبریائی کے لائق ہو اور فرشتے بھی آجائیں گے قطار در قطار صف بستہ

عــہ: یہ الفاظ میرے محترم شیخ رحمۃ اللہ کے ہیں جو انہوں نے اپنے فوائد میں تحریر فرمائے۔ ۱۲

حکم خداوندی کے منتظر ہوں گے۔ میدان حشر ہوگا، تمام مخلوق اور فرشتے منتظر ہوں گے کہ فرمان الٰہی کیا صادر ہوتا ہے۔ اور لائی جائے گی جہنم[1] اس دن محشر والوں کے سامنے۔ لاکھوں فرشتے اس کی جگہ سے کھینچ کر محشر والوں کے سامنے لے آئیں گے تو اس دن یہ انسان سوچے گا کہ یہ کیا ہوا اور میں نے کس قدر سخت غلطی اور بھول کی کہ ساری زندگی غفلت اور نافرمانی میں گذار دی۔ مگر کہاں کام آئے گا اس کے واسطے اس وقت سوچنا۔ سوچنے اور سمجھنے کا جو موقع تھا وہ تو اس نے ضائع کر دیا۔ وہ دار العمل، دنیا کی زندگی تھی اب یہ تو دار الجزاء ہے۔ اس لئے جو موقع ہاتھ سے نکل چکا وہ کیونکر اس کو حاصل ہوگا۔ اس وجہ سے بڑی ہی حسرت سے کہتا ہوگا اے کاش میں پہلے سے کچھ بھیج دیتا اپنی زندگی کے لئے جو مجھے کچھ کام آجاتا۔ اصل زندگی تو یہی ہے دنیا کی زندگی تو اس حیات جاودانی کے لئے سامان مہیا کرنے کے لئے تھی جو میں نے ضائع کر ڈالی۔ تو بس یہ دن ہوگا ایسے شدید اور ہولناک عذاب کا کوئی عذاب دینے والا ایسا عذاب نہیں دیتا اور نہ ہی کوئی پکڑ سکتا ہے اس جیسی پکڑ کرنا۔

غرض یہ عذاب و ذلت اور گرفت ہر نافرمان انسان کے لئے ہے جو غفلت میں اپنی زندگی گذار دے اور نفس امارہ اس کو سرکشی اور ظلم و عدوان کے راستہ پر چلاتا رہے لیکن انسانی نفس میں جس نفس کو رضاء خداوندی اور اس کی اطاعت و بندگی پر آمادہ کر لیا گیا اور وہ اسی پر مطمئن ہوگیا۔ استقامت و پختگی سے اتباع حق کو اپنا شیوۂ زندگی بنالیا تو اس کے لئے بارگاہِ خداوندی سے ایسا اعزاز و اکرام ہوگا کہ کہا جائے گا اے نفس مطمئنہ[2] جو

[1] یہ تفسیر اس حدیث کے پیش نظر کی گئی جو صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔ بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس روز جہنم کو کھینچ کر لایا جائے گا۔ اس طرح کہ ستر ہزار زنجیروں میں جکڑی ہوگی اور ہر زنجیر پر ستر ہزار فرشتے اس کو گھسیٹ کر لاتے ہوں گے۔ قیامت اور احوالِ آخرت کا انسانی افکار و عقول ادراک نہیں کرسکتیں جبکہ ہماری نظروں میں نظر آنے والا کوئی ستارہ زمین کے کرہ سے کروڑ ہا کروڑ بڑا ہے تو ظاہر ہے کہ ملکوت سماوات کی وسعت کیا ہوگی۔ اور عالم جہنم کتنا وسیع عالم ہوگا۔ اور اس کا کھینچ کر لانا یا اس کا چلنا اور حرکت کرنا کیا باعث تعجب ہوسکتا ہے، چاند سورج اور مریخ یہ متحرک سیارے ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں تو خداوند عالم کی قدرت اس طرح اگر جہنم کو ایک مقام سے گھسیٹ کر کسی دوسرے مقام (محشر) تک لے آئے تو کیا تعجب ہے۔ آمنا باللہ العزیز وعلیٰ قدرتہ وما اخبر نابہ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[2] "نفس مطمئنہ" نفس کی ریاضت و تربیت کے بعد نفس کی اس حالت کا نام ہے جب کہ نہ وہ امارہ بالسوء رہے۔ جو اس کا مزاج اور طبعی خاصہ ہے کہ برائیوں پر آمادہ کرنا۔ اور نہ وہ لوامہ رہے جبکہ وہ دوران تربیت اگرچہ مطمئنہ کی شان تو حاصل نہیں کرتا لیکن اس قدر صلاحیت حاصل کرلیتا ہے کہ برائی کے ارتکاب کے بعد ملامت کرنے لگتا ہے۔ تو یہ درجہ آخری اور اعلیٰ ترین درجہ ہے جس کے بعد نفس رضائے الٰہی کا تابع اور طالب بن جاتا ہے۔ اب یہ نفس اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جو حدیث انس بن مالکؓ میں ہے۔ لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ۔ اور ثلث من کن فیہ وجد بھن حلاوۃ الایمان۔ ۱۲۔

اللہ کی بندگی پر راضی و مطمئن ہوا اور اسی کی رضا و خوشنودی کو اپنے لیئے سکون و چین بنا لیا۔ لوٹ جا تو اپنے رب کی طرف اس طرح کہ تو بھی خوش ہونے والا ہو اپنے رب کے انعامات پر اور تجھے پسند کیا جا رہا ہو۔ تیرے رب کی بارگاہ میں تیرے ایمان و عمل صالح کو قبول کرتے ہوئے۔ صرف اسی حد تک اعزاز و اکرام نہ ہو گا کہ یہ بشارت اپنے مرنے کے وقت سُن لے۔ جب کہ فرشتے اس کی روح قبض کر کے اُسے اس کے پروردگار کے پاس لیجا رہے ہوں جہاں سے وہ آیا تھا اور اب اپنی اصلی جگہ لوٹ کر جا رہا ہے۔ اسی وجہ سے اس کو خطاب لفظ ارجعی "یعنی لوٹ جا تو" سے کیا جاتا ہو گا اور اللہ کا جو مقرب بندہ اس مقام پر پہنچا ہو گا وہ بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مصداق ہو گا مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ ۔ بلکہ مزید برآں یہ بھی کہا جائے گا۔ پھر داخل ہو جا میرے مخصوص و مقرب بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔ جو فردوس اعلیٰ ہے۔ اور اللہ رب العزت نے اپنے ان بندوں کے واسطے اس کو مہیّا کر رکھا ہے۔ جن پر اس کا خصوصی انعام ہو گا۔ اور اس طرح یہ نفس مطمئنہ رکھنے والا مؤمن بندہ مطیع و مُنیب الی اللہ ہونے کی وجہ سے اسی گروہ میں شامل کر دیا جائے گا۔ جن کے بارہ میں ارشاد فرما دیا گیا فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔

قدیم اقوام میں اِرم ذات العماد کی تاریخی عظمت اور قہرِ خداوندی سے ہلاکت

اس آیت مبارکہ "اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ" میں حق تعالےٰ نے قوم عاد کے اس تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو اس عظیم اور طاقتور قوم کی ہلاکت و بربادی کا اہل عرب میں مشہور و معروف تھا۔ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ لفظ عاد سے بدل اور اس کا بیان ہے جو بطور تفسیر و توضیح لفظ عاد کے بعد ذکر فرمایا گیا۔ یہ قوم عادِ ارم کے عنوان سے معروف تھی۔ اور ان کو عاد اولیٰ بھی کہا جاتا تھا جیسا کہ وَ اَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى آیت میں گذر چکا۔ ارم ان کے جد اعلیٰ کا نام تھا۔ اور عرب میں قوموں اور قبیلوں کا انتساب جدّ اعلیٰ کی طرف مروج تھا یہ لوگ نہایت بلند قد و قامت والے تھے۔ مال و دولت کی فراوانی کی بھی حد نہ تھی۔ بلند ترین مکانات، قلعے اور محلات تعمیر کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو ذات العماد یعنی "ستونوں والے" کے لقب سے تاریخ میں تعبیر کیا گیا۔ یہ قوم اپنے بزرگوں کے مقابر بھی نہایت بلند اور عالیشان بنایا کرتے تھے ان کی عمارات اور شان شوکت کے آثار خود اپنی مثال تھے دیگر علاقوں اور شہروں میں اس کی مثال مشکل تھی تو اسی بناء پر ان کی حالت بیان کرتے ہوئے قرآن کریم نے "لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ" بھی فرمایا۔ تاریخی نقول سے معلوم ہوتا ہے کہ عاد دو فرقوں پر مشتمل قوم گذری ہے۔ ایک عاد اولیٰ جس کو عاد قدیم بھی کہا جاتا تھا۔ ان ہی کو اس مقام پر عاد ارم سے تعبیر کیا گیا۔ ان کے جدّ امجد

اِرم کے نام سے یہاں ایک خوبصورت شہر بھی تھا۔ جو عرب علاقوں میں بے مثال شہر ہوتا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ ملک یمن کے علاقہ حضرموت میں احقاف کی سرزمین میں رہا کرتے تھے۔ خداوندِ عالم کی دی ہوئی نعمتوں سے اس قدر مست ہوئے کہ حد نہ رہی، عیش و عشرت نفس پرستی اور بدکاری اپنا شیوہ بنالیا۔ ان ہی کی طرف حضرت ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے، جیسا کہ ارشاد ہے وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا لیکن جب نافرمانی اور سرکشی حد سے بڑھ گئی تو ہوا کا طوفان ان پر مسلّط ہوا اور ہلاک کر دیئے گئے بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ قوم حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد یمن میں آباد ہوئی۔ ان کا عروج اس حد تک پہنچا کہ عرب، مصر اور بعض دیگر ممالک پر بھی ان کی سلطنت ہوگئی۔ بدکاری اور عیاشی میں اس قدر بڑھ گئے کہ جانوروں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ انبیاء علیہم السلام نے ہر چند نصیحت کی لیکن راہ راست پر نہ آسکے حتیٰ کہ ہود علیہ السلام کا زمانہ آیا اور ان کی نافرمانی میں جب حد سے زیادہ غلو ہوا تو ہوا کے طوفان نے ان کو ہلاک کر ڈالا۔ اور عذاب الٰہی کا کوڑا جب ان پر برسنا شروع ہوا تو سلطنتیں بھی ختم ہوگئیں۔ تمام عیش و عشرت کے سامان بھی ہاتھ سے نکل گئے اور مصائب اور پریشانیوں میں اس قدر گھرے کہ شاید ہی دنیا میں کوئی قوم ایسے افلاس و مصائب کا شکار بنی ہو۔ عاد قدیم اور عاد اولیٰ سے پیچھے لوگوں کو عاد اخیرہ سے بھی تعبیر کیا گیا۔

حضرت العلامہ حقانی دہلوی قدس اللہ سرہٗ نے اپنی تفسیر میں ان تاریخی نقول کو بیان کرتے ہوئے فرمایا "مروی ہے کہ عاد کے دو بیٹے تھے۔ شدید اور شدّاد۔ یہ ملکوں پر قابض ہوئے۔ شدید مرگیا تو شدّاد اس کا قائم مقام ہوا۔ اس کے اقبال نے ترقی کی بڑے بڑے شہر اس کے مطیع ہو گئے۔ اس نے (انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں) جنّت کا ذکر سُنا تو کہا کہ میں بھی ایک ایسی بہشت تیار کرتا ہوں تب اس نے یمن کے بعض جنگلوں میں شہر ارم کی بنیاد ڈالی اور تین سو برس میں ایک شہر آباد ہوا جس میں سونے چاندی کے محل اور زبرجد کے ستون تھے۔ اقسام وانواع کے اس میں باغ لگائے، نہریں جاری کیں۔ یہ شہر جب بن کر تیار ہوگیا تو تمام ارکانِ سلطنت کو جمع کر کے اپنے ساتھ لے کر اس شہر کی طرف چلا (تاکہ اپنی تیار کی ہوئی بہشت کی سیر کرائے۔) شدّاد جب اپنی بہشت کے قریب پہنچا تو آسمان سے ایک ہیبت ناک کڑک آئی۔ اور اس نے سب کو ہلاک کر ڈالا۔ تاریخی نقول سے ظاہر ہوتا ہے (قوم عاد جس جسمانی لحاظ سے تنومند ڈیل ڈول میں مضبوط طویل القامت ہوتے تھے اسی طرح ان کی عمریں بھی طویل ہوتی تھیں اس بنا پر تاریخی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ) شدّاد نو سو برس تک زندہ رہا۔

یہ بھی ایک روایت بعض کتب تواریخ میں مذکور ہے (واللہ اعلم بالصواب) کہ حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنا گمشدہ اونٹ تلاش کرتے ہوئے اس جنگل میں جا نکلے جہاں شہر ارم تھا۔ وہاں ان کو کچھ جواہرات ملے جو اٹھالائے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ کو اس کی خبر ہوئی تو بلاکر وہاں کے احوال دریافت کیے اور سن کر یہی خیال ظاہر کیا کہ شاید یہ وہی کھنڈرات ہوں جہاں ارم شہر آباد تھا۔

(کذا فی تفسیر فتح المنان المعروف بہ تفسیر حقانی ۔ ج ۸)

عذابِ خداوندی کی عظمت و شدّت

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ کی تفسیر بالعموم مفسرین کے یہاں یہی کی جاتی ہے کہ ان الفاظ میں حق تعالیٰ شانہٗ نے روزِ قیامت مجرمین پر جو عذاب ہوگا۔ اس کی شدّت بیان کی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ قیامت کے روز جو عذاب اللہ ربّ العزّت مجرمین کو دے گا دنیا اور دنیا کی طاقت اس طرح کا شدید عذاب دے ہی نہیں سکتی یہ مفہوم تو واضح اور ظاہر ہے جس طرح آخرت کی نعمتوں اور راحتوں کے برابر دنیا کی کوئی راحت و نعمت نہیں ہوسکتی تو بالکل اسی طرح آخرت کی کلفت اور عذاب کی ہم پلہ کوئی اور کُلفت و عذاب نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح خدا کی قید اور گرفت بھی ہے لیکن حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہٗ ان کلمات کی تفسیر میں یہ فرماتے ہیں کہ اس روز نہ مارے گا اس کا سا مارنا کوئی نہ آگ نہ دوزخ کے مؤکل نہ سانپ بچھو جو دوزخ میں ہوں گے کیوں کہ ان کا مارنا اور دکھ دینا عذاب جسمانی ہے اور حق تعالےٰ کا عذاب اس طور سے ہوگا کہ مجرم کی رُوح کو حسرت اور ندامت میں گرفتار کر دے گا۔ جو عذابِ روحانی ہے اور ظاہر ہے کہ عذاب جسمانی کو عذاب روحانی سے کیا نسبت۔ نیز نہ باندھے گا اس جیسا باندھنا کوئی۔ کیونکہ دوزخ کے پیادے ہر چند کہ دوزخیوں کے گلے میں طوق ڈال دیں گے اور زنجیروں سے جکڑیں گے اور دوزخ کے دروازے بند کر کے اُوپر سے سرپوش رکھ دیں گے (جیسے کسی غار کو چٹان سے ڈھانک دیا جائے اور بند کر دیا جائے) لیکن اس کی عقل اور خیال کو تو بند نہ کر سکیں گے اور عقل اور خیال کی عادت ہے کہ بہت سی باتوں کی طرف التفات کرتا ہے۔ اور ان میں سے بعض باتیں بعض دوسری باتوں کے واسطے حجاب ہو جاتی ہیں اسی لیے عین قید کی تنگی میں انسان کو عقلی اور خیالی وسعت حاصل ہو جاتی ہے۔ برخلاف اس (مجرم) شخص کے کہ اللہ تعالےٰ اس کے خیال اور عقل کو اِدھر اُدھر جانے سے روک دے اور بالکل ہمہ تن دکھ اور درد ہی کی طرف متوجہ رکھے تو ایسی قید بدنی قید سے ہزاروں درجہ سخت ہے (اور ظاہر ہے کہ ایسی قید کسی کی طاقت میں نہیں۔ اس قید و گرفت میں بس اللہ ہی پکڑ کر سکتا ہے) اسی لیے مجنون سودائیوں کو عین باغوں اور جنگلوں کی سیر کے وقت بھی (باوجود باغوں کی شادابی اور جنگلوں کی وسعت کے) تنگی اور گھبراہٹ، وہم و خیال کے سبب پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ وہ باغ اور وسیع جنگل اس کی نظر میں تنگ معلوم ہوتے ہیں۔

(از فوائد شیخ الاسلام حضرت عثمانیؒ)

فائدہ شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ ازالۃ الخفاء میں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی نے آپ کی مجلس میں آیۃ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ تلاوت کی۔ اور اس مجلس میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے آپ نے فرمایا۔ اے ابُوبکرؓ! بوقتِ وفات فرشتہ تم سے یہی کہے گا اور يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ کہہ کر تمہیں مخاطب کرے گا۔

تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ ابن ابی حاتم سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جب وفات ہوئی تو ان کے جنازہ کی تیاری کے بعد ان کی نعش میں ایک ایسا عجیب الخلقت پرندہ داخل ہوا کہ اس جیسا کوئی پرندہ کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ اور اس کے بعد اس کو کسی نے نکلتے ہوئے بھی نہیں دیکھا جب جنازہ دفن کیا جانے لگا تو قبر کے ایک کنارہ سے سنائی دے رہا ہے، کوئی یہ آیت تلاوت کر رہا ہے۔ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً۔ اسی طرح ایک اور عجیب واقعہ بروایت حافظ ابن المنذرؒ بیان کیا، فتان بن رزین ابو ہاشم نے خود اپنا قصہ بتایا کہ ہم بلادِ روم میں ایک مرتبہ گرفتار کر لیئے گئے تھے تو وہاں کے نصرانی بادشاہ نے ہمیں عیسائی مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا۔ اور دھمکی دی کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو قتل کر دیئے جاؤ گے تو ہم میں سے تین آدمیوں نے تو بحالت اضطرار اپنی زبان سے یہ کہہ دیا لیکن چوتھا شخص عزیمت پر قائم رہا اور اس نے کلمۂ ارتداد اپنی زبان سے نہیں نکالا۔ جس پر اس کی گردن اُڑا دی گئی اور کسی نہر میں اس کا سر ڈال دیا گیا۔ عام طور پر مشاہدہ کیا گیا کہ وہ سر پانی پر نمودار ہو کر ان تینوں کو نام بنام پکار کر یہ آیت پڑھتا رہا پھر پانی میں ڈوب گیا۔ اس واقعہ سے بادشاہ کانپ اٹھا اور بہت سے نصاریٰ مسلمان ہو گئے۔

اَللّٰهُمَّ[عـہ] اجعلنی منهم اَللّٰهم اجعلنی منهم اَللّٰهم اجعلنی منهم بفضلك وكرمك آمین یا رب العٰلمین۔

اے پرورد گار عالم اس آیت مبارکہ کی برکت سے اس گنہگار کو بھی اپنے ان عباد مخلصین میں محض اپنے لطف و کرم سے شامل فرما لے جن کے واسطے تیرے فرشتے یہ پیغام بشارت لے کر آتے ہیں۔ اے ربّ العالمین آپ غفور رحیم اور عفو کریم ہیں۔ عَامِلْنِی بِمَا اَنْتَ اَهْلُهٗ وَلَا تُعَامِلْنِیْ بِمَا اَنَا اَهْلُهٗ اَنْتَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ یا ربّ یا ربّ یا ربّ۔

وَاِنْ تَطْرُدْ فَمَنْ یَّرْحَمْ سِوَاكَا اِنْ تَغْفِرْ فَاَنْتَ لِذَاكَا

فارحمنی یا مولای یا ارحم الرّاحمین وارحم لمن استغفر لی یا اکرم الاکرمین۔

آمین یا ذا الجلال والاکرام۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الفجر۔

عـہ۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں بروایت ابن عساکر ابو امامہؓ کی سند سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا یہ دعا مانگ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْۤ اَسْاَلُكَ نَفْسًا مُّطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَآئِكَ وَتَرْضٰى بِقَضَآئِكَ وَتَقْنَعُ بِعَطَآئِكَ۔ آمین برحمتك یا ارحم الرّاحمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُورَةُ البَلَدِ

سُورۃ البلد بھی مکی سُورت ہے، جس کی بیسؔ آیات ہیں۔ اس سورت کا موضوع بھی دیگر مکیؔ سورتوں کی طرح عقیدۂ توحید ایمان قیامت اور جزاء وسزا کو ثابت کرنا ہے۔ اور یہ کہ انسانوں کے دو گروہ ابرار و اخیار اور فساق و فجار مختلف گروہ ہیں۔ ہر ایک کے اعمال اور اطوار جُدا جُدا ہیں۔ ایک گروہ سعادت و نجات کی طرف جارہا ہے تو دوسرا گروہ ہلاکت اور عذاب میں اپنے آپ کو مبتلا کر رہا ہے۔

سُورۃ کی ابتداء سرزمین حرم کی قسم سے کی گئی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد وطن ہے وہیں سے وحی کی ابتدا ہوئی۔ اور ہدایت اور روحانیت کے فیوض و برکات عالم میں اسی سرزمین سے پھیلے۔

ہدایت وسعادت کی دعوت تو انسانی زندگی کے لیئے بہت ہی بڑی نعمت تھی۔ اس دعوت کو تو چاہیئے تھا کہ اہلِ مکہ قبول کرتے اور اس کے حاصل کرنے کے لیئے دوڑتے۔ مگر ان کی بدنصیبی کہ اس سے انحراف کیا اور رسولِ خدا کے ساتھ دشمنی اور مقابلہ شروع کر دیا۔ اسی مناسبت سے دنیا میں انسانوں کی دو گروہوں کی تقسیم فرما دی گئی۔ اور قانون جزاء وسزا کا بھی ذکر فرمایا گیا۔

آیاتها ۲۰	۹۰ = سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ = ۳۵	رکوعها ۱

سورۃ بلد مکی ہے ۔ اس کی بیس آیتیں ہیں ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

لَآ أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۱﴾ وَأَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۲﴾

قسم کھاتا ہوں اس شہر کی ۔ اور تجھ کو قید نہ رہے گی اس شہر میں ۔

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ﴿۴﴾

اور جنتے کی اور جو جنا ۔ ہم نے آدمی بنایا محنت میں ۔

أَيَحْسَبُ أَن لَّن يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ﴿٥﴾ يَقُولُ أَهْلَكْتُ

کیا خیال رکھتا ہے کہ اس پر بس نہ چلے گا کسی کا ؟ کہتا ہے میں نے کھپایا

مَالًا لُّبَدًا ﴿٦﴾ أَيَحْسَبُ أَن لَّمْ يَرَهُ أَحَدٌ ﴿٧﴾ أَلَمْ نَجْعَل

مال ڈھیروں - کیا خیال رکھتا ہے کہ دیکھا نہیں اس کو کسی نے - بھلا ہم نے نہیں دیں

لَّهُ عَيْنَيْنِ ﴿٨﴾ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ﴿٩﴾ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ﴿١٠﴾

اس کو دو آنکھیں - اور زبان اور دو ہونٹ - اور سوجھا دیں اس کو دو گھاٹیاں۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿١١﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾ فَكُّ

سو نہ ہمک سکا گھاٹی پر - اور تو کیسا بوجھا کیا ہے وہ گھاٹی - چھڑانا

رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾ يَتِيمًا ذَا

گردن کا - یا کھلانا بھوک کے دن میں - بن باپ کے لڑکے کو

مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ

جو ناتے دار ہے - یا محتاج کو جو خاک میں رُلتا ہے - پھر ہوا ایمان

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾

والوں میں ، جو تقید کرتے ہیں سہارنے کا ، اور تقید کرتے ہیں رحم کھانے کا۔

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا

وہ لوگ ہیں بڑے نصیب والے - اور جو منکر ہوئے ہماری آیتوں سے،

هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ﴿١٩﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ

وہ ہیں کم بختی والے - انہی کو آگ میں



مُّؤْصَدَةٌ ﴿٢٠﴾

موندا ہے۔

انقسام عمل درخیر و شر مع بیان عظمت مہبط وحی و سرچشمۂ ہدایت

قال اللہ تعالیٰ۔ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۔۔۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔۔۔ ۔ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ

(ربط) سورۃ الفجر میں پانچ اہم اور عظیم اُمور کی قسم کھاکر ہر صاحبِ عقل اور فہم کو اس امر کی دعوت دی گئی تھی کہ وہ عقل اور فطرت کی روشنی میں خداوندِ عالم کی عظمت و قدرت کو پہچانے اس کی خالقیت و ربوبیّت پر ایمان لائے۔ یہی چیز انسان کو فلاح وسعادت کے مقام تک پہنچانے والی ہے۔ اور جو قومیں عقل و فطرت کی ان صلاحیتوں کو ضائع کرکے سرکشی اور نافرمانی پر ڈٹی رہیں جیسے قوم عاد و ثمود اور فرعون تو تاریخ میں ان کا عبرت ناک انجام بھی دنیا کے سامنے آچکا۔ تو اس سورت میں سرزمین مکّہ مکرمہ کی قسم کھا کر اس کی عظمتوں کو اس طرح مخاطب کے سامنے ظاہر کرتے ہوئے عمل کی تقسیم خیر و شر کی طرف کی جا رہی ہے۔ اور یہ کہ اسی طرح انسانوں کے گروہ بھی ان دو قسموں میں منقسم ہیں ایک گروہ ابرار و نیکو کاروں کا اور دوسرا نافرمان اور فاجروں کا۔ اس ضمن میں انسانی عقول کو حق و ہدایت کی رہنمائی اور ترغیب فرمائی گئی اور ہلاکت و شر سے بچنے کی تنبیہ کی گئی۔

ارشاد فرمایا۔ قسم کھاتا ہوں میں اس شہر مکہ معظمہ کی۔ اور آپؐ کے لیئے حلت و آزادی ہوگی اس شہر میں جب کہ اس شہر میں کسی کو قتال کی اجازت نہیں مگر فتح مکّہ کے وقت یہ آپؐ کے لیئے حلال کر دیا جائے گا۔ جیسے کہ حدیث میں ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے فتح مکّہ اور اس وقت کے مقابلہ اور قتال ہی کا ذکر کرتے ہوئے۔ انّها لم تحلّ لاحدٍ قبلی و لن تحلّ لاَحَدٍ بعدی و انّما اُحلّت لی سَاعتہً مِنْ نَہارٍ کہ یہ شہر مکّہ اور حرم مجھ سے پہلے نہ کسی کے لیئے کبھی حلال ہوا اور نہ ہی ہمارے بعد کسی کے لیئے حلال ہوگا اور میرے واسطے صرف دن کے ایک حصّہ میں حلال کیا گیا جس میں قتال بھی کیا گیا اور پھر مجرمین کو اسی جگہ اور حدودِ حرم میں سزا بھی دی گئی۔ حتیٰ کہ کسی مجرم کو دیوار کعبہ کے پاس قتل کیا گیا تاکہ اس مقدس مقام کی ابدی تطہیر ہو جائے یا یہ کہ آپ اس شہر میں اُترنے والے ہیں۔ اور حِل بمعنی حال نازل ہو۔ یعنی اگرچہ اس وقت یعنی مکّی زندگی میں اہلِ مکّہ کی طرف سے اے پیغمبر آپ ہر قسم کی تکلیف و مشقت اور مصائب میں گھرے ہوئے ہیں لیکن آپ اسی شہر میں جس کو چھوڑ کر ہجرت بھی کرنا پڑے گی خدا کی قدرت اور اس کے فضل و کرم سے فاتحانہ انداز میں اُتریں گے جیسے کوئی معزز مہمان کسی جگہ عزت کے ساتھ اُتارا جائے۔ چنانچہ یہ وعدۂ الٰہی جو مکّی زندگی میں اس وقت کیا گیا جب کہ مادی اسباب میں کوئی تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ۸ھ ہجری میں فتح مکہ

کی صورت میں رونما ہوا۔ آپ کعبۃ اللہ کے سامنے کھڑے تھے اور سرداران عرب سرنگوں معافی مانگتے ہوئے آپ کے سامنے حاضر ہو رہے تھے اور آپ ان کو معاف فرماتے جاتے۔ اور قسم ہے باپ کی اور اولاد کی یعنی آدمؑ اور اولاد آدم کی۔ بے شک ہم نے انسان کو بڑی ہی مشقت میں پیدا کیا۔ ابتداء آفرینش سے لے کر عمر بھر کے تمام مرحلے مشقتوں اور طرح طرح کے افکار و آلام اور مصائب میں گزرتے ہیں جن سے ہر ذی عقل یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ ہر انسان عاجز محض ہے اور اس کی زندگی میں پیش آنے والے تغیرات کسی قادر مطلق کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اور اس کا فطری تقاضا یہی تھا کہ ہر انسان اپنے خالق کا مطیع و فرمانبردار ہوتا۔ لیکن نافرمان۔ وکافر انسان بڑی غلطی میں پڑا ہوا ہے کہ وہ اس چیز سے غافل ہے کہ قیامت اور جزاء وسزا کا مرحلہ آنے والا ہے۔ تو کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کو قدرت نہ ہوگی۔ پکڑ کی

علہ ، سورۃ الفجر کے مضمون سے اس سورت کے مضمون کی مناسبت ایک وجہ سے اس طرح بھی سمجھی جا سکتی ہے کہ سورۂ فجر میں عاد و ثمود اور قوم فرعون کی ہلاکت کا ذکر تھا کہ ان پر کس طرح خدا کا عذاب نازل ہوا اب اس مناسبت سے سورۃ البلد میں مکہ مکرمہ کی عظمت بیان کر کے یہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جس کو اللہ نے امن کی جگہ بنایا حتیٰ کہ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا اور اس سرزمین کے گھانس اور درختوں کے کاٹنے سے بھی منع کر دیا گیا۔ جانوروں کا شکار بھی حرام کر دیا گیا۔ اس طرح یہ شہران مقامات کے قطعاً برعکس ہوا وہ علاقے محل عذاب تھے، یہ امن و عافیت کی جگہ۔ حتیٰ کہ اس جگہ کے مجرمین بھی عذاب خداوندی سے محفوظ کر دیئے گئے جیسا کہ فرمایا گیا۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ ۱۲۔

علہ: حسن بصریؒ۔ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ کی تفسیر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے حرم مکہ کی حلت کا مفہوم بیان فرمایا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے یہ وہی بات ہے جو حدیث بخاری اور مسلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا اِنَّ هٰذا البلد حرّمه الله يَوْمَ خَلَقَ السمٰوٰت وَ الارض فهو حرام الى يوم القيٰمة لا يعضد شجرة ولا يختلى خلاه وانما احلت لى ساعة من نهار وقد عادت حرمتها اليوم كحرمتها بالامس۔ الا فليبلغ الشاهد الغائب۔ ان آیات میں مکہ مکرمہ کی قسم کھانے کے بعد وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ کی قسم کھائی گئی۔ جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے کہ والد سے مراد آدم علیہ السلام اور ولد سے ان کی ذریت اور اولاد آدم ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت کی قسم کھانا گویا آدم علیہ السلام کی عظمت اور ان کی خلافت فی الارض کی طرف اشارہ ہے اور ذریت کی قسم کھانا گویا تاریخ عالم میں انسانوں کے احوال ان کے ادوار، ان کے اعمال و اخلاق اور ان کے عادات وطبائع کے عظیم تر تفاوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہر مخاطب کی نظروں کے سامنے عالم انسانیت کا پورا نقشہ پیش کر دیا اور ظاہر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

اور اس کے کفر و نا فرمانی پر سزا دینے کی۔ یہ انسان کہتا ہے کہ میں نے بہت سا مال خرچ کر دیا ہے۔ جیسا کہ کفارِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف اپنی دولت خرچ کر کے کہتے۔ یا یہ انسان وہ ہے جو اپنے واسطے محفوظ مکانات کی تعمیر میں خادموں، محافظوں کی تنخواہوں، اپنے خاندان کے لوگوں پر انعام و اکرام اور امداد و اعانت میں۔ راحت و آرام اور عیش و عشرت کے اسباب مہیا کرنے میں خرچ کر کے کہتا ہے میں نے تو بہت سا مال خرچ کر ڈالا ہے تو اب ان محفوظ قلعوں اور اس قدر محافظین اور جانثار فوج اور خادموں کے ہوتے ہوئے مجھے کون پکڑ سکتا ہے۔ اور کون ہے جو مجھے کسی مصیبت و پریشانی میں ڈال سکے۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں مجھے اس کی سزا کوئی نہیں دے سکتا۔ لیکن اس انسان کا یہ سوچنا اور کہنا قطعاً غلط ہے۔ اس کے یہ تمام وسائل و اسباب ہرگز ہرگز خداوند عالم کی گرفت اور اس کے عذاب سے نہیں بچا سکتے وہ قادر مطلق ہے۔ ہر چیز اس کے علم میں ہے۔ اس کے احاطۂ قدرت اور علم سے کوئی نہیں نکل سکتا۔ کیا اس کا یہ گمان ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا۔ اور اس کے اعمال کسی قادر مطلق کی نظروں کے سامنے نہیں۔ یہ بات بھی قطعاً عقل و شعور کے خلاف ہے۔ بھلا کیا نہیں دی ہیں اس کو دو آنکھیں ؏ جس سے یہ سب کچھ دیکھتا ہے۔ اور کیا ہم نے

؏۔ حافظ ابن کثیر دمشقیؒ نے اپنی تفسیر میں بروایت ابن عساکر مکحول کی سند سے یہ روایت ذکر کی ہے۔ بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ رب العزت فرماتا ہے، اے ابن آدم میں نے تجھ پر بڑے عظیم انعامات کیئے ہیں جن کی کوئی حد وانتہا نہیں۔ میرے عظیم تر انعامات میں سے یہ ہے کہ میں نے تجھے دو آنکھیں دی ہیں جن سے تو دیکھتا ہے اور ان پر ایک پردہ بھی بنا دیا ہے تو ان آنکھوں سے تو وہ چیز دیکھ جو تیرے واسطے حلال ہے۔ اور اگر تیری نگاہیں ایسی چیز پر پڑیں جو میں نے تجھ پر حرام کر دیں تو اپنی آنکھیں اس پردہ سے بند کر لے اور تجھے زبان دی اور اس کے واسطے ایک غلاف بنا دیا (یعنی دہن اور ہونٹ) اس لیئے اس زبان سے تو وہ چیز بول جو تیرے لیئے حلال ہے۔ اور جس چیز کا زبان سے بولنا میں نے حرام کر دیا ہے تو اس بے زبان کو اپنے دہن میں بند رکھ۔ الیٰ آخر الحدیث۔

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ۔ لغت میں النجد طریقہ اور راستہ کو کہا جاتا ہے۔ تو نجدین سے دونوں قسم کے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(باقی حاشیہ ص۴۵۵) ہے کہ عظمتِ خداوندی کا اس طرح ثبوت کلیۃً بہم پہنچ رہا ہے۔

مجاہدؒ اور حسن بصریؒ سے منقول ہے۔ فرمایا رب العزت نے لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ اس شہر کی قسم کھائی جو ام القریٰ اور ام المساکن یعنی انہی جگہوں میں سب سے پہلی جگہ (جیسا کہ ارشاد ہے اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا) تو اس کے بعد مناسب ہوا کہ دنیا کے ساکنین میں اس ساکن کی قسم کھائی جائے جو سب سے اول اور اصل ہے زمین پر تمام آباد ہونے والوں کی۔ وہ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ۱۲۔

نہیں بنائی ہے اس کی زبان اور دو ہونٹ جن سے یہ دن رات بولتا ہے اور خدا کی پیدا کی ہوئی نعمتیں کھا رہا ہے۔ اور کیا ہم نے اس کو نہیں دکھلا دیں دو گھاٹیاں اور رہنمائی نہیں کر دی ہے دونوں راستوں خیر اور شر کی کہ عقلی اور فکری صلاحیت سے سمجھ سکتا ہے کہ کیا چیز خیر ہے اور کیا چیز شر ہے۔ کون سی بات مفید ہے اور کون سی مضر۔ تو جو رب العالمین اس انسان کو دو آنکھیں عطا کرنے والا ہے اور ہر جاندار مخلوق کو اس نے بینائی دی ہے کیا وہ اس انسان اور اس کے اعمال و اطوار کو نہیں دیکھ رہا ہوگا۔ جو رب ساری دنیا کو بینائی دے وہ خود کچھ نہ دیکھ سکے گا یہ تصور کوئی پاگل انسان ہی اپنے دماغ میں قائم کر سکتا ہے۔ پھر جس خالق حکیم نے اپنی قدرت و حکمت سے انسان میں ان تمام چیزوں کا اس کی زبان اس کے دو ہونٹ اور تمام ہیکل جسمانی مع اپنی تمام خوبیوں اور حکمتوں کے پھر اس نے عقل و شعور کی صلاحیت دی ہو جس کے ذریعہ انسان ہر خیر و شر کو پہچان سکتا ہے اس کی قدرت اور عظمت سے کوئی انکار کر سکتا ہے؟ اور اس قادر مطلق کی گرفت سے یہ نافرمان انسان کیسے بچ سکتا ہے۔

یا یہ کہیے کہ جب اس پروردگار نے اس انسان کو آنکھیں دی ہیں تو اس کو چاہیئے تھا آنکھوں سے اللہ کی قدرت کے مناظر اور دلائل دیکھتا زبان دی تھی، اس کو چاہیئے تھا کہ کسی سے پوچھ لیتا۔ کسی کی زبان میں اگر گویائی نہ ہو تو گونگوں کی طرح ہونٹوں کے اشارہ سے بات کرنا اور معلوم کرنا ممکن تھا۔ پھر عقل دی اور خیر و شر ہدایت و ضلالت اور حق و باطل دلائل کی روشنی میں واضح کر دیئے تو شر سے بچ کر خیر کا راستہ اختیار کر سکتا تھا۔ گمراہی اور باطل سے بیزار ہو کر حق قبول کر سکتا تھا۔ مگر افسوس صد افسوس! ان تمام باتوں کے باوجود یہ انسان جب گمراہی پر ڈٹا رہا۔ نافرمانی اور فسق و فجور کے سوا زندگی میں کوئی کام ہی نہ کیا تو اب اس کے بعد کیسے عذاب خداوندی اور اس کی گرفت سے بچے گا۔ خدا کی عطا کی ہوئی ان نعمتوں اور صلاحیتوں سے تو اس کو چاہیئے تھا کہ اس کا مطیع و فرمانبردار ہوتا۔ جب یہ سب اس کو بارگاہ رب العزت سے

(باقی حاشیہ صفحہ) راستے ہوئے خیر و شر کے۔ چنانچہ سفیان ثوریؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے یہی تفسیر کی ہے۔ حضرت علیؓ، ابن عباسؓ مجاہدؒ عکرمہؒ اور عطاء خراسانیؒ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ ابن وہبؒ نے بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے، اے لوگو! یہ دو راستے ہیں (جن کو قرآن النجدین فرما رہا ہے) کہ انسان کو چاہیئے کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر عقل و شعور سے سمجھ کر یا کسی سے پوچھ کر خیر و فلاح ہی کا راستہ اختیار کرے۔ بعض مفسرین نے عورت کے دونوں پستان بھی مراد لیئے ہیں فَكُّ رَقَبَةٍ۔ رقبہ گردن کو کہتے ہیں اور فک کسی گرفت کو کھولنا اس میں ہر پریشان اور گرفتار مصیبت شخص کو مصائب کی گرفت سے چھڑانا بھی داخل ہے جیسے کسی غلام کو غلامی سے رہا کرانے میں حصہ لینا یا پورے طور پر اعتاق رقبہ یعنی اس کو آزاد کر دینا جب کہ وہ اسی کا مملوک ہے۔ ۱۲۔ روح المعانی ج ۴۷

ملا تھا تو پھر کیوں نہ گھس پڑا گھاٹی میں ایسی گھاٹی جس میں ہر طرح کی آفت و مصیبت سے حفاظت ہو سعادت و فلاح کے خزائن وہاں حاصل ہو سکیں۔ اور اے مخاطب تجھے خبر بھی ہے ؟ کہ کیا ہے وہ عقبہ (گھاٹی)؟ وہ چھڑانا ہے کسی گردن کا غلامی یا کسی بھی بوجھ اور گرفت سے یا کھانا کھلانا ہے کسی بھوک کے دن یتیم کو بالخصوص جو قرابت والا ہو۔ یا کسی محتاج کو جو اپنے فقر و احتیاج کے باعث خاک میں رُل رہا ہو اور فقر و تنگدستی سے خاک میں لوٹ رہا ہو۔ درحقیقت خرچ کے تو یہ مواقع ہیں، اس انسان کو چاہیئے تھا کہ ایسے مواقع میں اپنے مال کو خرچ کرتا۔ اور ان ہی مصارف میں مال کا خرچ کرنا سعادت اور فوز و فلاح کی منزل تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ اور یہی وہ گھاٹی ہے جس میں گھس کر انسان امن و عافیت اور دنیا کے ہر فتنہ اور مصیبت سے تحفظ حاصل کر سکتا ہے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے محض ان مکارم اخلاق اور یتیموں مسکینوں کی اعانت و ہمدردی سے فلاح و کامیابی نہیں حاصل ہوتی بلکہ چاہیئے کہ وہ ہو جائے ایمان والوں میں سے۔ اور ایمان و تقویٰ اور عمل صالح خداوند قدوس کی عبادت و بندگی کے ساتھ ان لوگوں میں ہو جائے جو ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں صبر کی اور ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں مہربانی کرنے کی کہ حقوق و فرائض ادا کرنے میں صبر و تحمل اور استقامت اختیار کریں۔ اور اس راہ میں اپنے نفس کی شہوات اور لذتوں پر قابو پانے کی کوشش کریں اور خدا کی مخلوق پر مہربانی اور رحم کرنیکی تاکید کریں۔ کیونکہ یہی راستہ یعنی ایمان و عمل صالح اور مخلوق خدا پر رحم کرنا آسمان و زمین کے قیام و بقاء کا ذریعہ ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السَّمَآءِ کہ (زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا) تو بس یہی لوگ ہیں بڑے نصیب والے اور کامیاب ان ہی کے نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔

اور اس کے برعکس جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہوئے اور نافرمانی اختیار کر لی وہ بدبختی والے ہیں۔ ان کی نحوست شامت اعمال ان کو ہرگز نہ بخش سکے گی۔ یہاں تک کہ ان ہی پر ایک آگ ہوگی جو ڈھانک دی گئی ہو گی جیسے کسی ڈھکنے یا سرپوش سے کوئی چیز بند کر دی جائے اور اس کو ڈھانک دیا جائے کہ اس کے بعد نہ اس کی بھاپ اور شعلے نکل کر کم ہو سکیں گے اور نہ ہی باہر کی کوئی ہوا یا کوئی چیز اس میں داخل ہو کر اس کی شدت اور لپیٹ کو کم کر سکے گی یا یہ کہ جہنم کے تمام دروازے بند کیئے ہوئے ہوں گے تو یہ کیونکر ممکن ہو گا کوئی مجرم اس میں سے نکل بھاگنے کا تصور کر سکے۔

فائدہ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوْا یعنی بایں ہمہ اور مذکورہ بالا اوصاف سے متصف ہونے کے علاوہ پھر یہ بھی ہو کہ وہ ایمان والوں میں سے ہو۔ تو لفظ ثُمَّ اس مقام

ع۔ اقتحام لغت میں کہا جاتا ہے کسی تنگ جگہ میں داخل ہو جانے کو یا تیزی سے کسی مکان میں گھس جانے کو تو اس لفظ کو قرآن کریم نے استعمال کر کے یہ اشارہ کر دیا کہ درحقیقت یہ وادی اور گھاٹی امن و عافیت کی ایسی ہے جس میں انسان کو چاہیئے کہ بڑی ہی تیزی اور قوت کے ساتھ داخل ہو جائے۔ اگر خارج میں موانع پیش آ رہے ہوں تو پوری قوت سے ان کی مزاحمت کرتا ہوا اندر داخل ہو جائے۔

یہ محض تراخی ذکری کے لیئے ہے جو اہلِ عربیہ کے یہاں متعدد امُور کے ذکر کے بعد کوئی مضمون بیان کرنے کے لیئے لایا جاتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ تراخی وقوعی کے لیئے ہے یعنی اگر کسی شخص کافر نے اپنی کفر کی زندگی میں اعمال خیر کیئے، صدقہ، صلہ رحمی وغیرہ کیئے تو یہ اعمال قابلِ قبول اور باعثِ رضاء خداوند اس وقت ہیں جب کہ وہ شخص ایمان لے آئے۔ چنانچہ حکیم بن حزامؓ نے اسلام لانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے حالت کفر میں کچھ نیک کام کیئے ہیں؟ کیا وہ قبول ہوں گے یا نہیں آپ نے فرمایا اَسْلَمْتَ عَلٰی مَا اَسْلَفْتَ مِنْ خَیْرٍ کہ تم ان تمام نیکیوں کے ساتھ ایمان لائے ہو جو تم پہلے کر چکے۔ ہم نے ترجمہ آیت کے درمیان اضافے کیئے ہوئے الفاظ میں ان دونوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

تواصی بالصّبر انفرادی اور اجتماعی فلاح کا باعث ہے

صبر کا مفہوم ضبط نفس ہے۔ جو استقامت اور پابندی کے معنیٰ کو متضمن ہے۔ نفس کو خواہشات سے روکنا اور فرائض دین کا پابند بنانا اتباع شریعت کی روح ہے۔ لفظ صبر کا استعمال علیٰ اور عن دونوں صلوں کے ساتھ کلام میں پایا گیا۔ ائمہ لغت فرماتے ہیں علیٰ کے ساتھ استعمال کسی چیز پر پختگی استقامت اور دوام ہوتا ہے یا کسی چیز کو برداشت کرنا مثلاً کہا جائے۔ صبرت علی الفرائض یعنی میں نے فرائض کی پابندی کی اور کہا جاتا ہے فلان صبر علی البلا یا کہ فلاں شخص نے مصائب و تکالیف کا تحمل کیا۔ اور عن کے ساتھ استعمال مثلاً صبرت عن المعاصی تو مراد یہ ہوگی کہ گناہوں اور نافرمانیوں سے صبر اور پرہیز کیا۔ صبرت عن الشہوات یعنی نفس کی خواہشات سے بچا۔ تو اس طرح صبر کی عملی شکل انسانی حیات میں فرائض کی پابندی مشقتوں کی برداشت، گناہوں سے پرہیز اور خواہشات نفس سے اجتناب کی صورت میں رونما ہوگی اور ظاہر ہے کہ انسان کی عملی زندگی میں ان چار پہلوؤں کی تکمیل کمالِ سعادت اور ایمانی زندگی کا پیکر ہے اور ان بنیادی عملی پہلوؤں کی دوسروں کو تلقین اصلاح معاشرہ کی ضامن اور اجتماعی زندگی کو اعلیٰ و ارفع بنانے والی ہے۔ صبر و حلم اللہ رب العالمین کی نظر میں بڑا ہی محمود وصف ہے۔ ارشاد ہے وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ کہیں اس کو انبیاء علیہم السلام کا خلق عظیم ہونے کی حیثیت سے بیان کیا۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔

اصل یہ ہے کہ انسان کو ہلاکت میں ڈالنے والی دو چیزیں ہیں ایک قوت غضبیہ، دوسری قوت شہویہ۔ ان دونوں کا غلبہ انسان کو فسق و فجور اور شہوات و بدامنی سفک دماء ظلم و عدوان جیسی باتوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ وصف صبر سے ان دونوں قوتوں کو انسان اپنے ضبط اور قابو میں لا سکے گا۔ اور اس طرح جو بھی بے راہ روی اور سرکشی انسان کی عملی زندگی میں واقع ہوتی ہے اس سے محفوظ رہے گا۔ ساتھ ہی

شدائد و تکالیف کا تحمل اور احکام دین پر استقامت و پابندی اس کو مزید کمال و عظمت کی منزل تک پہنچانے والی ہوگی۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ البلد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الشمس

سورۃ الشمس بھی مکی سورت ہے۔ جس کی پندرہ آیات ہیں۔ اس سورت میں خاص طور پر ایک تو انسان کے نفس اور اس کے تقاضوں کے متعلق خالق کائنات نے ایسی بنیادی باتیں ذکر فرمائی ہیں جن کو محسوس کر کے انسان نفس کے فریب اور اس کی شہوتوں میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ دوسری اہم بات ذکر فرمائی گئی کہ انسان کی فطرت میں خیر و شر اور ہدایت و ضلالت کی استعداد رکھی گئی ہے لیکن یہ اس کے شعور اور فکر پر موقوف ہے کہ خیر و شر میں سے کس پہلو کو اختیار کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اختیار کرنا خود انسان کا اپنا عمل اور اسی کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اس بناء پر اصولاً یہ درست ہے کہ خیر اور نیکی پر اجر و ثواب اور نجات کا مستحق ہو اور شر پر عذاب و ہلاکت کا۔ دنیا کے انسان ان ہی دو راستوں پر چل رہے ہیں۔ اس ذیل میں قوم ثمود اور ناقۂ صالحؑ کا بھی ذکر فرما دیا گیا۔ تاکہ ایک قدیم تاریخ کے حوالہ سے یہ ظاہر ہو جائے کہ خُدا کے پیغمبر کے مقابلہ میں سرکشی اور نافرمانی سے کس طرح یہ عظیم قوم تباہ ہوئی اور آج کی تاریخ میں اس کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔

ایاتہا ۱۵ ۔ ۹۱ سورۃ الشمس مکیۃ ۲۶ ۔ رکوعہا ۱

سورۂ شمس مکی ہے۔ اس میں پندرہ آیتیں ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا

قسم ہے سورج کی اور اُسکی دھوپ چڑھنے کی۔ اور چاند کی جب آوے اسکے پیچھے۔ اور دن کی جب

جَلّٰىهَا ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ۝۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۝۵

اسکو روشن کرے ۔ اور رات کی، جب اُسکو ڈھانک لیوے ۔ اور آسمان کی، اور جیسا اُسکو بنایا ۔

وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ۝۶ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا

اور زمین کی اور جیسا اُسکو پھیلایا ۔ اور جی کی جیسا اُسکو ٹھیک بنایا ۔ پھر سمجھ دی اُسکو

فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝۸ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹ وَقَدْ

ڈھٹائی کی اور بچ چلنے کی ۔ مراد کو پہنچا جس نے اس کو سنوارا ۔ اور نامراد ہوا،

خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝۱۰ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝۱۱ اِذِ

جس نے اس کو خاک میں ملایا ۔ جھٹلایا ثمود نے اپنی شرارت سے ۔ جب

انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝۱۲ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ

اٹھ کھڑا ہوا ان میں بڑا بدبخت ۔ پھر کہا ان کو اللہ کے رسول نے خبردار ہو اللہ کی اونٹنی سے

وَسُقْيٰهَا ۝۱۳ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ۬ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ

اور اُسکے پینے کی باری سے ۔ پھر انہوں نے اس کو جھٹلایا ، پھر وہ کاٹ ڈالی پھر اُلٹ مارا

رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝۱۴ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝۱۵

ان پر ان کے رب نے ان کے گناہ سے، پھر برابر کر دیا ۔ اور وہ نہیں ڈرتا کہ پیچھا کریں گے ۔

استعداد خیر و شر در طبیعت بشریہ و معیار سعادت و شقاوت

قال اللہ تعالیٰ ۔ وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا

(ربط) گزشتہ سورت میں انسانی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا تھا کہ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۔ یعنی انسان کو دونوں راستے دکھا دیئے خیر کا راستہ بھی اور شر کا بھی ہدایت بھی اور گمراہی بھی اور اس پر تاکید و

ترغیب دی گئی کہ انسان سعادت اور نجات کی گھاٹی اختیار کرلے۔ تو اس مناسبت سے اب اس سورۃ والشمس میں یہ ظاہر فرمایا جارہا ہے کہ انسان اپنی فطرت اور جبلت کے لحاظ سے خیر و شر ہر دو کی استعداد رکھتا ہے اور یہ کہ نفس انسانی جب ان دونوں صلاحیتوں کا حامل ہے تو ضروری ہے کہ اس نفس کو عملی راستہ پر ڈالنے اور چلانے والی طاقت یعنی اس کی عقل خیر کی طرف اس کا رُخ کرے اس کو ہر گندگی سے پاک رکھتے ہوئے فلاح و سعادت کی منزل تک پہنچ جائے۔ اس کے برعکس اگر انسان کی قوتِ عاقلہ گمراہی کی ظلمتوں سے اندھی ہو کر شر کا راستہ اختیار کرلے تو اس کا انجام نفس انسانی کو گندگی میں آلودہ کرنا۔ اور سعادت و فلاح سے محروم کرکے نفس کو ہلاکت و تباہی میں ڈالنا ہوگا تو فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَ تَقْوٰهَا، اور قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اسی مقصد کو واضح اور ثابت کرنے کے لئے اس مقام پر حق تعالےٰ نے سات چیزوں کی قسم کھائی جو بالترتیب لفظ وَالشَّمْسِ سے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا تک مذکور ہیں۔ اور یہ اس طرح ثابت کیا گیا کہ حیات دنیوی کیلئے جس طرح سورج اور اسکی روشنی ضروری ہے دن کی روشنی اور رات کی تاریکی اپنے تناوب و تعاقب سے نظام حیات کے سلسلہ کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ بالکل اسی طرح خیر کی راہنمائی اور انسان کی روحانی زندگی کا نظام آفتاب نبوت کے بغیر ممکن نہیں ہے جس طرح سورج کی روشنی میں انسان سیاہ و سپید اور نافع و مضر کا امتیاز کرسکتا ہے اسی طرح تعلیمات نبویہ سے انسان خیر و شر اور سعادت و شقاوت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

آفتاب و مہتاب دن اور رات آسمان اور زمین سے انسانی حیات کا رشتہ کسی حال میں بھی منقطع نہیں ہوسکتا مثلاً دنیا کی کھیتی میں آفتاب کی گرمی سے زمین میں ڈالے ہوئے بیج شق ہو کر باہر نکلتے ہیں۔ پھر یہی حرارت اس کی نشوونما کرتی ہے۔ آفتاب ہی کی گردش سے موسموں کی تبدیلی ہوتی ہے۔ چاند کی برودت سے پھل اور پھولوں میں تازگی آتی ہے اور ان میں رس پڑتا ہے۔ دریا میں مد و جزر پیدا ہوتا ہے رات کی تاریکی میں وہ آفتاب کا خلیفہ اور بدل ہے دن میں کاروبار کا سلسلہ رہتا ہے تو رات میں آرام کیا جاتا ہے اور دن بھر کی تکان کے بعد سکون حاصل ہوتا ہے۔ رات کی شبنم دن کی گرمی اور تپش کا تدارک کرتی ہے۔ آسمان سے بارش کا برسنا زمین سے اُگنے والے جملہ نباتات کھیتیوں پھل اور پھولوں کی حیات کا سامان ہوتا ہے۔ اور یہ تمام تصرفات اس زمین پر ہو رہے ہیں جس میں تخم ڈالا گیا تھا تو بالکل اسی طرح نفس انسانی جس میں زمین کی طرح اللہ ربّ العزت نے اپنی معرفت و ربوبیت اور اطاعت و فرمانبرداری کا تخم عہدِ الست سے ودیعت رکھ دیا ہے۔ آفتاب نبوت کی روشنی اور حرارت و گرمی سے نشوونما پاتا ہے اور اس پر پھل پھول لگتے ہیں۔ آفتاب نبوت کے ساتھ وحی الٰہی کی بارش اس کی حیات و بقاء کا سامان اور جس طرح آفتاب نہار کے پیچھے قدرت خداوندی نے اس کے نائب چاند کو لگا دیا ہے تو اسی طرح آفتاب نبوت کے بعد اس آفتاب کا جانشین اور خلیفہ حضرات خلفاء راشدینؓ کا وجود وَالْقَمَرِ إِذَا تَلٰىهَا کے مانند بنا دیا گیا۔ خلفاء راشدین کے وجود ماہتاب نے آفتاب نبوّت کی جانشینی اور اپنے نور سے روحانی زندگی

کے لیئے راستہ بتایا اور یہ بات قطعاً وہی ہوگئی عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِی وَ سُنَّةِ الخلفاء الراشدین المھدیین۔ اور چاند کا نور سورج ہی کا پرتو ہوتا ہے جیسا کہ مشہور ہے نور القمر مستفاد من نور الشمس تو خلفاء راشدین کا نور علم اور ضوء ہدایت درحقیقت آفتاب نبوت ہی کا پرتو تھا۔

ایمانی زندگی بھی مادی زندگی کی طرح لیل و نہار میں منقسم ہے۔ تو ان کے اوقات میں مختلف عبادات اور اعمال حسنہ کے ذریعے آخرت کا سرمایہ کمایا جاسکتا ہے اس کے بالمقابل رات کا وقت بالعموم راحت اور غفلت کا ہوتا ہے اسی لیئے تہجد اور قیام لیل کی خاص فضیلت بیان فرمائی گئی۔

زمین اپنی فراخی اور استعداد کے لحاظ سے باران رحمت کا اثر قبول کرتی ہے کسی حصہ میں شادابی اور پھل پھول لگتے ہیں تو کسی حصہ میں سوائے جھاڑیوں اور کانٹوں کے کچھ نہیں اگتا۔ جیسے کہ ارشاد وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا۔ بالکل اسی طرح انسانی طبائع اپنی اپنی صلاحیتوں اور وسعتوں کے لحاظ سے آسمانی ہدایت اور علوم نبویہ سے مستفید ہوتے ہیں۔ کوئی کم کوئی زیادہ اور کسی کو ذرہ برابر بھی فائدہ نہیں پہنچتا قطعاً محروم ہی رہتا ہے۔ ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شور بوم و خس

رہی یہ بات کہ آسمان نبوت سے برسنے والی بارشوں سے کسی کا محروم رہنا۔ اور اس کے اثرات کو قبول نہ کرتے ہوئے شر اور گمراہی کے راستہ ہی پر چلتے رہنا اس میں نہ بارش کی کوتاہی ہے اور نہ مصدر فیض اور ابر رحمت نے کوئی بخل کیا بلکہ خود ان ہدایات نے انسانی فطرت میں بھی خیر و شر کی معرفت رکھ دی تھی تو اس کے بعد تعلیمی ہدایات نے بھی اس فطری جوہر کی بار بار تجدید و تقویت بھی کی مادی اور نفسانی لذتوں میں انہماک نے اس جوہر کو اگر مردہ یا خوابیدہ کردیا تھا۔ تو ان تعلیمات نے ترغیب و ترہیب اور انذار و تبشیر سے اس کو زندہ اور بیدار کرنا چاہا پھر بھی اگر محروم رہا تو ظاہر ہے کہ اس ابر کرم اور آسمان نبوت سے برسنے والی بارش کا کوئی بخل اور قصور نہیں۔

پھر آسمان کی بلندی اور زمین کی پستی کا ذکر کرکے انسانوں کے مراتب میں بلندی و پستی اور تفاوت درجات کو نمایاں کردیا۔

غرض آیات مبارکہ میں ان چھ چیزوں اور آخری ساتویں چیز نفس کی قسم کھا کر انسانی افکار کو ان امور کی طرف توجہ دلائی گئی۔ اسی وجہ سے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا کے بعد متصلاً اصل مقصد بیان مرتب فرمایا گیا یعنی قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا آفتاب کی روشنی کی طرح نور نبوت کا تمام عالم میں پھیلنے کا ذکر کتاب یسعیاہ علیہ السلام ساٹھویں باب میں اس طرح بطور بشارت مذکور ہے۔

اُٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی۔ اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا ہے کہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا گئی اور تیرگی قوموں پر۔ لیکن خداوند تجھ پر طلوع کرے گا۔ اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا

اور قومیں تیری روشنی میں اور شاہان تیرے طلوع کی تجلی میں" انتہیٰ ۔ (کتاب یسعیاہ باب ۶۰)

ان کلمات کے اشارہ سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس آفتاب ہدایت ہے تو اس کے نور سے عالم دنیا روز روشن بن گیا۔

اور چاند اپنی طبعی نوعیت سے سورج کے پیچھے ہے تو آفتاب نبوت کے بعد اس کے قائم مقام خلفاء راشدین کا دور ماہ کامل اور بدر منیر کی حیثیت میں جلوہ گر ہوگا جس طرح اصل چاند کا نور آفتاب کے نور کا خلیفہ ہے تو اسی طرح اس خلیفہ اور بدر منیر کے نور کو بھی قدرت خداوندی نے دنیا کی ہدایت کے لئے ایک خلیفہ بنایا وہ نور ولایت ہے جو نور خلافت کے لئے نائب کی حیثیت رکھتا ہے اور تمام حضرات صحابہ اور ائمہ و فقہاء امت کا نور ہے۔

اور جس طرح آفتاب کی روشنی کو دن اور دوپہر کا وقت مکمل کرتا ہے جس کو وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا میں فرمایا تو اسی طرح اس آفتاب نبوت کی روشنی تمازت اور قوت کو خلفاء راشدین بالخصوص حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے دور خلافت کی فتوحات اور غلبہ نے مکمل کیا اور دین محمدؐ کا ظہور اور غلبہ اسی دور میں دنیا کے سامنے ظاہر ہوا جو آفتاب نبوت کے طلوع ہونے کے بعد کچھ وقت گزرنے پر آیا تو بالکل ایسا ہی ہوگا۔ جیسے آفتاب جب طلوع ہوا تو اس کی روشنی کمزور تھی لیکن اس کے طلوع ہی سے نمودار ہونے والے دن نے اس کو مکمل روشن و مجلّی کر دیا۔ تو یہ منظر پوری طرح نظروں کے سامنے آگیا کہ گویا خلافت راشدہ کے روز روشن نے اپنی قوت و غلبہ اور شوکت سے سورج کی روشنی کو مکمل کر دیا تو یہ بات وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا سے ظاہر ہو رہی ہے اور جو وعدہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ میں فرمایا گیا وہ خلافت عمر فاروق اور خلافت عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں الحمد للہ ثم الحمد للہ پورا ہوگیا۔

پھر وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا سے آسمانِ شریعت کی رفعت و بلندی کی طرف ذہن متوجہ کر دیا گیا کہ جیسے آسمان جملہ کواکب شمس و قمر کو محیط ہے تو اسی طرح آسمان شریعت انسان کے جملہ مقدس احوال و افعال اور عقائد و مکارم اخلاق کو محیط ہے۔ اور جیسے آسمان میں بروج اور منازل ہیں تو اسی طرح شریعت کے امور میں بھی ابواب و اقسام ہیں اور سالکین و عارفین کے منازل ہیں اور ان منازل کی طرف چلنے والے سورج اور چاند ستاروں کی طرح کواکب کہ كُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ اور ان تمام کواکب کی سیر ایک ہی منزل کی طرف ہے اس لئے ان میں کسی قسم کے تصادم اور نزاع کا کوئی خطرہ نہیں۔ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِىْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۔ اور وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا کی طرح انسان کی ذات ہے جو اپنی وسعتوں کے لحاظ سے عالم ارض کا نمونہ ہے بالکل کائنات کا نمونہ ہے اس وجہ سے انسان کو عالم صغیر سے تعبیر کیا گیا تو آفتاب کی روشنی دن کی تمازت گرمی۔ رات کی تاریکی بارشوں کا نزول کرۂ ارضی پر اپنے عجیب و غریب کرشمے دکھاتے ہیں اسی طرح آفتاب ہدایت کا نور اور علوم الٰہی کی بارشیں اور اس کے لیل و نہار انسانی حیات کی سطح پر بڑے ہی عجیب و غریب کرشمے ظاہر ہو رہے ہیں اور جو قوائے ملکیہ انسان کی فطرت میں ودیعت رکھے ہوئے ہیں۔ وہ اس ابر رحمت کے برسنے کے بعد کیسے شاداب و سرسبز اور

شجر کی صورت میں رونما[1] ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا جارہا ہے۔ قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ چڑھنے کی اس طرح کہ سورج آسمان کے کناروں سے طلوع ہونے کے بعد بلند ہو رہا ہے اور وقت ضحٰی میں داخل ہونے کے باعث اس کی دھوپ چڑھ رہی ہے۔ اور قسم ہے چاند کی جب وہ سورج کے پیچھے پیچھے چلے۔ جیسے فلکیات کے اصول سے ظاہر ہے یا یہ[2] کہ چاند کی روشنی سورج کے غروب ہونے کے بعد ظاہر ہوتی ہے اور قسم ہے دن کی جب کہ وہ سورج کو روشن کر دے اس کی تمازت اور شعاعوں کو نصف النہار پر پہنچ کر یہ روز روشن سورج کے نور کو مکمل اور قوی تر کر دے۔ اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ اس کو ڈھانک لے۔ اور رات کی تاریکی دن پر اس طرح چھا جائے کہ سورج کی روشنی کا کچھ بھی نشان دکھائی نہ دے۔ اور قسم ہے آسمان کی اور جو کچھ یا جیسا کہ اس کو بنایا۔ اس میں پیدا کی[2] ہوئی تمام چیزیں جملہ کواکب وسیارے اور بروج ومنازل اور خود آسمان کی عظمت کہ کیسی شانِ عظمت سے اس کو بنایا۔ اور قسم ہے زمین کی اور جیسا کہ اس کو پھیلایا[3] کہ کیسی عجیب حکمت اور قدرت سے کرۂ ارضی پھیلا دیا گیا کہ اس پر بود وباش سہولت سے ہو سکے۔ پھر اس میں مخلوق کی ضرورت کی تمام چیزیں پیدا کر دیں۔ اور قسم ہے انسان کی جان کی اور اس کی کہ اس کو برابر بنایا اعضاء کا عجیب تناسب رکھا اور کیسی بہترین ساخت سے پیکر جسمانی مرتب فرمایا کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔

صرف یہی نہیں بلکہ عناصر اربعہ اور اخلاط اربعہ میں بھی ایک ایسا اعتدال عطا کیا کہ اُس کا نظام جسمانی بڑی ہی خوبی کے ساتھ قائم وجاری رہے۔ پھر حواس ظاہری کے علاوہ باطنی حواس سے اس کو آراستہ کیا تاکہ وہ فلاح و سعادت کے امور جان سکے اور سمجھ سکے۔ پھر اس کے[4] دل میں ڈالا اس کا فجور وتقویٰ۔ یعنی ڈھٹائی اور بچ کر چلنے کی صلاحیت۔ فسق وفجور نافرمانی اور تقویٰ وطہارت اور اطاعت وبندگی کا شعور اور صلاحیت یعنی اوّل تو اجمالی طور پر عقلِ سلیم اور فطرت صحیحہ کے ذریعہ بھلائی اور برائی میں فرق کرنے کی صلاحیت دی پھر تفصیلی طور پر انبیاء اور رسولوں کے ذریعے اور صحیفوں اور کتابوں میں آخری کتاب قرآن کریم میں تحقیق وتفصیل

---

[1] : ھٰذا مقتبس من کلام الشیخ مجدد الف ثانی والشاہ ولی اللہ الدھلوی والامام الرازی والعلامۃ المحدث ابی محمد عبدالحق الحقانی الدھلوی قدس اللہ اسرارھم ۔ ونفعنی اللہ تعالٰے وجمیع اھل العلم من علومھم اٰمین۔

[2] : ان الفاظ سے مفسرین کی اس رائے کی طرف اشارہ کیا جو اس جگہ ما کو مصدریہ یا موصولہ لیتے ہیں اور بعض مفسرین نے مَا کو من کے معنی میں لیا۔ اے ومن بنٰھا مراد یہ کہ قسم ہے آسمان کی اور قسم ہے اس کی جس نے آسمان بنایا۔

[3] : یہاں بھی ما مصدریہ وموصولہ ہے اور بعض کے نزدیک مَن کے معنی میں ہے ۔ ۱۲۔

[4] : یہ الہام کا ترجمہ ہے تفصیل گذر چکی۔

سے بتا دیا گیا کہ کون سا راستہ بدی اور برائی یعنی فجور کا ہے اور کون سا راستہ پرہیزگاری اور تقویٰ[ع۱] کا ہے بیشک فلاح و کامیابی حاصل کر لی۔ اس شخص نے جس نے کہ اس نفس کو پاک بنالیا[ع۲]۔ اور اسی نے اپنی مراد پالی اور بیشک نامراد ہوا اور ذلیل و ناکام ہوا وہ جس نے گندگیوں میں اس کو آلودہ کر لیا۔ اور اپنے اس نفس کو خاک میں ملا چھوڑا۔ عفت و تقویٰ کی طہارت سے محروم کر کے شہوت و غضب کے ہاتھ میں اپنی باگ ڈور دیدی۔ عقل و شریعت سے کوئی سروکار نہ رکھا فطرت کی صلاحیت اور تقاضوں کو بھلا کر خواہش اور ہوائے نفس کا غلام بن گیا۔ اشرف المخلوق ہونے کے باوجود وہ مقام اختیار کیا کہ جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل و خوار ہو گیا۔ ایسی ہلاکت و تباہی کی روش اختیار کرنے والے دنیا میں بہت گذرے ہیں۔ تاریخ عالم میں ان کا عبرتناک انجام روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔ چنانچہ ایک عبرتناک مثال یہ ہے کہ جھٹلایا ثمود نے اللہ کے رسول اور اس کی باتوں کو اور نفس کی پاکیزگی کے بجائے اس کو گندگیوں سے آلودہ کیا۔ اپنی سرکشی سے۔ جب کہ اٹھ کھڑا ہوا ان میں ایک بدبخت ترین انسان خدا کے پیغمبر صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالنے اور ہلاک کرنے کے لیئے حالانکہ وہ اونٹنی خود اس قوم کی فرمائش پر بطور معجزہ پہاڑ کی ایک چٹان شق ہو کر نکلی تھی اور انہوں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اے صالح[ع۳] اگر اس چٹان سے ایک اونٹنی آپ نکال دیں تو پھر ایمان لے آئیں گے مگر بجائے ایمان لانے کے اس اللہ کی ناقہ ہی کے دشمن بن گئے اور یہ گوارا نہ کیا کہ وہ اپنی نوبت کے روز بھی گھاٹ سے پانی پیئے۔ جس پر اللہ کے رسول نے ان سے کہا خبردار ہو جاؤ اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری سے۔ ایسا[ع۴] نہ ہو کہ اس کا پانی بند

ع۱: ان الفاظ سے یہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ الہام فجور کے معنی یہ نہیں کہ انسان کو کہا گیا کہ تو فجور کا کام کر۔ بلکہ اس سے مراد صلاحیت اور شعور ہے جس سے وہ سمجھ لے کہ بدی اور نیکی کیا ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ الہام فجور و تقویٰ کا یہ بھی مفہوم ہے کہ فجور سے بچنے کا حکم دیا اور تقویٰ کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔

استاد محترم شیخ الاسلامؒ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں "اس کے بعد قلب میں جو نیکی کا رجحان یا بدی کی طرف میلان ہو تو ان دونوں کا خالق بھی اللہ تعالےٰ ہے۔ گو اول میں فرشتہ واسطہ ہوتا ہے اور ثانی میں شیطان پھر وہ رجحان و میلان کبھی بندہ کے قصد و اختیار سے مرتبۂ عزم تک پہنچ جاتا ہے اور صدور فعل کا ذریعہ بنتا ہے جس کا خالق اللہ اور کاسب بندہ ہوتا ہے۔ اور اسی کسب خیر و شر پر مجازات کا سلسلہ بطریق تسبیب قائم ہے۔ کذا فی الفوائد۔ اس مسئلہ کی توضیح و تحقیق مسئلۂ تقدیر اور مجازات اعمال کا معیار اور اس کی حکمت کے سلسلہ میں پہلے گذر چکی۔ حضرات قارئین مراجعت فرمالیں۔ ۱۲۔

ع۲: ابتداء سورت یعنی وَالشَّمْسِ سے قسموں کا سلسلہ شروع ہوا اور نَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا الخ کے بعد قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا جواب قسم ہے۔

ع۳ تفصیل سورۂ اعراف و ہود اور دیگر مواقع میں گذر چکی۔ ۱۲۔

کرنے سے. تم پر کوئی عذاب آجائے بگر وہ لوگ باز نہ آئے اور پھر اللہ کے رسول کو جھٹلایا. عملاً رسول خدا کی مخالفت کرتے ہوئے. رسول خدا نے منع کیا کہ اس کو پانی سے نہ روکو مگر ان بدبختوں نے شقاوت و بدبختی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ پھر اس اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے. جس کا انجام یہی ہوا کہ دے مارا ان کے رب نے ان پر اپنا قہر و عذاب ان کے گناہوں کی وجہ سے اور ان کو ایسا الٹ مارا کہ برابر کر دیا سب کو زمین کی سطح سے اور اس طرح ہلاک کر ڈالا کہ ان کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔ اور وہ پروردگار تو اپنی شان عظمت و کبریائی کے باعث کسی کو سزا یا کسی مجرم قوم کی ہلاکت و بربادی کے انجام سے قطعاً نہیں ڈرتا ہے اور نہ اس کو اس بات کا ڈر اور ذرّہ برابر پرواہ ہے کہ کوئی مجرم قوم اس کا تعاقب یا پیچھا کرے گی.

قوم ثمود کی اجمالی تاریخ

ثمود اس قوم کے بزرگ کا نام تھا جو کئی واسطہ سے حضرت نوح علیہ السلام کا پوتا تھا۔ قوم عاد عرب کے جنوبی حصہ یمن میں تھی اس کے ہلاک و برباد ہونے کے بعد شمال عرب میں یہ قوم زور آور ہوئی تھی یہ قوم شام اور حجاز کے بیچ میں آباد تھی ان کے اس شہر کا نام جو شام کی طرف تھا حجر تھا اور جو حجاز کی طرف تھا اس کا نام وادی القریٰ تھا ان دونوں شہروں کے درمیان اور بھی بہت سے قریات اور شہر اس قوم کے تھے جن کی تعداد بعض مورخوں نے ایک ہزار سات سو بتلائی ہے اس قوم میں مال و دولت بہت تھا. بڑے بڑے عالی شان مکان بناتے تھے. اور سنگتراشی کا فن خوب جانتے تھے اس لیے پہاڑ کھود کھود کر بڑے بڑے عجیب و غریب مکان بنائے تھے اور عمیق کنوئیں اور باؤلیاں کھودی تھیں مگر اس کے ساتھ بت پرستی اور بدکاری بھی غضب کی تھی۔ درندہ پن سفاکی اور بے رحمی کا بھی کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ الغرض قوت شہوانیہ و غضبیہ وغیرہا کا دریا جوش زن تھا۔ خدا پرستی رحم دلی۔ پرہیزگاری کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ ایسی حالت میں رحمت الٰہی نے انہی میں سے ایک شخص صالح بن عبیدؓ کو منتخب کیا اور نور نبوت سے منور فرمایا۔ جناب صالح علیہ السّلام نے اس بدبخت قوم کی اصلاح اور وعظ و پند میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا مگر ان کی تقدیر میں شقاوت ازلیہ تھی کب ماننے والے تھے پھر جو مصائب اور ایذائیں ایسی قوم کے واعظ و ناصح مشفق کو پہنچیں کم ہیں۔؟

ایک بار قوم نے صالح علیہ السّلام کو لاجواب کرنے کے لیے ایک معجزہ طلب کیا وہ یہ کہ فلاں پہاڑ میں سے ایک اونٹنی نکلے جو ایسی اور ایسی ہو اور پھر نکل کر وہ اسی وقت بچہ بھی دے چنانچہ حضرت صالح علیہ السّلام نے دعا کی ویسی ہی اونٹنی پہاڑ پھٹ کر برآمد ہوئی اور اس نے باہر آکر بچہ بھی دیا قوم نے یہ معجزہ آنکھ سے دیکھا مگر بجز جندع بن عمر رئیس قوم اور اس کے اتباع کے اور کوئی ایمان نہ لایا. صرف یہی ایک جماعت ایمانداروں، نیکوکاروں کی تھی اور قوم ویسی کی ویسی رہی اور اب اور بھی ایذا و ظلم کا دروازہ کھول دیا. ادھر اونٹنی کی سینئے چونکہ وہ قوی ہیکل تھی اور جانور اس کو دیکھ کر بدکتے تھے یہ ٹھہرا کہ ایک روز گھاٹ پر یہ پانی پینے آوے تو دوسرے روز اور لوگوں کے جانور۔ چندے اس قوم نے اس پر صبر کیا مگر ایک فاحشہ عورت نے جس کی ایک

شخص شریر سرکش "قیدار" نامی سے آشنائی تھی یہ فرمائش کی کہ تو اس اونٹنی کا کام تمام کر دے کیونکہ میرے جانوروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ وہ بدبخت اپنے یاروں کو لے کر اس کی تاک میں نکلا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور پھر سب نے تلواروں سے مار مار کر ٹکڑے کر ڈالا اور قوم میں اس کا گوشت بٹا سب نے خوشی سے پکا کر کھایا اور حضرت صالح علیہ السلام پر ٹھٹھے لگائے مگر حضرت صالح علیہ السلام نے پہلے بھی اس کام سے منع کر دیا تھا۔ اور کہہ دیا تھا کہ اگر اس کو ہاتھ لگایا تو جان لینا کہ غضب الٰہی آ گیا مگر اب تو صاف صاف کہہ دیا کہ تین روز کی مہلت ہے اگر ایمان لایا جائے اور توبہ کی جائے تو کر لو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور علامتِ ہلاکی یہ ہوگی کہ اوّل روز تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے۔ دوسرے روز سرخ تیسرے روز سیاہ چنانچہ صبح کو جب اٹھے تو سب کے چہرے زرد تھے۔ یہ دیکھ کر قیدار اور اس کے شریر دوستوں کو حضرت صالح علیہ السلام پر بڑا غصہ آیا چاہا کہ عذاب آنے سے پہلے اونٹنی کی طرح ان کا کام بھی تمام کر دیا جائے یہ قصد کر کے نو بدمعاش شبخون کی نیت کر کے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر رات کو آئے۔ حمایت الٰہی نے حضرت صالح علیہ السلام کو بچا لیا وہ بدمعاش صبح کو وہیں مردہ پڑے پائے گئے یہ دیکھ کر قوم کو اور بھی جوش آیا اور ان کا بدلہ لینے کے لیئے حضرت صالحؑ پر حملہ آور ہوئے۔ ادھر حضرت صالح علیہ السلام کی جماعت بھی جنگ پر آمادہ ہو گئی آخر یہ فیصلہ ٹھہرا کہ صالحؑ اور ان کی اتباع کرنے والے شہر سے باہر نکل جائیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ نکل گئے اور اس بات کو غنیمت جانا۔ یہ روز ان کے چہرے سرخ ہونے کا تھا سب کے منہ لال ہو رہے تھے اگلا روز آیا سب کے منہ سیاہ ہو گئے اور یہ دیکھ کر ان کو یقین ہو گیا کہ اب ضرور کوئی بلا آنے والی ہے اس لیئے وہ اپنے ان پہاڑوں کے تراشے ہوئے مکانوں میں چلے گئے جن کی نسبت ان کو گمان تھا کہ یہاں نہ بجلی کا اثر پہنچے گا نہ زلزلہ کا، نہ بارش کا۔ اتنے میں سیاہ آندھی آئی اور اس کے بعد زلزلہ آیا اور کڑک شروع ہوئی۔ متواتر تین بار ایسی ہیبت ناک آوازیں آئیں کہ سب کی روح پرواز کر گئی کوئی بھی زندہ باقی نہ بچا عذاب دفع ہونے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اس بدبخت قوم کے پاس آئے اُن کی لاشیں اور ان کو اوندھے منہ پڑے دیکھ کر حسرت بھرے انداز میں فرماتے تھے کہ ہائے تم نے میرے کہنے کو نہ مانا اے بدبخت قوم میں نے تم کو بہت سمجھایا ہے مگر تم نہ سمجھے۔

یہ ہے اس قوم کی مختصر سرگذشت جو عرب میں متواتر منقول تھی۔ اس واقعے کو عموماً ہر شخص جانتا تھا یہ شہر کہ جہاں عذاب آیا "حجر" ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں صحابہ کے ساتھ "حجر" سے گذرے تو صحابہ کو اس بدبخت قوم کے کنوؤں سے پانی لینے اور وہاں ٹھہرنے سے بھی منع فرما دیا تھا۔ عرب میں اب تک سیاحوں کو قومِ ثمود کے آثار باقیہ شام جاتے آتے دکھائی دیا کرتے ہیں جو اس بدبخت قوم کے حال زار پر عبرت کے آنسوؤں سے رویا کرتے ہیں۔

اسی پر موقوف نہیں اب بھی اس کے قریب قریب حادثات بدبخت قوموں پر گذرتے ہیں مگر وہ اس کو کبھی زلزلہ اور کبھی سمندر کی طغیانی اور کبھی ژالہ باری، بجلی کا صدمہ بتایا کرتے ہیں۔ تھوڑے

دنوں پہلے یورپ میں آتش فشاں مادے سے بستیاں غارت ہوئیں اور اٹلی وغیرہ بلاد میں زلزلہ سے ہزاروں شخص ہلاک ہوئے شہر اجاڑ ہو گئے۔ متعدد واقعات ایسے پیش آئے کہ آسمان سے پتھر برسے۔ ہواؤں کا طوفان آیا اور بستیوں کے نام ونشان ہی مٹ گئے۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ مادہ پرست انسان ہمیشہ اس قسم کے واقعات کو اتفاقات پر یا کواکب کے عمل پر محمول کرتے ہیں۔ مسبب الاسباب اور قادر مطلق کی قدرت پر ایمان ویقین نہیں ہوتا۔

فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورۃ اللیل

سورۃ اللیل بھی مکی سورت ہے۔ اس سورت میں بالخصوص اس امر کو بڑی تفصیل وتحقیق سے بیان کیا گیا ہے کہ انسان کی عملی کوششیں مختلف قسم کی ہیں ان عملی جہود میں ایک نوع ایمان وتقویٰ جود وسخاوت احسان ومروت کی ہے تو دوسری نوع تکذیب حق، غرور واستکبار بخل وحق تلفی اور یہ کہ ایمان وتقویٰ مکارم عالیہ اور اخلاق حسنہ کا رُخ اختیار کرنے والا فوز وفلاح کا مستحق ہوتا ہے اور اسی کی راہیں اس پر آسان کر دی جاتی ہیں اس کے برخلاف تکذیب حق اور غرور واستکبار کا رُخ انسان کو شقاوت ومحرومی کی منزل پر پہنچا دیتا ہے۔

سورت کی ابتداء رات کی محیط تاریکی اور دن کی روشنی اور اولادِ آدم میں مذکر ومؤنث کی تفریق کی قسم کھا کر کی گئی۔ جس سے قدرتِ خداوندی کی عظمت کا اظہار کرتے ہوئے یہ بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح روز وشب کی ظلمت ونور میں فرق ہے اور انسانوں میں مذکر ومؤنث کا تفاوت ہے اسی طرح انسان کی جہودِ عملیہ میں بھی تفاوت ہے۔

سورت کے اخیر میں انسان کو تنبیہ کی گئی کہ وہ مال ودولت کے نشہ میں کبھی بھی دھوکہ میں نہ پڑے کہ یہ دنیوی مال ومنال کوئی عزت کی چیز ہے یا دنیا کی دولت اس کو کسی ہلاکت وپریشانی سے بچا سکتی ہے۔ اسی کے ساتھ اس مؤمنِ صالح کا ایک تاریخی نمونہ بھی (جس نے ایمان وتقویٰ اور جود وسخاوت سے سعادت کا اعلیٰ ترین مقام حاصل کیا) ذکر کیا گیا۔ اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

اٰیاتُها ۲۱ — ۹۲ = سُوْرَةُ الَّیْلِ مَکِّیَّۃٌ = ۹ — رُکُوْعُهَا ۱

سورۂ لیل مکی ہے اس کی اکیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ

قسم رات کی جب چھا جاوے - اور دن کی جب روشن ہو - اور اس کی جو اس نے پیدا کیے

وَالْاُنْثٰٓى ﴿۳﴾ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ﴿۴﴾ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ

نر اور مادہ - تمہاری کمائی بھانت بھانت ہے - سو جس نے دیا اور

اتَّقٰى ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴿۶﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ﴿۷﴾

ڈر رکھا - اور سچ جانا بھلی بات کو - تو اس کو ہم سہج سہج پہنچا دیں گے آسانی میں۔

وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ﴿۸﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ﴿۹﴾

اور جس نے نہ دیا، اور بے پروا رہا - اور جھوٹ جانا بھلی بات کو۔

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴿۱۰﴾ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ﴿۱۱﴾

سو اس کو ہم سہج سہج پہنچا دیں گے سختی میں - اور کام نہ آوے گا اس کو مال اس کا، جب گڑھے میں گرے گا۔

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿۱۲﴾ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿۱۳﴾

ہمارا ذمہ ہے سوجھا دینا - اور ہمارے ہاتھ ہے پچھلی اور پہلی -

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾ لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾

سو میں نے سنا دی تم کو خبر ایک تپتی آگ کی۔ اس میں وہی پیٹھے گا (پہنچے گا) جو بڑا بدبخت ہے۔

الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِيْ

جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا - اور بچا دیں گے اس سے وہ بڑا ڈر والا۔ جو

يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝۱۸ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ

دیتا ہے اپنا مال دل پاک کرنے کو۔ اور نہیں کسی کا اُس پر احسان جس کا

تُجْزٰٓى ۝۱۹ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝۲۰ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝۲۱

بدلہ دے۔ مگر چاہ کر منہ اپنے رب کا جو سب سے اوپر۔ اور آگے وہ راضی ہو گا۔

ع ۱ ۲۱ ۱۷

تقسیم جہود عملیہ در حیات انسانی و ترتب ثمرات سعادت وشقاوت

قال اللہ تعالیٰ۔ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ...... الی ...... وَلَسَوْفَ يَرْضٰى

(ربط) گزشتہ سورت میں فوز و فلاح اور شقاوت وبدنصیبی کے اسباب پر کلام تھا اور یہ کہ انسانی نفس اگر طہارت وتزکیہ سے آراستہ ہو تو اس پر دنیا کی عزت وسربلندی اور آخرت کی کامیابی نصیب ہوتی ہے اور اگر نفس کو شہوات کی گندگی میں آلودہ کر لیا جائے تو انسانی شرف سے محرومی کے بعد دنیا کی تباہی اور عذاب آخرت میں مبتلا ہونے کے سوا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا۔ اور دنیا میں بڑی سے بڑی طاقت ور قومیں اسی شقاوت وبدنصیبی کا شکار ہو کر ہلاک ہوئیں اور تاریخ عالم اس کی گواہی دیتی ہے۔ تو اب اس سورت میں انسان کی عملی جدوجہد کا تفاوت اور اس کا انقسام الی الخیر والی الشر بیان کیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی تاریخی حیثیت سے مکارم اخلاق ایمان وتقویٰ کے ایک عظیم پیکر یعنی سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی مثال پیش کی جا رہی ہے تاکہ دنیا ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرے اور یہ کہ ہر عمل میں اخلاص اس عمل کی عظمت وقبولیت کی روح ہے تو ارشاد فرمایا۔

قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے اور اپنی تاریکی سے تمام فضاء کو ڈھانک لے۔ اور قسم ہے دن کی جب کہ وہ روشن ہو اور اس کی روشنی تمام عالم پر محیط ہو جائے اور قسم ہے اس کی جو اس نے پیدا کیا نر اور مادہ۔ تو جس طرح رات اور دن اور نر و مادہ مختلف ہیں اپنی صورت میں اور آثار وخواص میں بالکل اسی طرح بے شک اے انسانو! تمہاری کوشش اور عملی محنت طرح طرح کی ہے۔ ہر ایک کے اعمال دوسرے سے مختلف ومتعارض ہیں۔ صورت وشکل میں بھی اور نتائج وثمرات میں بھی۔ سو جس شخص نے عطا کیا یعنی خدا کی راہ میں دیا اور خرچ کیا اور خدا کا تقویٰ اختیار کیا اس کی نافرمانی اور برائیوں سے ڈرتا رہا اور تصدیق کی بھلی بات کی۔ ایمان لایا اور ایمان کی باتوں کو سچ سمجھتا رہا تو ہم اس کے واسطے آسان کر دیں گے راحت وسہولت کا راستہ

کہ جس پر عمل بھی آسان ہوگا اور اس راستہ پر چل کر انجام راحت و سہولت ہی کا ہوگا اور اعلیٰ و اکمل راحت کا مقام جنت ہے جس کا وہ اپنے ایمان و اعمال اور طاعت و بندگی کی محنتوں سے مستحق سمجھا جائے گا۔ مگر اس کے بالمقابل جس نے یہ سعادت حاصل نہ کی اور بخل کیا اور بے پرواہی اختیار کی اور خدا سے بے نیاز رہا اور بھلی بات کو جھٹلایا تو ہم اس کے واسطے آسان کر دیں گے دشواری کا راستہ اور وہ عملی انداز اور طریقہ کار جس کا انجام مشقت اور مصیبت کے سوا کچھ نہیں اور تمام تر آلام و مصائب اور مشقتوں کا ابدی مقام جہنم ہے۔

اور اس وقت کام نہ آئے گا اس کو ذرہ برابر اس کا مال جب کہ وہ اس ہلاکت و مشقت کے گڑھے میں گرے گا اس انسان کو زندگی میں اس کی نافرمانیوں پہ ڈھیل دی جائے گی اور بتدریج یہ اپنی شقاوت و بدبختی کے کاموں میں اور غلو و انہماک ہی اختیار کرتا جائے گا تا آنکہ اپنی بداعمالیوں کا انجام دیکھ لے جیسا کہ پہلے شخص کو اپنی توفیق سے نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں لگائے رکھا۔ بالکل یہی نوعیت ہوتی ہے کُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا۔ بے شک ہمارے ذمہ تو بس راہ دکھا دینا ہے نیکی اور تقویٰ کی اور بدی و گمراہی کی ان دونوں راہوں میں سے کسی بھی راہ کا اختیار کرنا خود انسان کا اپنا کام ہے اس لیئے وہ جس راہ کو اور جیسے بھی عملی طریقہ کو اختیار کرے گا اس کا ثمرہ اس پر مرتب ہوگا اور بے شک ہمارے ہی لیئے اور ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت بھی اور دنیا بھی۔ تو اے انسانو! میں نے ڈرا دیا ہے۔ ایک ایسی آگ سے جو دہکتی ہوئی ہے۔ اس کے شعلے سمندر کی موجوں کی طرح ہیں جو مجرموں اور نافرمانوں کے لیئے مخصوص ہے جس میں کوئی نہیں داخل ہوگا بجز اس شخص کے جو نہایت ہی بدبخت ہے جس نے اللہ کی باتوں کو جھٹلایا اور اللہ کی فرماں برداری سے پیٹھ پھیری اور منہ موڑ لیا تو جہنم کی اس دہکتی ہوئی آگ میں جو کفار و نافرمانوں کے لیئے مخصوص کر دی گئی ہے بس ایسے ہی بدبخت انسان داخل ہوں گے اور اس آگ سے دور رکھا جائے گا ایسا شخص جو زیادہ سے زیادہ پرہیز گار ہو جو اپنا مال دے رہا ہو اللہ کی راہ میں اس لیئے کہ وہ پاک ہو جائے ہر قسم کی کوتاہی اور ہر نوع کی گندگی سے خواہ نفس کی ہو یا عمل کی اور محض رضائے الٰہی اس کی غرض ہے اور یہ نہیں کہ کسی کا اس پر احسان ہے کہ اس کا بدلہ ادا کیا جا رہا ہے بجز اس کے کہ اپنے ربِ اعلیٰ کی خوشنودی طلب کرنا ہے تو ظاہر ہے کہ اس اخلاص و تقویٰ سے اعلیٰ کوئی مقام نہیں تو ضرور اس بندہ کا یہ عمل اس کے ربِ اعلیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوگا اور عنقریب اپنے پروردگار کی طرف سے ہونے والی عنایات پر خوش ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ ہر انعام اور فوز و فلاح پر مسرت و خوشی طبعی تقاضا ہے۔ بالخصوص اہلِ ایمان کا تو شعار ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کے فضل و کرم پر فرحان و شاداں ہوں۔ کما قال اللہ تعالیٰ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔

ایمان وتقویٰ اور جود وسخاء کا پیکر اعظم

سیدنا صدیق اکبر

رضی اللہ عنہ

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ـ

ہر نوع کی گرفت اور آخرت کی ہر تکلیف سے محفوظ اور دور رہنے کے لیئے اس آیت میں جو اوصاف ذکر فرمائے گئے ان میں ایک وصف تقویٰ ہے دوسرا وصف راہ خدا میں مال خرچ کرنا۔ تیسرا وصف تزکیہ و طہارت ہے چوتھا وصف اخلاص ہے جو اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى میں فرمایا گیا۔

آیت مبارکہ کے الفاظ عام ہیں اور مراد بھی اسی عموم کے ساتھ ہر ایمان وتقویٰ اور اخلاص کا وصف رکھنے والے کے لیئے اس سعادت کو ثابت کرنا ہے لیکن جمہور مفسرین اس پر متفق ہیں کہ اس آیت کا نزول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ہے۔ چنانچہ کلام الٰہی کی شہادت سے یہ ثابت ہو گیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے صدیقین کے سرخیل اور پیشوا ہیں۔ اسی طرح وہ سید الاتقیاء ہیں۔ کیونکہ اَتْقٰی صیغہ اسم تفضیل اسی معنی پر دلالت کرتا ہے پھر اس کے ساتھ قرآن کریم نے یہ بھی گواہی دے دی کہ وہ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے جواد وکریم ہی تھے۔ اس کے بعد پھر یہ کہہ کر "یَتَزَکّٰی" یہ واضح کر دیا کہ تزکیہ وطہارت کا مقام انہوں نے حاصل کر لیا۔

اور اخیر میں یہ فرما کر "وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى" کہ اپنی زندگی کا سرمایہ خرچ کر ڈالنا یہ کسی کے احسان کا بدلہ نہ تھا ان کے کمال اخلاص پر مہر ثابت کر دی اگرچہ اسی قدر فرما دینا کافی تھا۔ مگر اب رب العالمین نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اِبْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى کی تصریح کر کے حق تعالیٰ شانہٗ کی رضاء جوئی صدیق اکبرؓ کی صفت طبعیہ کی حیثیت سے بیان کر دی کہ یہ ان کا مزاج تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی فرد کو مشارٌ الیہ بتلاتے ہوئے قرآن کریم نے سوائے صدیق اکبرؓ کے یہ عظیم تر شہادتیں کسی بھی فرد کے لیئے ذکر نہیں کیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت

کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مستحقِ خلافت تھے

آیت وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی۔ کا نزول تو باجماع صحابہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کی شان میں ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا بلکہ روایات سے تو یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوری سورت ہی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی اور بعض مفسرین نے تو اس کو "سورۃ ابی بکر" بھی کہا ہے جب کہ انہوں نے سات غلاموں کو خرید کر آزاد کیا۔ جن میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

ابن عباسؓ فرماتے تھے "الاتقیٰ" سے مراد ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اس آیت مبارکہ کے پیش نظر جس میں ارشاد ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ یہ لازم آیا کہ امت میں سب سے زیادہ عظمت و کرامت اور بزرگی کے مستحق ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں اور سورۂ نور کی آیت وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ۔ جو باجماع امت ابو بکرؓ ہی کے بارہ میں نازل ہوئی ثابت کر رہی ہے کہ امت میں سب سے زیادہ فضیلت والے یہی ہیں جن کو قرآن اولوالفضل کے لقب سے تعبیر کر رہا ہے۔

روایات سے ثابت ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب اسلام میں داخل ہوئے تو اس وقت وہ قریش میں بڑے ہی مالدار تھے اور ان کا شمار اہلِ مکہ کے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا۔ اسلام لانے کے وقت چالیس ہزار درہم یا دینار کے مالک تھے۔ سب کچھ اسلام کی راہ میں خرچ کر ڈالا اور خلیفہ ہونے کے بعد جو خود انہوں نے اپنا وظیفہ مقرر فرمایا وہ صرف دو درہم یومیہ تھا جو وہ بیت المال سے لیتے۔

انتقال کے وقت فقیر و نادار تھے ایک دینار بھی ترکہ میں نہیں تھا جس چادر میں بیماری کے دن گذارے اسی میں وصیت فرمائی کہ کفن دیا جائے۔ اہل و عیال کے لیئے زمین و جائیداد تو درکنار ایک حبہ بھی نہیں چھوڑا۔ اپنے زمانۂ خلافت میں اپنے عزیز و اقارب میں سے کسی کو عہدہ یا منصب نہیں دیا۔ حالانکہ پورا حجاز نجد۔ یمن طائف اور بحرین و عمان سب ان کے زیر نگین تھے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں اس کے بالمقابل حضرت علی رضی اللہ عنہ ابتداء میں فقیر و نادار تھے۔ خلافت ملنے کے بعد اپنے بعض خویش و اقارب کو عہدے دیئے عبداللہ بن عباسؓ کو بصرہ کا والی بنایا اور عبید اللہ بن عباسؓ کو یمن کا والی بنایا اور اپنے چچا عباسؓ کے دو بیٹوں قثمؓ اور معبدؓ کو حرمین کا والی بنایا اور اپنے بھانجے اُمِّ ہانیؓ کے بیٹے جعد بن ہبیرہؓ کو خراسان کا۔ اپنی اہلیہ کے ایک بیٹے کو مصر کا۔ اور اپنے بعد حضرت حسنؓ کی خلافت پر رضامندی کا بھی اظہار کیا۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ یقیناً خلافت کے مستحق تھے۔ لیکن اس تمام تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دنیا کے عہدوں سے اپنے اقارب و اعزہ کو کس طرح دور رکھا۔ اگرچہ حضرت علیؓ نے جن افراد کو والی بنایا وہ اپنی اپنی

خوبیوں سے اس کے اہل تھے کہ ان کو والی بنایا جائے۔ ابوبکر صدیق رضؓ کی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی ان تمام چیزوں سے اپنے خاندان اور عزیزوں کو دور رکھا حتیٰ کہ ان کے احباب اور مخلصین ہر چند کوشش کرتے رہے کہ عمر فاروق رضؓ اپنے صاحبزادہ عبداللہ بن عمرؓ کو اپنا جانشین بنادیں لوگ ان کے فضائل و اوصاف بیان کر کے اس امر کے برحق ہونے کو ثابت بھی کرتے رہے مگر فاروق اعظمؓ نے ان باتوں میں کسی بات کی طرف ادنیٰ توجہ بھی نہ دی۔ اور جواب میں یہ فرمایا کہ اس امر کا بوجھ برداشت کرنے کے لیئے تو خطاب کی اولاد میں سے بس عمرؓ ہی کافی ہے۔ (سبحان اللہ) کیسی احتیاط تھی۔ حتیٰ کہ آئندہ خلیفہ کے انتخاب کے واسطے جو مجلس شوریٰ مرتب فرمائی اس میں بھی اپنے بیٹے کو نہ رکھا اور صرف اس حد تک اجازت دی کہ وہ مجلس میں بیٹھ کر باتیں سن سکتا ہے۔ اور اگر کوئی بات اس کے خیال میں آئے تو کہہ سکتا ہے لیکن اصولاً ان کا شمار ان اراکین شوریٰ میں نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کو کسی فیصلہ کا حق ہوگا۔ تفصیل کے لیئے ملاحظہ فرمائیں۔

المنتقیٰ المذہبی ص ۴۸۷ ۔ منہاج السنہ لابن تیمیہ ص ۱۲۹ تا ص ۱۳۱ ج ۴ ۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سب سے زیادہ اپنے جان و مال سے مجھ پر احسان کرنے والا (صرف) ابوبکرؓ ہے۔ اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا دنیا میں مجھ پر جس کسی نے بھی احسان کیا میں نے اس کا بدلہ دے دیا اور اس کے احسان کو اتار دیا مگر ابوبکرؓ کا احسان! کہ اس کو میں نہیں اتار سکتا۔ اس کا بدلہ بس اللہ ہی ان کو قیامت کے روز ادا کرے گا۔ اللہ کی راہ میں اپنا سارا مال خرچ کر دیا نوبت یہاں تک پہنچی کہ پہننے کے لیئے کپڑے بھی نہ رہے۔ ایک کمبل میں درخت کا کانٹا لگا کر اپنے بدن پر لپیٹ رکھا تھا اسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اتنے میں جبریل امینؑ بھی نازل ہوئے اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کو کہہ دو کہ خدا تم کو سلام کہتا ہے اور پوچھتا ہے کہ اے ابوبکرؓ کیا تم اس فقر میں مجھ سے راضی ہو یا دل میں کچھ کدورت ہے۔ یہ سننا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ایک وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اور بیقراری کے عالم میں روتے ہوئے کہنے لگے ہائے ہائے کیا مجھے اپنے مولیٰ سے کدورت ہوسکتی ہے۔ اَنَا عَنْ رَبِّی رَاضٍ۔ اَنَا عَنْ رَبِّی رَاضٍ کے الفاظ زبان سے جاری ہوگئے اور دیر تک یہی کہتے رہے کہ میں تو اپنے رب سے راضی ہوں۔ میں تو اپنے رب سے راضی ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جو روایت مشکوٰۃ میں ہے اس میں صراحتہً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضل اور زہد کا ذکر ہے۔ اس میں ہے کہ جب آپؐ سے دربارۂ خلافت ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد ابوبکرؓ کو امیر بناؤ گے تو ان کو زاہد فی الدنیا اور راغب فی الآخرۃ پاؤ گے۔ اور یہ وصف آپ نے کسی اور صحابی کی شان میں نہیں فرمایا اور یہ وصف آثار و احوال نبوت سے تعلق رکھتا ہے۔

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیئے اَشْجَعُ النَّاسِ ہونے کی بھی گواہی دیتے تھے اور فرماتے تھے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار نے گھیر لیا میں دیکھتا رہا۔ مجھ سے کچھ نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ ابوبکرؓ آئے اور مجمع میں گھس گئے آپؐ کی مدد کی اور آپ کو بچایا۔

محدثین نے بالعموم اس روایت کو اس طرح نقل کیا ہے کہ ایک بار آپ کے صاحبزادہ محمد بن الحنفیہؒ نے پوچھا کہ بتایئے سب سے زیادہ بہادر کون ہے تو اس پر آپ نے جواب دیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ اور پھر اس کے ثبوت میں یہ روایت ذکر کی جو صحاح ستہ میں موجود ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ صرف اشجع الناس ہی نہیں بلکہ ارحم الناس بھی تھے جیسا کہ احادیث میں ان کا یہ وصف موجود ہے ارشاد ہے اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍؓ اسی پر حد نہیں بلکہ اعدل الناس بھی تھے۔ جیسا کہ یہ اظہر من الشمس ہے اس لئے کہ جس ذات میں امانت و دیانت۔ زہد و تقویٰ۔ ایثار و سخاوت اور علم کامل ہوگا۔ بلاشبہ وہ اعدل الناس ہے۔ عدل کی ضد ظلم ہے اور ظاہر ہے کہ ظالم ان اوصاف سے محروم ہوتا ہے۔ جب ہی تو وہ ظلم کا مرتکب ہوتا ہے اور ظلم کا باعث حُبِ دنیا اور خیانت اور عدم ترحم ہے تو جو شخص ان خرابیوں سے قطعاً منزّہ اور پاک ہو بلکہ اس کے بالمقابل وہ کمالات اور خوبیوں سے متصف ہو وہ کیسے ظالم ہوسکتا ہے اور بلاشبہ وہ اَعدل الناس ہی ہوگا اور عدل کے ثمرات میں سے شفقت بھی ہے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس خوبی میں بھی سب سے بڑھ کر تھے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان تمام خوبیوں کے علاوہ اعلم الناس کے شرف اور فضل سے بھی متصف تھے۔ جیسے کہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز خطبہ میں یہ فرمایا کہ اللہ نے اپنے بندہ کو دنیا کی نعمتوں میں اور آخرت کی نعمتوں کے درمیان اختیار دیا کہ چاہے وہ دنیا کو اختیار کرلے اور چاہے وہ آخرت کو تو اس بندہ نے اللہ کو یعنی آخرت کو اختیار کرلیا ہے یہ سُن کر ابوبکر صدیقؓ فوراً بیقرار ہو کر رونے لگے۔ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں تعجب ہوا کہ یہ بزرگ اس بات کو سُن کر کیوں رو رہے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تو کسی ایک بندہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ اور یہ بزرگ رونے لگے۔ فرماتے ہیں بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ وہ عبد مخیّر خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور ہم نے سمجھ لیا کہ ابوبکرؓ ہم میں سب سے زیادہ اعلم تھے کہ پہلی ہی مرتبہ اس اشارہ کو سمجھ گئے۔

پھر یہ کہ عہد رسالت میں ہی آپؓ کا لقب صدّیق تھا اور آیت مبارکہ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ میں سب سے پہلا تصدیق کرنے والا آپ کو ہی فرمایا گیا اور یہ امر ظاہر ہے کہ فہم و فراست اور علم و حکمت میں نبی کے بعد درجہ صدیق ہی کا ہے اور صدیق کے بعد درجہ فاروق کا ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی بدیہی اور قطعی ہے کہ علم میں فضل و کمال کا دارومدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرافقت اور مجالست پر ہے تو ابتداء سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق کامل محب خاص اور مخلص با اختصاص تھے۔ سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ آپؐ کو جو بھی مہم پیش آتی آپ اس میں ابوبکرؓ سے مشورہ لیتے تھے۔

اور آیت مبارکہ وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ۔ مفسرین کے بیان کے مطابق ابوبکرؓ و عمرؓ ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ مشورہ اسی سے لیا جاتا ہے جو اعلم و افہم ہو ان تمام اوصاف اور فضائل کے

علاوہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اعقل الناس بھی تھے۔ جس کی دلیل ان کے دورِ خلافت کے ملکی انتظامات کی حسن و خوبی۔ فتوحاتِ عظیمہ اسلام کی ترقی اور عامۃ الناس کی خوش حالی ہے۔ آیت استخلاف اور تمکین فی الارض کے یہی حضرات مصداق ہوئے۔ اور ملکی امن و امان کا جو وعدہ فرمایا گیا وہ ان ہی دو حضرات کے ہاتھ پر اس طرح ظاہر ہوا کہ پوری دنیا اس میں ذرّہ برابر بھی تردّد اور شبہ نہیں کر سکتی۔

اس کے بالمقابل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دائرۂ سلطنت و خلافت کوفہ کے مضافات تک محدود رہا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بلا کسی اختلاف کے تمام صحابہ کا ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بصد رضاء و رغبت بیعت کر لینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جملہ فضائل و شمائل حسنہ کا مجموعہ اور صداقت و امانت کا پیکر تھے اور اس امر کا واضح ثبوت تھا۔ تمام حضرات صحابہؓ اس پر متفق تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے اوّل جانشین اور خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

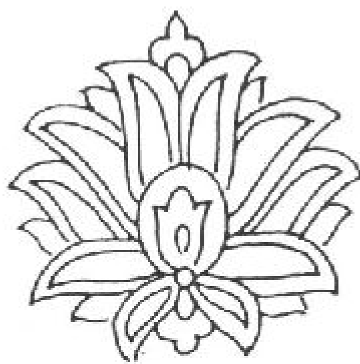
پھر یہ کہ ابوبکرؓ ہی کو آپؐ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنے مصلیٰ پر مسلمانوں کی امامت کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اور کسی بھی کوشش کو اس کے بالمقابل پنپنے نہ دیا۔ بلکہ اس پر ناگواری سے تنبیہ فرمائی گئی اور سب مسلمانوں کو ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دے کر یہ بتا دیا کہ اب تمہارے امام اور امیر یہ ہیں۔

ابوبکرؓ ہی کو قرآن کریم نے ثَانِیَ اثْنَیْنِ کہا۔

اور ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ میرے دو وزیر آسمان میں ہیں اور دو وزیر زمین میں ہیں آسمان میں میرے وزیر جبریلؑ و میکائیلؑ ہیں اور زمین میں میرے وزیر ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ تو آپؐ نے خود ہی اس ترتیب سے اپنے وزیر اور خلیفہ متعین فرما دیئے تھے۔ جس کے بعد ظاہر ہے کہ کسی بھی ایسے شخص کو جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے۔ ذرّہ برابر تردّد اور تامّل کی گنجائش نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

هٰذا ما استفدت من اَمَالی حضرت الوالد الشیخ محمد ادریس الکاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ واسبغ علیہ من نعمہ واسکنہ فی الدرجات العلیٰ من الجنۃ۔

آمین یا ربّ العالمین۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الضُّحٰى

سورۃ الضحیٰ بھی مکی سورت ہے اس میں بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیتِ عظیمہ کے اہم ترین اوصاف ذکر کیئے گئے ہیں اور ان انعامات کی تفصیل ہے جن سے آپؐ کی ذات اقدس کو نوازا گیا۔ ابتداء سورت میں دن کی روشنی اور رات کی پھیلنے والی تاریکی کی قسم کھا کر مخاطبین کے اذہان میں یہ بات ڈالی گئی کہ جس طرح عالم میں پھیلنے والا نور رات کی تاریکی کو مٹا دیتا ہے اسی طرح رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ نبوت نے عالم سے کفر و گمراہی کی تاریکیاں مٹا دیں اس کے بعد ان انعامات کا ذکر کیا گیا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر کیئے گئے اور یہ کہ اگر اللہ کا پیغمبر دنیوی مال و منال اور دولت سے خالی ہاتھ ہو تو یہ اس رسول کی شان میں کسی طرح کا نقص پیدا کرنے والی چیز نہیں۔ اصل نعمتیں تو آخرت کی نعمتیں ہیں اور وہ تمام تر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے لیئے مہیا کر دی ہیں۔ اور ان میں سب سے بڑا انعام رضاء الٰہی ہے۔ جس سے آپ کو سرفراز فرما دیا گیا۔

آیاتُھَا ۱۱	۹۳ = سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ = ۱۱	رُكُوْعُهَا ۱

سورۂ ضحیٰ مکی ہے۔ اس میں گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالضُّحٰى ﴿١﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿٢﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا

قسم دھوپ چڑھتے وقت کی۔ اور رات کی جب چھا جاوے۔ نہ رخصت کیا تجھ کو تیرے رب نے، نہ

قَلٰى ﴿٣﴾ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿٤﴾ وَلَسَوْفَ

بیزار ہوا۔ اور البتہ پچھلی بہتر ہے تجھ کو پہلی سے۔ اور آگے دے گا

يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝٥ أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ۝٦

تجھ کو تیرا رب، پھر تو راضی ہو گا ۔ بھلا نہ پایا تجھ کو یتیم پھر جگہ دی ؟

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝٧ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۝٨

اور پایا تجھ کو بھٹکتا، پھر راہ دی ؟ اور پایا تجھ کو مفلس، پھر محظوظ کیا ۔

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝٩ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝١٠

سو جو یتیم ہو، اس کو نہ دبا ۔ اور جو مانگتا ہو اس کو نہ جھڑک ۔

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝١١

ع ۱۱

اور جو احسان ہے تیرے رب کا، سو بیان کر ۔

انعامات خاصہ

بر ذاتِ اقدس نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم و امر باداءِ شکر

قال اللہ تعالیٰ ۔ وَالضُّحَىٰ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ---- الیٰ ---- وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ

(ربط) گزشتہ چند سورتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو ثابت کیا گیا تھا اور ایمان کا دارومدار آخرت پر ایمان ویقین کی شکل میں ہے تو اس کے دلائل بھی ذکر فرما دیئے گئے اب اس سورت میں ان خصوصی انعامات کا ذکر ہے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو سرفراز فرمایا گیا ۔ اور ان انعامات کے ضمن میں آپ کی رسالت کے دلائل بھی ذکر کر دیئے گئے ۔ اور جن خاص کمالات اور اخلاق حسنہ سے پیغمبر کی ذات متصف ہونی چاہیئے ۔ ان کو بھی بیان کر دیا گیا ۔ ارشاد ہے ۔

قسم ہے دھوپ چڑھتے وقت کی اور رات کی جب کہ اس کی تاریکی فضاء پر چھا جائے ۔ ان تمام تر چیزوں کی قسم کھاتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ دشمنوں کے خیالات اور ان کی یہ بیہودہ باتیں سب غلط ہیں ۔ ہرگز نہیں چھوڑا ہے آپ کو آپ کے رب نے اور نہ ہی آپ سے بیزار ہوا ۔ اس لیئے نزول وحی میں تاخیر سے دشمنوں کا یہ کہنا کہ

بس اب آپؐ کے رب نے آپ کو چھوڑ دیا اور ناراض[1] ہوگیا ہے۔ قطعاً لغو اور مہمل بات ہے۔ اور بے شک آخرت (یعنی بعد والی چیز) جو اللہ رب العزت اس صعوبت و مشقت کے دور کے بعد فراخی اور فتح کی صورت میں آپ کو عطا کرے گا۔

یا آخرت کی نعمتیں جو حیاتِ اخروی میں عطا کی جائیں گی۔ بہتر ہے آپ کے واسطے بہ نسبت اُولیٰ کے یعنی پہلی حالت یا دنیا کی زندگی سے۔ اور آپ کا رب اس کمی زندگی کے بعد وہ عزت وراحت اور نعمتیں عنقریب عطا کرے گا کہ آپ اس پر خوش ہو[2] جائیں گے۔ اور یہ حاصل ہونے والی خوشی اور رضا ان تمام غموں اور تکلیفوں کو مٹا دے گی جو اس ابتدائی دور میں پیش آر ہی ہیں اور اس بشارت پر کسی کو حیرت اور تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ اور یہ سوچنا چاہیئے کہ اس دور کو جو ہر طرح کے مصائب و آلام کا مجموعہ ہے کیونکہ راحت و غلبہ اور بڑے بڑے

---

[1]: یہ زمانہ بظاہر فترتِ وحی کا زمانہ تھا۔ یا کسی بھی وقت جبکہ نزول وحی میں تاخیر ہوئی اور آسمان سے آیات کا نزول نہ ہوا اور آپؐ اس تاخیر پر مغموم و مضطرب بھی تھے تو آپ کے اس غم اور اضطراب کو دور کرنے کے لیئے یہ آیات نازل ہوئیں۔ حافظ ابنِ کثیرؒ نے محمد بن اسحاقؒ کی سند سے اسی طرح نقل کیا ہے اور ممکن ہے کہ اسی دوران وہ قصہ بھی پیش آیا ہو جو بعض احادیث صحیحہ میں وارد ہوا کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی علالت کے باعث دو تین رات نہ اُٹھ سکے تو ایک خبیث عورت کہنے لگی۔ اے محمدؐ معلوم ہوتا ہے کہ تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے۔ (یہ عورت ام جمیل ابو لہب کی بیوی بیان کی گئی ہے) تو ان تمام بیہودہ اور لغو باتوں کا جواب دیتے ہوئے آپ پر فائز کردہ خصوصی انعامات کا ذکر کیا گیا۔

اس موقعہ پر اختیار کردہ قسم اور جواب قسم میں مناسبت ظاہر ہے کہ جس طرح رات کی تاریکی کچھ وقت کے لیئے ہوتی ہے مگر پھر دن کی روشنی اس کو ختم کر ڈالتی ہے۔ اسی طرح یہ توقف اور تاخیر عارضی ہے اس کو اللہ کی وحی اور اس کا نور دور کر دے گا۔ یا یہ کہہ دیجیئے کہ جس طرح رات کی تاریکی اور ظلمت دن کی روشنی سے دور ہو جاتی ہے اسی طرح مشرکین کے یہ لغو اعتراضات اور ان کی ظلمت بھی دور ہو جائے گی۔ یا یہ کہ وحی کی تاخیر سے (جیسا کہ فترت وحی کے زمانہ میں واقع ہوئی تھی) آپ کے قلب مبارک پر جو گھٹن ہے وہ اسی طرح کھل جائے گی اور ختم ہو جائے گی جیسے کہ رات کی ظلمت سورج کی شعاعوں سے ختم ہو جاتی ہے۔ ۱۲۔

[2]: حافظ ابن کثیرؒ نے ابراہیم نخعیؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے جس کی پتیوں کا نشان آپؐ کے پہلو پر نظر آ رہا تھا آپ کے اٹھنے پر میں ہاتھ سے ان نشانات کو چھونے لگا اور عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ اجازت مرحمت فرما دیں تو ہم اس چٹائی پر کوئی بستر (یا نرم گدا) بچھا دیا کریں۔ آپ نے یہ سُن کر ارشاد فرمایا مجھے دنیا اور دنیا کی راحتوں سے کیا واسطہ بس میرا تو دنیا کے ساز و سامان سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا کہ کوئی ایک سوار مسافر دورانِ سفر کسی درخت کے نیچے کچھ دیر ٹھہرا پھر اسے چھوڑ کر آگے روانہ ہو گیا۔ (ترمذی)

انعامات سے بدل دیا جائے گا؟ اس کی تو بہت سی مثالیں موجود ہیں جن کا مشاہدہ ہو چکا تو کیا نہیں پایا تھا آپ کو یتیم کہ پھر اُس پروردگار نے آپ کو ٹھکانا دیا۔ باوجودیکہ ولادت با سعادت سے قبل آپ کے والد وفات پا چکے تھے۔ چھ سال کی عمر تھی کہ والدہ بھی فوت ہوگئیں۔ پھر آٹھ سال کی عمر تک اپنے دادا کی کفالت میں رہے جس کے بعد اس دُرِّ یتیم کی پرورش اور دیکھ بھال چچا نے کی اور اس میں شبہ نہیں کہ آپ کے چچا ابو طالب نے آپکی نصرت و حمایت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ مگر ہجرت سے کچھ قبل وہ بھی انتقال کر گئے۔ ان تمام حالات یا حادثات کے بعد آخر ربِّ کریم نے ایسی عزت و کرامت کا ٹھکانا عطا فرمایا کہ تاریخ عالم میں اس سے بڑھ کر کوئی عزت و کرامت کا مقام نہیں ہو سکتا۔ اور وہ مدینہ منورہ کی ہجرت تھی۔ جہاں پہنچ کر وہاں کی دونوں عظیم قومیں اوس و خزرج آپؐ کے مطیع و فرماں بردار بن گئے۔ آپؐ کے اشاروں پر جان دینے کے لیئے تیار۔ انصار و مہاجرین سب مل کر شمع رسالت کے پروانے نظر آتے تھے اللہ نے وہ قوت و تمکنت عطا کی کہ فتوحات کا سلسلہ وسیع تر ہوگیا۔ مکہ۔ طائف۔ حنین اور بحرین فتح ہوگیا۔ تو یہ تھی بعد کی حالت جو مکہ کی پہلی حالت سے کس قدر بہتر شاندار اور عزت و عظمت والی بن کر تاریخ عالم میں ظاہر ہوئی اور حقیقی آخرت کی بہتری اور بلندی کا تو انسانی افکار تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مَالَا عین رأت وَلَا اُذن سَمِعَتْ وَ لَا خَطَرَ عَلٰی قلبِ بَشَر

اور کیا نہیں پایا تھا اللہ نے آپ کو بے خبر[ع] وحی الہٰی اور آسمانی علوم سے تو پھر راہ سمجھائی۔ علوم الہیہ۔

ع: لفظ ضالًّا کا ترجمہ بے خبر کیا گیا کیونکہ لغت کے لحاظ سے ضلال کے معنی بے خبری کے بھی آتے ہیں۔ ضلال اور ضلالۃ کا مفہوم صرف گمراہی نہیں ہے۔ اگرچہ اس مفہوم پر بھی اطلاق آتا ہے۔ بے خبری کا یہ مفہوم حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اختیار فرمایا اور یہ ترجمہ ہے اسی آیت مبارکہ کا وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔ بعض مفسرین نے ضالًّا کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ آپ تلاشِ حق میں وادیوں اور میدانوں میں پھرتے تھے کہ حق مل جائے۔ اسی سلسلہ میں آپ کا غارِ حرا میں جانا اور وہاں خلوت نشینی اختیار کرنا ہوتا۔ یا یہ کہ آپ تعلق مع اللہ اور اس کی محبت میں حیران و مضطرب تھے اس معنی کی تائید سورۂ یوسف کی اس آیت سے ہو سکتی ہے جس میں حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے اپنے والد کو یوسفؑ کی محبت میں مضطرب و بے چین دیکھ کر کہا۔ تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ اور اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔

بے خبری کے عالم میں حق تعالیٰ آپؐ کے قلب پر علوم و معرفت کے دروازے کس طرح کھولے گا اس کی توضیح کرتے ہوئے شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں۔ جب حضرت جوان ہوئے تو قوم کے مشرکانہ اطوار اور بیہودہ رسم و راہ سے سخت بیزار تھے اور قلب میں خدائے وحدہٗ کی عبادت کا جذبہ پوری قوت کے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

احکامِ شریعت اور معارف ربّانیہ کی اور پا یا تھا آپ کو محتاج و مفلس تو پھر غنی کر دیا اور ایسا غنیٰ و بے نیازی کا مقام عطا کیا کہ کسی چیز کی بھی پروا اور احتیاج نہ رہی بہرحال یہ ہیں وہ انعامات لے ہمارے پیغمبر جن سے آپ کو نوازا گیا تو اب ان انعامات کا حق یہ ہے کہ جو بھی کوئی یتیم ہو اس کو آپ نہ دبائیں بلکہ اس پر نہ کوئی زیادتی کریں اور نہ ڈانٹ ڈپٹ سے اس کو مغلوب یا آزردہ کریں اور جو سائل ہو اس کو نہ جھڑکیں بلکہ اس کی اعانت و مدد کرتے رہیں۔ اور آپؐ کے رب کا جو انعام ہے سو اس کو آپ بیان کیجئے۔ اور جن جن نعمتوں سے اللہ نے آپ کو نوازا ہے اس کا شکر بھی ادا کیجئے۔ اور جو علوم و ہدایت آپ کو عطا کیئے گئے ہیں ان کو بیان کیجئے۔ لوگوں تک انہیں پہنچا دیجئے۔ اور ظاہر ہے کہ محسن کے احسانات کا بہ نیت شکر گذاری بیان اور چرچا کرنا عقلاً و شرعاً محمود امر ہے۔ فخر و مباہات البتہ بُری چیز ہے۔

انعاماتِ خداوندی اور مکارم نبوی

اس سورت مبارکہ میں حق تعالیٰ شانہٗ نے دن کی روشنی اور دھوپ اور رات کی پھیلنے والی تاریکی کی قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى کہ آپؐ کے رب نے نہ تو آپ

ع۵: ان کلمات سے لفظ فحدّث کے ان متعدد معانی کی طرف اشارہ کرنا ہے جو مفسرین نے ذکر فرمائے ہیں اور نعمۃ رب میں سب سے بڑی نعمت فہدیٰ میں علوم ہدایت عطا کرنے کی ہے تو اس کا بیان و تبلیغ اور تعلیم فحدّث کا عمل ہے۔ اسی وجہ سے لفظ حدیث ارشادات، افعال اور احوال رسول کے لیئے مخصوص ہوگیا۔ کیونکہ ان ہی علوم ہدایت کا بیان حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ۱۲۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۸۱) ساتھ موجزن تھا۔ عشق الٰہی کی آگ بڑی تیزی سے سینہ میں بھڑک رہی تھی وصول الی اللہ اور ہدایت خلق کی اس اکمل ترین استعداد کا چشمہ جو تمام عالم سے بڑھ کر نفس قدسی میں ودیعت رکھا گیا تھا اندر ہی اندر جوش مارتا تھا۔ لیکن کوئی صاف کھلا ہوا راستہ اور مفصّل راستہ اور مفصل دستور العمل بظاہر دکھائی نہ دیتا تھا جس سے اس عرش و کرسی سے زیادہ وسیع قلب کو تسکین ہوتی۔ اس جوشِ طلب اور فرطِ محبت میں آپؐ بیقرار و سرگرداں پھرتے۔ غاروں اور پہاڑوں میں جاکر مالک کو یاد کرتے اور محبوب حقیقی کو پکارتے۔ آخر اللہ نے غارِ حراء میں فرشتہ کو وحی دے کر بھیجا اور وصول الی اللہ اور اصلاح خلق کی تفصیلی راہیں آپؐ پر کھول دیں اور دین حق نازل فرمادیا۔ یہی ہے جو ارشاد فرمایا گیا۔

مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔ ۱۲۔

کو چھوڑا اور نہ ہی بیزار ہوا اور ان الفاظ سے رب العالمین نے اپنے رسول کے ساتھ اپنا کمال تعلق اور قرب بیان فرما دیا۔ اور پھر اس کے ثمرات و نتائج کے طور پر تین خاص اور عظیم انعامات کا ذکر فرمایا۔

ایواء بحالت یتیمی۔ بے خبری اور لاعلمی میں علوم ہدایت کی عطا اور افلاس و تنگدستی کے عالم میں غنیٰ اور فراخی۔ غنا اور فراخیٔ مال کا انعام تو قبل از بعثت ہی شروع ہوگیا تھا جب کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کو اپنے تجارتی کاروبار میں شریک کر لیا اور اس سے نفع حاصل ہوا۔ پھر نکاح کی درخواست کر کے آپ کی زوجیت کا شرف حاصل کر لیا جس کے بعد اپنا کل مال ہی آپ کے لیئے حاضر کر دیا۔ یہ تو ظاہری غنا تھا لیکن اسی کے ساتھ آپ کے قلب اور باطن کو جو غنا عطا کیا گیا وہ تو اللہ رب العالمین جو غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ ہے۔ وہی جانتا ہے اور دنیا نے مشاہدہ کر لیا کہ روئے زمین پر کوئی فرد بشر آپ کے برابر باطنی اور قلبی غنا کی صفت سے متصف نہیں ہوا۔ یتیمی کی حالت میں ٹھکانا عطا کیا جانا یہ بھی عظیم الشان انعام ہے اور جس نوعیت کے ساتھ بے سروسامانی اور یتیمی کے عالم میں خدا نے آپ کے سہارے مہیا فرمائے اور آخری اور کامل و اعلیٰ ٹھکانا مدینہ منورہ ہوا۔ جہاں سے بے شمار فتوحات اور تمکن و قدرت اور غلبہ و ظہور کا سلسلہ شروع ہوا۔ تیسرا انعام علوم ہدایت سے سرفراز فرمایا جانا تو ہر ایک انعام کے بالمقابل ایک حق ذکر فرما دیا گیا کہ یتیمی میں جب آپ پر خدا کا ہر انعام ہوا تو آپ یتیم پر کوئی زیادتی اور دباؤ نہ ڈالیں نہ اس کو ڈانٹ ڈپٹ کریں بلکہ اس کو ٹھکانا دیں۔ جیسے کہ اللہ نے آپ کو ٹھکانا دیا اور چونکہ اللہ نے آپ کو غربت و احتیاج کے عالم میں غنی کر دیا اس لیئے آپ کسی سائل کو ہرگز نہ جھڑکیں نہ اس کو دھتکاریں اور علومِ ہدایت آپ کو عطا کیئے گئے تو اس کا حق یہ ہے کہ ان علوم کو بیان کیجئے پھیلایئے۔ ان کی تبلیغ و اشاعت فرمایئے۔

ان اوصاف کا آپ کی ذاتِ اقدس میں ایسا کامل اور مکمل ظہور ہوا کہ بدءِ وحی کے وقت جب آپ پر گھبراہٹ و بے چینی طاری تھی تو حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کے مکارمِ اخلاق اور اوصاف حمیدہ میں ان ہی اوصاف کا ذکر کیا۔ جیسا کہ احادیث میں ہے فرمایا آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں۔ ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ محتاجوں کی اعانت کرتے ہیں۔ کما کر ان کو کھلاتے ہیں۔ مہمان کی ضیافت کرتے ہیں۔ تو ہرگز خدا تعالےٰ آپ کو ناکام نہیں کرے گا۔ گویا جن اوصاف اور مکارم اخلاق سے متصف ہونے کے لیئے ان آیات میں خطاب فرمایا جا رہا ہے۔ الحمد للہ آپ کی ذات ستودہ صفات بعثت و نبوت کے پہلے ہی روز سے متصف تھی۔

ایک حدیث میں ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا انا و کافل الیتیم کھاتین اور اپنی دو انگلیوں کو جمع کر کے اشارہ فرمایا۔

تم بحمد اللہ تعالےٰ تفسیر سورۃُ الضحیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ الۡاِنۡشِرَاح

سورۃ الانشراح بھی مکی سورت ہے جس کی آٹھ آیات ہیں۔

اس سورت کا خاص مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کا انشراح اور امر نبوت پر اطمینانِ کامل اور قلب پر پیدا ہونے والے بوجھ اور اس فکر و تشویش کو دور کرنے کی بشارت پر مشتمل ہے جس کی گرانی سے آپ کے قُویٰ شکستہ ہو رہے تھے اور جو ہمت شکن احوال پیش آ رہے تھے ان کے دور کرنے کی خبر کے ساتھ آپ کی عزت و عظمت کا بیان ہے اور تسلی دی جا رہی ہے کہ مکی زندگی کے شدائد اور مشقتوں سے آپ خاطر برداشتہ نہ ہوں۔ یہ قانونِ قدرت ہے کہ ہر تنگی کے بعد سہولت ہوتی ہے۔

اٰیَاتُہَا ۸ ۔۔۔ ۹۴ = سُوۡرَۃُ الۡاِنۡشِرَاحِ مَکِّیَّۃٌ = ۱۲ ۔۔۔ رُکُوۡعُہَا ۱

سورۃ انشراح مکی ہے اس کی آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۙ﴿۱﴾ وَ وَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ۙ﴿۲﴾

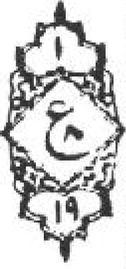
کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ۔ اور اتار رکھا تجھ سے بوجھ تیرا؟

الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَہۡرَکَ ۙ﴿۳﴾ وَ رَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ؕ﴿۴﴾ فَاِنَّ

جس نے کڑکائی پیٹھ تیری۔ اور اونچا کیا مذکور تیرا۔ سو البتہ

مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ؕ﴿۶﴾ فَاِذَا فَرَغۡتَ

مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ پھر جب تو فارغ ہو،



فَانْصَبْ ۝۷ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝۸

تو محنت کر - اور اپنے رب کی طرف دل لگا -

بشارت بانشراح صدور فع گرانی قلب وازالہ شدائد ہمت شکن

قال اللہ تعالٰی۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ .... الی .... وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ

(ربط، گزشتہ سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر رب العالمین کی طرف سے فائز کردہ انعامات خاصہ کا ذکر تھا۔ اور اسی کے ضمن میں آپ کے معالی اخلاق اور محاسن اوصاف بھی بیان کردیئے گئے تھے۔ اب اس سورت میں مزید ایک انعام شرح صدر کا بیان کیا جارہا ہے۔ امور نبوت اور اللہ رب العالمین کے تکوینی امور پر قلب کا اطمینان و انشراح بہت بڑی نعمت ہے اور اسی پر کمال یقین استقامت اور اخلاص جیسے احوال مرتب ہوتے ہیں۔ تو اس سورت میں اس انعام کو بیان کرتے ہوئے یہ بشارت سنائی جا رہی ہے کہ مکی زندگی کے احوال اور شدائد و مصائب جو انسان کی ہمت توڑ دیتے ہیں اور واقعی وہ بوجھ افکار آلام کا ایسا ہی ہے کہ اس نے آپ کی کمر بھی شکستہ کردی تھی تو اللہ تعالٰی نے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ اب وہ تمام بوجھ اور شدائد آپ سے دور کر دیئے جائیں گے موجودہ دشواری اور سختی کا دور گذار لیجئے۔ اس کے بعد آسانی اور سہولت ہی سہولت ہوگی۔ اس وقت اگرچہ مشرکین مکہ آپ کو ہر طرح ستانے پر تلے ہوئے ہیں اور آپ کی تحقیر و توہین میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہے ہیں۔ لیکن اللہ نے یہ فیصلہ بھی کرلیا ہے کہ آپ کا نام اور آپ کا ذکر اونچا اور بلند ہوگا اور ظاہر ہے کہ جس کا نام اونچا ہوگا اس کی شان کس قدر بلند ہوگی اور اس کا دین کس قدر مقبول و سربلند ہوگا۔ تو ارشاد فرمایا۔

کیا ہم نے کشادہ نہیں کردیا ہے آپ کا سینہ آپ کی خاطر؟ بے شک ایسا ہی کردیا ہے کہ علم و معرفت کے لیئے آپ کا سینہ اس قدر کشادہ کردیا کہ تمام علوم ملکوت السمٰوٰت اور وحی الٰہی کے سمیٹ کر آپ کے قلب میں ودیعت رکھ دیئے گئے کہ علوم و معارف کے سمندر آپ کے قلب میں اتار دیئے اور پھر وہ حوصلہ اور ہمت عطا کردی کہ لوازم نبوت اور فرائض رسالت ادا کرنے کے لیئے ہر مشقت اور تکلیف بڑی ہمت اور اولوالعزمی سے برداشت کر رہے ہیں۔ تبلیغ دین میں مخالفین خواہ ہزاروں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں۔ لیکن آپؐ کے قلب میں وہ جمعیت اور قوت پیدا کردی ہے کہ یہ باتیں منصب رسالت کی ذمہ داریوں میں قطعاً حائل نہیں۔ اور اتار دیا ہے ہم نے آپ کا بوجھ جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی کہ مصائب و آلام کو

آسان کر دیا۔ وحی جس کی عظمت و ہیبت سے پہاڑ بھی چورا چورا ہو جاتے ہیں۔ اس کا تحمل کیا۔ جس کے بوجھ سے اس کی پیشانی بھی پسینہ پسینہ ہو جاتی تھی اس کو یاد کیا اور امت تک پہنچایا قریش مکہ کی مخالفت جو انسانی قویٰ اور ہمت کو شکستہ کر دینے والی تھی۔ مگر آپ کے رب نے اس کا بوجھ بھی آپ سے ہلکا کر دیا اور یہی نہیں کہ قلب کا انشراح و اطمینان و پختگی اور استقامت ہو اور مصائب و آلام کا بوجھ دور کر دیا جائے۔ مزید یہ انعام بھی فرمایا کہ اور بلند کر دیا ہم نے آپ کا ذکر۔ اس طرح کہ آپ کا دین بھی مشرق و مغرب میں پھیلا۔ نام بھی اس قدر بلند ہوا کہ اذان کے کلمات میں اللہ کے نام کے ساتھ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی صدا فضاؤں میں ہر وقت گونجتی رہتی ہے۔ بلاشبہ یہ انعامات جو اللہ کی طرف سے آپؐ پر فائز کیے گئے بہت عظیم اور بلند ترین انعامات ہیں۔

تو مکی زندگی میں پیش آنے والے وقتی مصائب اور شدائد سے گھبرانا نہ چاہیئے کیونکہ یہ قانونِ قدرت ہے۔ بس ہر ایک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک ہر دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ اس لئے سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیئے آپؐ نے جو سختیاں برداشت کیں اور جو مصائب جھیلے ہر ایک سختی اور مشقت کے نتیجہ میں آسانی اور سہولت ہو گی۔ ایک نہیں بلکہ کئی کئی آسانیاںؔ اور راحتیں ایک ایک

ؔ حضرات اصولیین اور علماء عربیہ کہتے ہیں کہ معرفہ کا اعادہ معرفہ کی شکل میں کیا جائے تو دوسری مرتبہ کے معرفہ کا مفہوم عین وہی ہوتا ہے جو پہلے معرفہ کا ہے۔ لیکن جب نکرہ کا اعادہ نکرہ کی شکل میں کیا جائے تو اوّل کے علاوہ دوسرا مراد ہوتا ہے تو یہاں اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا، میں العُسر معرفہ مکرر لایا گیا تو ایک ہی سختی اور دشواری مفہوم ہوتی۔ اور اس پر ہر مرتبہ يُسْرًا نکرہ لانا دو سہولتوں کا مفہوم ادا کرنے والا ہوا۔ یہی وہ چیز ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے لن یغلب عسر یُسْرَیْن کہ ایک دشواری ہرگز دو سہولتوں پر غالب نہیں آ سکتی۔ اسی معنی پر بعض عارفین کا یہ قول مشتمل ہے لو جاء العُسْرُ فدخل هٰذا الجحر لجاء ها یُسْر حتیٰ یدخل علیہ فیخرجہ۔ کہ اگر کوئی مصیبت اور دشواری آ کر اس سوراخ میں داخل ہو جائے تو فوراً ہی اس کے پیچھے پیچھے اس سوراخ میں سہولت داخل ہو کر اس دشواری کو نکال پھینکے گی۔

اسی ضابطہ پر یہ چیز مقرر کر دی گئی ہے کہ جو شخص بھی کسی سختی پر صبر کرے اور سچے دل سے اللہ پر بھروسہ اور اعتماد رکھے اور ہر طرف سے ٹوٹ کر بس خدا ہی کی طرف لو لگائے اور اس کے فضل و رحمت کا امیدوار بن جائے گا تو دیکھے گا کہ کس طرح قدرت خداوندی اس کی تکالیف و مشکلات کو راحتوں اور نعمتوں سے بدل ڈالتی ہے۔

ابن عباسؓ رضی اللہ عنہ سے جو الفاظ نقل کیئے گئے وہ سعید بن منصورؒ عبدالرزاقؒ۔ عبد بن حمیدؒ حسن بصریؒ اور بیہقیؒ نے مرفوعاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی روایت کیئے ہیں۔ مسند بزار میں بھی اسی مضمون کی ایک روایت ہے۔ حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہی انبساط و خوشی کے عالم میں حجرہ سے باہر تشریف لائے اور یہ فرما رہے تھے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شدت و مشقت کے بعد میسر ہوں گی۔ تو اس طرح آپ کے قلب کو سکون و پختگی حوصلہ اور ہمت کی بلندی اور آپ کے ذکر کی عظمت ہم نے قائم کر دی کہ اذان و اقامت میں۔ تشہد میں خطبہ میں۔ درود میں۔ ہر موعظت و نصیحت میں اللہ کے نام کی عظمت کے ساتھ آپ کے نام کی عظمت وابستہ کر دی گئی۔

بہر کیف جب آپ کو یہ نعمتیں عطا کر دی گئیں تو اب آپ ہمت سے اپنے کام میں لگے رہیں۔ اور جب آپ منصب رسالت کی ذمہ داریوں تبلیغ احکام اور تعلیم امت سے فارغ ہو جایا کریں تو دیگر امور اور اپنی ذات خاص سے متعلقہ عبادات میں محنت کیا کیجئے۔ اور ان تمام مخالفتوں اور دشواریوں سے بے نیاز ہو کر اور ہر طرف سے ٹوٹ کر بس اپنے رب ہی کی طرف رُخ کر لیجئے۔ وہی کارساز ہے وہی ہر تدبیر کو کامیاب بنانے والا ہے۔ نصیحت و تعلیم اور تبلیغ یہ بے شک آپ کے کام ہیں مگر ان سب سے فارغ ہو کر اصل یہی ہے کہ اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔ وہی ان تمام کوششوں کو کامیاب بنانے والا ہے۔ ان ہدایات و تعلیمات سے مخلوق کو نفع بھی اللہ ہی کی توفیق و مشیت سے ہوگا اور ہر عملی جدوجہد بھی خدا ہی کے فضل اور اس کی اعانت سے کامیاب اور قبول ہوگی۔ اس لئے ان تمام محنتوں کے بعد نظر اپنی سعی اپنی کسی محنت اور کسی صفت پر نہ ہونی چاہیئے بلکہ ہر محنت و سعی اور ادائِ فرض اور ذمہ داریوں کی تکمیل کے بعد رجوع الی اللہ ہی اصل چیز ہے وہ ہونا چاہیئے۔ اسی پر فوز و فلاح کا ثمرہ مرتب ہونا ہے۔

فائدہ اس سورۃ مبارکہ میں تین انعامات کا ذکر فرمایا۔ شرح[۱] صدر۔ وضع[۲] وزر۔ اور رفع[۳] ذکر۔ ان انعامات کی تعبیر میں ک ضمیر خطاب کے ساتھ ان کو ذکر فرمایا لَكَ صَدْرَكَ عَنْكَ وِزْرَكَ۔ رَفَعْنَا لَكَ۔ اگرچہ از روئے عربیت یہ کافی تھا کہ بغیر صلہ ک ان انعامات کو بیان کر دیا جاتا لیکن ان انعامات کا آپ کی ذات اقدس کے ساتھ اختصاص ظاہر کرنے کے لئے ترکیب اضافی کے ساتھ ضمیر خطاب بھی لائی گئی۔ ہم نے اسی وجہ سے "اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ" کے ترجمہ میں لفظ "آپ کی خاطر" کا اضافہ کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و بلندی

آیت مبارکہ "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی بلندی بیان کی

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۸۶) بے شک ایک عسر (سختی) دو یسر (آسانی) پر غالب نہیں آسکتی۔ کسی نے یہی بات اس طرح شعر میں ادا کر دی ہے۔

اذا اشتدت بك البلوى ففكر في الم نشرح

فعسر بين يسرين اذا فكرته فافرح

گئی کہ حق تعالیٰ نے آپؐ کے ذکر کو بلند کیا۔ آپ کا نام اونچا کیا۔ چنانچہ آپ کے نام مبارک کی عظمت و بلندی کا یہ مقام ہے کہ اذان میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ پانچ وقت آپ کا نام مبارک بھی پکارا جاتا ہے۔ خطبہ میں حضرت پر ثناء و درود ہوتی ہے۔ کلمہ جو ایمان کی جڑ ہے اس کے اندر بھی آپ کا ذکر ہے۔ ہر حال میں باستثنا مواضع چند جہاں حق سبحانہٗ کا ذکر ہے وہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی ہے۔ عالم غیب میں آپؐ سلطان ہیں کوئی جگہ اور کوئی محل نہیں جہاں آپ کا ذکرِ خیر نہ ہو۔ قبر میں بھی اور حشر میں بھی۔ ملائکہ بھی پوچھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع تھا یا نافرمان۔ ان پر ایمان بھی لایا تھا یا نہیں۔ جنت کے دروازے اور عرش کے کنگروں پر بھی اسم گرامی مکتوب ہے۔ موافق یا مخالف کی کوئی ایسی تاریخ نہیں جس میں حضرت کا ذکر نہ ہو۔ منکر بھی محامد ہی کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اب معمورۂ دنیا پر ایسی کوئی جگہ نہیں کہ جہاں آپ کا ذکر نہ ہو۔ پھر اس سے بڑھ کر اور کیا رفعت ہوگی۔ حضرت علامہ حقانیؒ اپنی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں۔

اس رفعت ذکر کو ایک محل رفیع الشان سے تشبیہ دی جاوے کہ جس میں بارہ کمرے ہوں تو نہایت ہی مناسب ہے۔ ہر ایک میں آپ ہی حاکم اعلیٰ ہوں۔ جس کی توضیح یہ ہے کہ ایک کمرہ میں ایک بادشاہ عظیم الشان بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے روئے زمین کے بڑے بڑے بادشاہ عرب وعجم، روم، شام، ایران و ہندوغیرہ ممالک کے دست بستہ حاضر ہیں اور تدابیر مملکت اور قوانین جہانداری آپ سے دریافت کر رہے ہیں اور جو کچھ آپ فرماتے ہیں اس کو سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ کہیں ہارون الرشید دست بستہ کھڑے ہیں کسی گوشہ میں مامون ہیں کسی میں سلاطین سلجوقیہ ہیں۔ پھر ان سے پیچھے کہیں خلفائے مصر ہیں۔ پھر ان سے پیچھے کہیں سلطان بایزید یلدرم ہیں اور کہیں سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ ہیں۔ اور کہیں تیمور صاحبقران ہیں۔ اور کہیں علاؤ الدین خلجی اور سلطان محمود۔ الغرض ہر ملک اور ہر زمانہ کے نامور با اقبال بادشاہ جن کے تذکروں سے کتب تواریخ مزین ہیں اور جن کے کارنامے زبانِ زدِ خلائق ہیں ایک شاہنشاہ کے سامنے مسلح حاضر ہیں اور حکم کے منتظر ہیں اور ان جملہ بادشاہوں کا بادشاہ کون ہے۔ وہی ذات با برکات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

پھر دوسرے کمرہ میں ایک حکیم استادِ زمانہ بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے دنیا بھر کے حکماء اور فیلسوف دست بستہ حاضر کھڑے ہیں اور علوم سیاست منزل۔ تہذیب اخلاق و درستی آداب حاصل کر رہے ہیں۔ کہیں ابو علی سینا کھڑا ہے۔ کہیں ابوریحان بیرونی کھڑا ہے کہیں ابونصر فارابی۔ اور کہیں شہرستانی اور کہیں نصیر طوسی وغیرہ وغیرہ حکماء دہر علوم کا استفادہ کر رہے ہیں اور وہ استادِ کل صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کو اس کی استعداد و فہم کے موافق تعلیم دے رہے ہیں۔

تیسرے کمرہ میں قانونِ محمدی کی بہت سی کتابیں دھری ہوئی ہیں ہدایہ وغیرہ۔ اور ایک قاضی القضاۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑی تمکنت اور وقار سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور ان کے سامنے بڑے بڑے معاملہ فہم اور موجد قوانین سیاسیہ و نوامیسیہ حاضر ہیں۔ کہیں امام ابو حنیفہؒ ہیں تو کہیں قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمد اور امام مالکؒ امام شافعیؒ

حاضر ہیں۔ پھر ان کے پیچھے امام الحرمینؒ وابن دقیق العیدؒ وتاج الدین سبکیؒ وغیرہ حاضر ہیں اور آپ کے فیصلہ جات اور ارشادات کو اپنا دستور العمل بنا رہے ہیں۔

چوتھے کمرہ میں ایک مفتی متبحر مسندا فتاء پر بیٹھے ہوئے ہیں اور علوم وفنون کے دریا جو اس کے سینہ میں جوش زن تھا رواں ہیں کہیں تو نئے واقعات کے احکام کتاب وسنت سے قواعد اصول کے مطابق نکال کر توضیح کی جارہی ہے۔ کہیں محدثین فخر روزگار فنون احادیث سے بحث کر کے مستفید ہو رہے ہیں اور کہیں مفسرین زمان قرآن مجید کے جلو میں جو جو اسرار ودیعت رکھے ہوئے ہیں ان سے استفسار کر کے قلم بند کر رہے ہیں۔ اور کہیں واقعات قرآنیہ کی تحقیق کر رہے ہیں۔ اور کہیں اہل دل ان آیات سے جن میں روحانی جذبات مذکور ہیں۔ استفادہ کر کے حظ وافر اٹھا رہے ہیں۔ کہیں فرائض نویسوں کی ایک جماعت مسائل فرائض ومیراث دریافت کر رہی ہے۔ اور کہیں قراء بیٹھے ہوئے تصحیح قراءت کر رہے ہیں۔ اور الفاظ قرآنیہ کو انہیں کے لب ولہجہ سے ادا کرنا سیکھتے ہیں اور کہیں نماز وروزہ حج وزکوٰۃ وغیرہا فرائض کے آداب وسنن پوچھ رہے ہیں اور کہیں معاملات بیع ورہن وغیرہ کے متعلق مسائل دریافت کر رہے ہیں اور کہیں متکلمین علم عقائد کے مسائل کا استفادہ کر رہے ہیں۔ مخلوق کی ابتداء اور انتہاء اور صفات باری اور اس کے افعال اور وجود ملائکہ اور اگلے پیغمبروں اور ان کی کتابوں اور ان کے شرائع سے سوال کر رہے ہیں کہیں مرنے کے بعد سے لیکر جو کچھ اخیر تک روح پر واقعات گذرتے ہیں ان کا حال دریافت کر رہے ہیں اور کہیں دنیا بھر کے مذاہب کا حال دریافت کر رہے ہیں کہ ان میں سے کون کون سرے سے غلط اور خیالات جاہلانہ پر مبنی تھے۔ اور کون سے من اللہ ہیں۔ جو انبیاء علیہم السلام کی معرفت دنیا میں ظاہر ہوئے تھے مگر بعد میں ان میں تحریف و تبدیل ہو کر ان کی صورت بگڑ گئی اور کہیں ایک جماعت اسرار احکام الٰہی دریافت کر رہے ہیں اور کہیں علم زہد ورقائق کے دقائق حل کر رہے ہیں۔ یہ مفتی متبحر وہی سرور کائنات ہیں علیہا فضل التحیۃ والصلوٰۃ۔

پانچویں کمرہ میں ایک محتسب باوقار مسند حکومت پر بیٹھا ہوا ہے اور احکام الٰہی سے نافرمانی کرنے والوں کو سزائیں دلوا رہا ہے کہیں زانی سنگسار ہو رہا ہے اور کہیں چور کے ہاتھ کاٹے جا رہے ہیں اور مسکرات کے استعمال کرنے والوں پر دُرّے پڑ رہے ہیں۔ کہیں ظلم و تعدی کرنے والوں کو سزائیں ہو رہی ہیں۔ اور کہیں لہو ولعب ناچ باجے والوں پر کوڑے پڑ رہے ہیں۔ شہوات اور فسق وفجور کے رسوم مٹائے جا رہے ہیں۔ دغابازوں، مکاروں۔ فریبیوں پر سرزنش ہو رہی ہے۔ مرتشی حکام سے باز پرس ہو رہی ہے یہ صاحب وقار محتسب بھی وہی عالی جناب ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

چھٹے کمرہ میں ایک ملکی تدابیر اور پولیٹیکل خیالات کا حل کرنے والا نہایت عزو وقار سے مسند پر بیٹھا ہوا ہے۔ بڑے بڑے مدبران ملک دست بستہ زمانہ کے موافق تدابیر پوچھ رہے ہیں پھر کہیں سلطنت کے اصول بیان فرما رہے ہیں۔ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى کا اشارہ کر کے کاروبار سلطنت کے لیئے مدبران قوم کو کمیٹی یا مجلس قائم ہونے کا حکم دے رہے ہیں اور تمام شاہی اختیارات قومی مشورہ کے سپرد فرما رہے ہیں اور کہیں سلطنت کے

استحکام کے لیۓ قومی لشکر جرار کی تیاری کا حکم دے رہے ہیں۔
وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ اور ہر زمانہ کے موافق اسلحہ وسامان حرب میں سب سے اوّل رکھنے کی تاکید فرما رہے ہیں۔ اور ملازمانِ سلطنت کو افسروں کی اطاعت کا حکم مؤکد صادر فرما رہے ہیں۔ من اطاع امیری فقد اطاعنی پھر قرب وجوار کی سلطنتوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیۓ۔ اس کے قوانین ودستورات کی تعلیم دے رہے ہیں کہیں ملک میں امن وامان قائم کرنے کی تاکید شدید کر رہے ہیں کہیں عہد ناموں کی پابندی پر مجبور فرما کر قوم کے عزت ووقار کو قائم رکھنے کی تدبیر کر رہے ہیں۔ کہیں قوم کو ماتحتوں پر رحمت وشفقت کی ترغیب دلا رہے ہیں اور کہیں سرکشوں۔ خیرہ چشموں سے سختی اور جوانمردی کرنے کی تاکید فرما رہے ہیں کس لیۓ کہ قیام سلطنت کے یہی اصول ہیں۔ کہیں قوم کو نیک چلنی اور پرہیزگاری کی تعلیم وعیش ونشاط میں پڑنے کی ممانعت کر رہے ہیں اور باہمی اتحاد ومحبت کے اصول جماعت کی نماز جمعہ وعیدین اور حج اور بیمار کی پرسش اور سلام کا جواب دینا۔ حاجات میں کام آنا۔ معاملات میں درگذر کرنا وغیرہ تعلیم کر رہے ہیں۔ اور کہیں فتوحات کے حوصلے دلا رہے ہیں اور احدی بن کر گھر میں بیٹھ رہنے کی برائیاں بیان فرما رہے ہیں یہ کون ہیں؟ وہی عالیجناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم۔

ساتویں کمرہ میں ایک عابد وزاہد دنیا ومافیہا پر لات مارے کس استغناء سے بیٹھا ہوا ہے اور صبح سے شام تک اور رات دن میں اپنی عمر گرانمایہ کی ایک گھڑی تو کیا پل بھی بیکار نہیں کھوتا۔ کبھی تلاوتِ قرآن مع التدبر التام ہے اور کبھی نوافل میں مشغول ہیں کبھی تسبیح وتہلیل میں مصروف ہیں اور اوراد وادعیہ صبح وشام رات اور دن میں سے کسی کو بھی ترک نہیں کرتے۔ ایک خشک ٹکڑے اور پانی کے گھونٹ اور موٹے پرانے کپڑوں پر اقتصار ہے۔ اور کسی غار یا ٹوٹے پھوٹے مکان کے گوشہ میں رہتے ہیں ان کے چہرے پر انوار چمک رہے ہیں۔ لوگوں کو ان سے دلی اُنس ہے۔ ملائکہ علوی وسفلی بھی ان کے پاس آتے ہیں اور بندگانِ خدا بھی جوق درجوق آکر مستفید ہوتے ہیں پھر کسی کو نوافل اور تہجد میں اوراد واشغال کی تعلیم ہے کسی کو دن کے وظائف کی تلقین ہے نہ کسی امیر کی پرواہ نہ کسی دولت مند کے آنے کی تمنا یہ حضرت بھی وہی سرورِ کائنات ہیں۔ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہٗ

آٹھویں کمرہ میں ایک عارف وکامل تشریف رکھتے ہیں جو کہ ذات وصفات کے اسرار اور عالم ناسوت وملکوت کے حقائق اس کے دل فیض منزل پر منکشف ہیں حقائق ومعارف مواجید واشواق کا اس کی زبان فیض ترجمان سے دریا جاری ہے فصوص الحکم وفتوحات مکیہ وغیرہ کتابیں اسی ذات مقدس کے بیانات سے لکھی جارہی ہیں وہ بھی آپ ہی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

نویں کمرے میں ایک واعظ منبر پر بیٹھا ہوا۔ لوگوں کی روح اور دلوں کو اپنے کلام کی تاثیر سے ہلا رہا ہے اور ایسا سکہ جما رہا ہے کہ پھر وہ دور ہی نہیں ہوتا۔ کسی کو ثواب عظیم واجر جزیل کی ترغیب سے راہ پر لا رہا ہے اور کسی کو عذاب قبر اور عذابِ جہنم کی لپٹیں دکھا کر توبہ کرا رہا ہے۔ اور کسی کو دارِ آخرت کے درجات اور

حیاتِ جاودانی کے برکات دکھا کر نیک کاموں پر آمادہ کر رہا ہے۔ ہزاروں کا فروبُت پرست کفر و بت پرستی سے توبہ کر کے ایمان لا رہے ہیں۔ بدکار اپنی بدکاری پر نادم ہو کر رو رہے ہیں۔ سنگدلوں کا دل موم ہو کر پگھلا جا رہا ہے۔ مجلس میں آہ و بکا کی آواز دلوں کو ہلا رہی ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ اثر میں وہ قیام ہے کہ پھر دور ہی نہیں ہوتا جو ایک بار بھی اس مجلس میں آ گیا اس پر بھی ایسا رنگ جما کہ عمر بھر نہ اترا۔ خونخوار خونی ایسے رحم دل ہو گئے کہ چڑیا کے بچے پر بھی اپنے بچوں سے زیادہ شفقت کرتے تھے۔ شہوت پرست پرہیزگار بن گئے۔ سست و غافل ہوشیار بن گئے۔ کنجوس اور کٹر سخی ہو گئے۔ دنیا کی کایا پلٹ گئی۔ یہ حضرت واعظ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

دسویں کمرہ میں ایک بڑے مرشد کامل صاحب طریقت و صاحب دل بیٹھے ہوئے ہیں جس کی نگاہ خاک کو کیمیا کر رہی ہے طالبانِ خدا کا اس کے ارد گرد ہجوم ہے وہ ہر ایک کے اس کی استعداد کے موافق حجاب دور کر رہے ہیں اور وصول الی اللہ کے رستے بتا رہے ہیں اور ان کے مقامات و احوال اور مراتب و مناصب ظاہر کر رہے ہیں اور مریدین کے باطن میں رنگا رنگ توجہات و تاثیرات پیدا کر رہے ہیں۔ کسی کو وجد آ رہا ہے کوئی حیرت زدہ ہو رہا ہے کوئی لطائف پر نظر کر رہا ہے کسی پر فنا کا غلبہ ہے تو کسی پر بقا کا۔ کوئی معیّت کے دریا میں ڈوبا ہوا ہے تو کوئی تفرید کے جنگل میں ٹکرا رہا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ و شبلیؒ و سید عبدالقادر جیلانیؒ و شیخ احمد بدویؒ و معین الدین چشتیؒ و نظام الدین محبوب الٰہیؒ و شیخ شہاب الدین سہروردیؒ و خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ وغیرہ اولیاء کرام ہیں۔ یہ مرشد کامل بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

گیارہویں کمرہ میں ایک نور پیکر بیٹھا ہوا ہے جس کے رخساروں پر آفتاب و ماہتاب قربان ہو رہے ہیں۔ اور آسمان کے ستارے نثار۔ وہ جمالِ الٰہی کا پورا آئینہ ہے ازلی محبوبیت اس میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے۔ اس میں ایک ایسی کشش ہے جو تمام بنی آدم کے دل بیخود اس کی طرف کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ مخلوق پروانہ کی طرح بے اختیار اس شمع پر قربان ہو رہی ہے وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

بارہویں کمرے میں ایک رسول صاحب کتاب نہایت عز و شان کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور حضرت ابراہیم و اسحاق و یعقوب و داؤد و سلیمان و موسےٰ و عیسےٰ علیہم السلام ان کے ارد گرد تشریف رکھتے ہیں اور یہ خاتم النبیین ان کی شریعتوں میں اصلاح کر رہے ہیں۔ کہیں ضرورت زمانہ کے لحاظ سے کچھ احکام بڑھا رہے ہیں کہیں گھٹا رہے ہیں۔ کہیں مٹے ہوئے نشانوں کو از سرِ نو قائم فرما رہے ہیں۔ اور سب تسلیم کر رہے ہیں اور اپنا اُستاد مان رہے ہیں۔ یہ بھی وہی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ ہے وہ شرح صدر اور یہ ہے وہ رفع ذکر جس کی پوری شرح ایک کتاب میں بھی ناممکن ہے۔ حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ۔ اس شانِ رفعت کی ترجمانی اس طرح فرمایا کرتے تھے۔ ؎

اغرّ علیہ للنبوة خاتم — من الله مشهور یلوح ویشهد
وضمّ الالٰه اسم النبی مع اسمه — اذ قال فی الخمس المؤذن اشهد

وشق لہ من اسمہ لیجلہ فذو العرش محمود و ھٰذا محمد

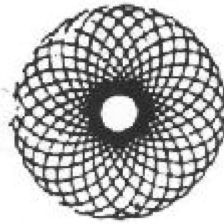
تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الانشراح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُوْرَۃُ التِّیْنِ

سورۃ التین مکی سورت ہے جس کی آٹھ آیات ہیں۔ مکی سورتوں کے مضامین کی طرح اس سورت کا بھی اہم موضوع اور مقصد بیان ایمان بالآخرۃ حساب۔ اور جزاء اعمال ہے۔ سورت کی ابتداء انجیر اور زیتون کے درخت کی قسم کھا کر کی گئی اور ان دو عظیم المنفعۃ درختوں اور پھلوں کی قسم کے ساتھ اماکن مقدسہ یعنی طور سینا اور بلد امین مکہ مکرمہ کی بھی قسم کھا کر ان کی برکتوں کی طرف ذہن کو متوجہ کیا گیا۔ جو ان مقامات مقدسہ میں ودیعت رکھی گئی ہیں کہ طور سینا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ رب العزت سے شرف ہمکلامی نصیب ہوا۔ اور سرزمین مکہ مہبط وحی ہے ان عظیم اشیاء کی قسم کھا کر بطور جواب قسم انسانی تخلیق کا ذکر فرمایا۔

انجیر و زیتون کثیر المنفعۃ اور جامع الفوائد ہونے کی وجہ سے انسان کی حقیقت جامعہ سے پوری پوری مشابہت رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے جواب قسم کے مضمون میں لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ فرمانا نہایت ہی مناسب ہوا۔ پھر تخلیق انسانی میں یہ فرمانا کہ اس کو ایک بہترین پیکر اور حسین ساخت میں اللہ نے بنایا ہے۔ قدرت خداوندی کی اکمل ترین دلیل کو پیش کرنا ہے۔ اس کے بعد کفار پر وعید اور تنبیہ فرمائی گئی جو بعث بعد الموت کا انکار کرتے تھے اور اخیر میں دلائل قدرت کو انسانی عقول اور نظروں کے سامنے نمایاں کرتے ہوئے یہ سوال کیا گیا کہ اب اس کے بعد کوئی منکر انسان آخر کس بناء پر قیامت اور بعث بعد الموت کا انکار کرتا ہے جب کہ ہر انسان کی تخلیق اس کے وجود اور اس کے تغیرات میں ان سب امور کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ اور یہ تمام مشاہدات اس امر پر انسان کو آمادہ بلکہ مجبور کرتے ہیں کہ وہ قیامت پر ایمان لائے۔ حساب و کتاب پر یقین رکھتے ہوئے اللہ رب العالمین کو احکم الحاکمین مانے۔



اٰیاتُہَا ۸ ۹۵ = سُوْرَۃُ التِّیْنِ مَکِّیَّۃٌ = ۲۸ رُکُوْعُہَا ۱

سورۂ تین مکی ہے اس کی آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ ۝۱ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ ۝۲ وَھٰذَا الْبَلَدِ

قسم انجیر کی اور زیتون کی۔ اور طور سینین کی۔ اور اس شہر

الْاَمِیْنِ ۝۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝۴

امن والے کی۔ ہم نے بنایا آدمی خوب سے خوب اندازہ پر۔

ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۝۵ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

پھر پھینک دیا اس کو نیچوں سے نیچے۔ مگر جو یقین لائے، اور کیں

الصّٰلِحٰتِ فَلَھُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶ فَمَا یُکَذِّبُکَ بَعْدُ

بھلائیاں، سو ان کو نیگ ہے بے انتہا۔ پھر اس پیچھے تو کیوں جھٹلاوے

بِالدِّیْنِ ۝۷ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ ۝۸

بدلہ ملنا۔ کیا نہیں ہے اللہ سب حاکموں سے بہتر حاکم۔

شہادت اشجار و اماکن بر خالقیت رب العالمین و مبدا و معاد انسان

قال اللہ تعالیٰ۔ وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ .... الیٰ .... . . بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ

(ربط) گزشتہ سورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جن خاص انعامات سے نوازا گیا تھا۔ ان کا ذکر تھا۔

آپ کے قلب کو وحی الٰہی اور منصب رسالت کی ذمہ داریوں کے ادا کرنے کے لیئے کھول دیا اور آپ کے حوصلہ کو اس قدر بلند اور قلب مبارک کو وسیع کر دیا کہ اس میں علوم و معارف اور حقائق و حکم کے سمندر سما گئے۔ اور آپ کا نام بلند کر دیا۔ اور شان اس قدر اونچی کہ اس سے بڑھ کر کسی عظمت و بلندی کا تصور نہیں ہو سکتا۔ اب اس مناسبت سے اس سورت میں انجیر و زیتون جیسے عظیم المنفعۃ پھلوں اور درختوں اور طور سینین اور بلدۃ الحرام جیسے متبرک اور مقدس مقامات کی قسم کھا کر انسانی تخلیق کا ذکر فرمایا اور اس کی زندگی میں واقع ہونے والے تغیرات سے بعد الموت اور مسئلۂ مجازات کو ثابت فرمایا گیا۔ ارشاد فرمایا۔

قسم ہے انجیر کی اور اس کے درخت کی اور زیتون کی اور اس کے درخت کی۔ اور قسم ہے طور سینین کی یعنی طور سیناء کی جہاں حق تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف ہمکلامی بخشا۔ اور وہ تقرب عطا فرمایا جو وَ قَرَّبۡنٰهُ نَجِيًّا ، میں ذکر فرمایا گیا اور قسم ہے امن والے شہر مکہ مکرمہ کی جہاں سے سارے عالم کو علوم ہدایت سے سیراب کیا گیا اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت کے آفتاب نے وہاں سے طلوع ہو کر پوری دنیا کو روشن کر ڈالا جب کہ عالم پر جہالت اور کفر کی ظلمتیں محیط تھیں اسی شہر میں اللہ نے اپنی سب سے بڑی امانت (یعنی قرآن) نازل فرمائی۔ بے شک ہم نے انسان کو بنایا ہے ایک بہترین پیکر میں اور نہایت ہی حسین ساخت میں قد و قامت صورت و شکل اور تناسب اعضاء کے باعث بڑا ہی خوبصورت اور حسین و جمیل ہے۔ یعنی جس طرح اس کو معنوی خوبی عقلی اور فکری صلاحیتوں کی عظمت و بلندی عطا کی تھی۔ ظاہری پیکر کے لحاظ سے بھی اس کو احسن تقویم اور بہترین ساخت میں پیدا کیا تاکہ معنوی شرف و عظمت کے ساتھ پیکر انسانی کی مطابقت ہو جائے۔ پھر ہم نے اس کو پھینک دیا نیچوں سے نیچے طبقہ میں اور پستی کی حالت میں ؎۔ ایسے بڑھاپے میں پہنچا دیا کہ نہ قُوٰی رہے۔ نہ صورت و شکل کا وہ حسن و جمال باقی رہا۔ پیدائش ضعف کی حالت میں ہوئی ہاتھ پاؤں کمزور تھے لیکن نشو و نما پا کر جوان ہوا۔ بدن میں قوت و مضبوطی پیدا ہو گئی۔ پیکر جسمانی کا حسن و جمال بھرپور ہو گیا مگر یہ چند مدت تک کی بات تھی۔ پھر بڑھاپے نے انحطاط و ضعف کی طرف لوٹانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ضعف و پستی کی آخری منزل تک پہنچ گیا۔ جیسے کہ ارشاد مبارک ہے۔

؎ بعض مفسرین نے اسفل السافلین کی تفسیر میں ارذل عمر تک انسان کا پہنچانا بیان کیا ہے کہ جس عمر میں پہنچ کر انسان کے ہوش و حواس بھی جاتے رہیں۔ آنکھوں اور کانوں سے بھی محتاج ہو جائے۔ ابن عباسؓ سے روایت کیا گیا انہوں نے فرمایا۔ قرآن کریم کا حافظ اور اس کی تلاوت کا شغف رکھنے والا۔ اس نوبت تک پہنچنے سے محفوظ رہے گا اور عمر اس کی خواہ کتنی ہی بڑی ہو جائے اس کے ہوش حواس بجا رہیں گے۔ مجاہدؒ اور ابو العالیہؒ اسفل السافلین سے جہنم کے طبقات میں سے نیچے سے نیچا طبقہ مراد لیتے تھے۔ تو مراد یہ ہو گی کہ انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا۔ اور اس کے بہترین قالب میں ہونے کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس حسین قالب میں سجانے والی چیزیں (اعمال و اخلاق اور کردار) بھی بہترین ہی ہوں تاکہ قالب کی خوبی اور شرافت کے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ ضُعۡفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ ضُعۡفٍ الآیۃ مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیکی کے کام کیئے تو ان کے واسطے یقیناً اس قدر اجر و ثواب ہوگا۔ کہ جو کبھی بھی منقطع نہ ہو تو یہ ایمان و عمل صالح والے اسفل السافلین کی طرف نہیں لوٹائے جائیں گے ان کو ذلت و پستی کے مقام میں گرنے سے مستثنیٰ کر لیا جائے گا۔ الغرض جب خداوند عالم کی قدرت کے یہ مناظر نظروں کے سامنے ہیں کہ انسان کو بہترین پیکر میں پیدا کیا جا رہا ہے۔ وہ کمزوری سے قوت و جوانی کی طرف اور پھر جوانی سے بڑھاپے اور کمزوری یا پستی کی طرف لوٹ رہا ہے تو انسانی بدن میں یہ تغیرات قادر مطلق کی قدرت اور حکمت کا عظیم ثبوت ہیں ایک انسان کی ذات میں رونما ہونیوالے یہ تغیرات عالم پر واقع ہونیوالے تغیرات اور عالم کے شباب کے بعد اسکے بعد بڑھاپے اور زوال پر زبان حال سے پوری پوری گواہی دے رہے ہیں۔ ان دلائل کا مشاہدہ کرنے والا یہ قدرت و جرأت نہیں رکھتا وہ قیامت اور بعث بعد الموت کا انکار کر سکے۔

تو پھر اے مخاطب بتا اس کے بعد کون سی وہ چیز ہے جو تجھ کو منکر بنا رہی ہے۔ قیامت کے روز جزاء و سزا کے معاملہ میں اور کون سی وہ بات ہے جو اس امر پر انسان کو آمادہ کر رہی ہے کہ وہ بعث بعد الموت اور اعمال کی جزاء و سزا کو نہ مانے۔ حالانکہ یہ تمام دلائل و شواہد مجبور کر رہے ہیں کہ انسان قیامت پر ایمان لائے اور جزا و سزا پر یقین کرے۔ ان تمام دلائل اور عالم کے جملہ احوال و تغیرات کو دیکھنے والے انسان بتا۔ کیا نہیں ہے اللہ سب سے بڑا حاکم تمام حاکموں سے۔ ضرور بالضرور وہی سب سے بڑا حاکم ہے۔ سب مانتے ہیں اور ماننے پر مجبور ہیں۔ عقل کی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں اور اس کے احکام کائنات پر نافذ و جاری ہیں اور کائنات کی ہر چیز اس کے حکم کے سامنے سرنگوں ہے۔ دنیا جب سے قائم ہے اس کے حکم سے زمین و آسمان میں کوئی بھی سرتابی نہیں کر سکا۔ جانور۔ سورج۔ ہوائیں۔ بارش اور بادل چرند اور پرند غرض ہر چیز اسکی مطیع و فرمانبردار ہے۔

ابرو باد و مہ و خورشید و فلک در کارند تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری

آب و باد و خاک آتش بندہ اند با من و تو مردہ با حق زندہ اند

(باقی حاشیہ ص ۴۹۴) ساتھ اعمال و کردار کی خوبی اور عظمت بھی جمع ہو جائے۔ لیکن یہ انسان کی بدنصیبی ہے کہ وہ اپنے نفس کی بہیمیت اور گندگی میں پڑ کر پستی کا مقام اختیار کر لیتا ہے اور اسفل السافلین کی طرف لوٹ جانا قضا و قدر کے فیصلہ یعنی تقدیر الٰہی سے ہے اس وجہ سے اس کی نسبت حق تعالےٰ نے اپنی جانب فرمائی اور انسان چونکہ اپنے اعمال و افعال کا خود اپنے ارادہ اور اختیار سے کاسب ہے اس وجہ سے ظاہر ہے کہ اس ارتکاب پر وہ سزا کا مستحق ہوگا۔

لیکن اس ذلت اور پستی کے مقام میں گرنے سے وہ لوگ محفوظ رہیں گے۔ جو ایمان لائیں اور عمل صالح کریں۔ تو یقیناً تعر ذلت اور پستی میں گرنے سے مستثنیٰ رہیں گے تو اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کا استثناء بظاہر اسی مفہوم کی تائید کر رہا ہے۔ اور یہی مفہوم زیادہ احسن معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص سورۂ والتین پڑھتے ہوئے اس آیت "اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ" پر پہنچے تو اس کو کہنا چاہیئے۔ بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰاھِدِیْن کہ بے شک اللہ ہی ضرور احکم الحاکمین ہے اور میں اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔

فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں نماز کے سوا جب بھی یہ آیت تلاوت کی جائے تو ان کلمات کا کہنا مسنون ہے۔ لیکن دیگر فقہاء اور ائمہ نماز میں بھی مسنونیت کے قائل ہیں۔

تینؔ اور زیتون کی تفسیر

ائمہ مفسرین اور حضرات محدثین و مؤرخین سے تینؔ و زیتون کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کیئے گئے ہیں۔

۱۔ اکثر علماء کا قول تو یہی ہے کہ تین سے انجیر کا درخت اور زیتون سے یہی زیتون کا معروف درخت اور ان کے پھل مراد ہیں ان کے قسم کھانے کی غرض اور ان قسموں پر انسانی شرف کے مضمون کو مرتب کرنے کی حکمت یہی ہے کہ ان میں بڑے ہی فوائد و منافع قدرت نے رکھے ہیں۔ چنانچہ انجیر عجیب پھل ہے جس میں نہ گٹھلی ہے نہ پوست۔ غذا بھی اور دوا بھی جو متعدد امراض کے لیئے نہایت نافع ہے اور سریع الہضم بھی ہے۔ اطباء کے بقول گردوں کو صاف کرتا ہے بلغم اور اس کے اثرات کو دور کرتا ہے۔ جگر اور طحال کے لیئے بھی مفید ہے اور مصلح ہے۔ پھر یہ کہ بلا تکلف کھایا جا سکتا ہے۔ اس کے درخت میں نہ کانٹا ہے اور نہ درخت اس قدر اونچا ہے کہ اس پھل کے حاصل کرنے میں کوئی دقت و مشقت ہو۔ اسی طرح زیتون بھی ہے کہ اپنے اندر بے شمار فوائد رکھتا ہے تو یہ دونوں پھل گویا اپنی خوبیوں کے باعث انسانی کمالات سے مشابہت رکھتے ہیں۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے جیسا کہ کعبؓ سے منقول ہے کہ تینؔ و زیتون دو شہروں کے نام ہیں "تین" قدیم تاریخ میں دمشق کو کہا جاتا تھا۔ اور "زیتون" بیت المقدس کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں شہر اس لحاظ سے کہ حضرات انبیاءؑ کا مولد و مسکن ہوئے ہیں متبرک ہیں بیت المقدس وہ اللہ کا گھر ہے جو اولاد اسحاقؑ اور بنی اسرائیل کے انبیاء کا قبلہ اور اسلام میں بھی ہجرت کے بعد سولہ یا سترہ ماہ کے لیئے قبلہ رہا جس کو قرآن کریم نے اَلَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ فرمایا۔

اور ظاہر ہے کہ جو سرزمین انبیاء علیہم السلام کا مولد و مسکن ہو اور اللہ کے پیغمبر وہاں عبادت کرتے رہے ہوں بلاشبہ بڑی ہی بابرکت زمین ہے۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دو پہاڑوں کے نام ہیں اور بعض ائمہ مفسرین و محققین اسی قول کو زیادہ بہتر قرار دیتے ہیں۔ تورات سفر استثناء باب ۳۳ کی بشارت کے پیش نظر جس میں یہ فرمایا گیا۔ "خداوند سیناء سے آیا اور شاعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لیئے تھی" اس بات کو تو اہل کتاب بھی تسلیم کرتے

ہیں کہ سینائے سے کوہ سینا مراد ہے اور وہاں سے خداوند کا آنا حضرت موسیٰؑ پر تجلی کرنا اور شرف ہم کلامی عطا کرنا لیکن شعیر اور فاران سے جلوہ گر ہونے کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر محمول کرنے کی بجائے فلسطین کے دو پہاڑوں کے نام بتاتے ہیں۔ بالفرض اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر دس ہزار قدسیوں کی کیا تاویل کریں گے۔ اس لئے حقیقت یہ ہے کہ شعیر سے بیت المقدس کے پہاڑ مراد ہیں۔ مگر وہ پہاڑ جس پر شہر بیت المقدس واقع ہے اس کے دو ٹکڑے ہیں۔ جن میں ایک کو اب تک جبل زیتون کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور دوسرے کو تین کہتے ہیں اور فاران ظاہر ہے مکہ مکرمہ کا پہاڑ ہے جہاں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے اور فتح مکہ کے وقت آپؐ نے دس ہزار قدسیوں کے ساتھ مکہ فتح کیا۔ اور آپؐ کے ہاتھ کی آتشی شریعت نے مکہ کے بُت خانوں کو جلا کر خاک کر ڈالا اور عالم سے کفر و شرک کو مٹا دیا تو اس بشارت سے بھی ان چار مقدس مقامات کا مفہوم واضح ہو رہا ہے۔ اور مناسب ہوا کہ ان کی قسم کھا کر جہاں سے نبوت و رسالت کا آفتاب طلوع ہوا۔ اور اس کے نور نے دنیا کو منور کیا۔ انسان کی سعادت و شقاوت کا مضمون بطور جواب قسم مرتب کیا جائے۔

تم بحمد اللہ تعالیٰ تفسیر سورۃ التین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُورَةُ العَلَق

سورۃ العلق مکیہ ہے جس کی انیس آیات ہیں

وحی الٰہی کا آغاز اسی سورت مبارکہ کی ابتدائی پانچ آیات سے ہوا۔ اسی پر تمام امت اور ائمہ مفسرین کا اجماع ہے اس سورت کا سب سے پہلا موضوع تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کی ابتدائی کیفیت اور حالت کا بیان کرنا ہے پھر انسان کی اس کمزور اور غلط فطرت کا بیان ہے کہ جس قدر اس پر اللہ کے انعامات ہوں اس کی سرکشی و طغیانی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں مشرکین مکہ میں خاص اشقیاء کی شقاوت کا ذکر ہے۔ جیسے کہ ابوجہل۔ وہ اس کو بھی برداشت نہیں کرتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرم مکہ میں نماز ہی پڑھ لیں۔ چنانچہ اس نے ایک روز غلاظتوں کا انبار اور ایک ذبح شدہ اونٹ کا اوجھ جو گوبر اور نجاستوں سے بھرا ہوا تھا۔ پشت مبارک پر لا کر رکھ دیا۔ وہ اور اس کے ساتھی اس بیہودگی پر خوب ہنسنے اور قہقہے لگانے لگے۔ تو اس سورت میں اس تاریخی شقاوت کا بھی ذکر ہے اور ساتھ حق تعالیٰ شانہ،

کے عذاب اور قہر کی وعید ہے کہ اللہ رب العزت کے علم اور نظر سے یہ بدبختی کا عمل مخفی نہیں اور وہ وقت عنقریب آنے والا ہے کہ جہنم کے فرشتے ایسے مجرموں کو پکڑ پکڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے. بلکہ دنیا ہی میں اللہ نے اپنے قہر اور گرفت کا منظر دکھا دیا کہ یہ تمام اشقیاء اور بدبخت غزوۂ بدر میں مارے گئے۔ ابو جہل زخمی ہوا اس کا سر قلم کرنے والے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے کان میں رسی باندھ کر گھسیٹتے ہوئے حضورؐ کے سامنے لے آئے۔ اور حرم مکہ میں جن بدبختوں کے نام لے لے کر حضورؐ نے بددعا فرمائی۔ وہ سب کے سب مارے گئے اور ان کے مردار اور لاشیں بدر کے ایک کنوئیں میں ڈالدی گئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں تشریف لاکر ان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا۔ إِنَّا وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا۔" کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ پورا پالیا۔ جو تم سے کیا گیا تھا۔ ہم نے اس وعدہ کو پوری طرح پالیا جو ہمارے رب نے ہم سے کیا تھا۔

ابتداء سورت میں قراءۃ اور تعلّم کی دعوت دی گئی اور سورۃ کی انتہاء نماز اور بارگاہ خداوندی میں سجود اور امر بالتقرب کے مضمون پر کی گئی جس سے یہ ظاہر ہوا کہ انسانی فوز و فلاح کی ابتداء قراءت اور علم سے ہے اور اس کی منزل و مقصود و انتہاء عبادت اور قرب خداوندی ہے تو اس طرح وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ؛ پر سورت ختم فرمائی گئی۔

آیاتہا ۱۹ ۹۶ = سُوْرَۃُ الْعَلَقِ مَکِّیَّۃٌ = ۱ رکوعہا ۱

سورۂ علق مکی ہے اس میں اُنیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ

پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے بنایا - بنایا آدمی لہو کی

عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴

پھٹکی سے۔ پڑھ، اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم سے۔

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝۶

سکھایا آدمی کو جو نہ جانتا تھا - کوئی نہیں! آدمی سر چڑھتا ہے -

اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی ﴿۷﴾ اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰی ﴿۸﴾ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ

اس سے کہ دیکھے آپکو محظوظ ۔ بیشک تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے۔ تو نے دیکھا وہ جو

یَنْهٰی ﴿۹﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ﴿۱۰﴾ اَرَءَیْتَ اِنْ كَانَ عَلَی الْهُدٰۤی ﴿۱۱﴾

منع کرتا ہے۔ ایک بندے کو جب نماز کرے؟ بھلا دیکھ تو اگر ہوتا نیک راہ پر۔

اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی ﴿۱۲﴾ اَرَءَیْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ﴿۱۳﴾ اَلَمْ یَعْلَمْ

یا سکھاتا ڈر کے کام ۔ بھلا دیکھ تو! اگر جھٹلایا اور منہ موڑا ۔ یہ نہ جانا

بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی ﴿۱۴﴾ كَلَّا لَىِٕنْ لَّمْ یَنْتَهِ ۙ۬ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِیَةِ ﴿۱۵﴾

کہ اللہ دیکھتا ہے ۔ کوئی نہیں اگر باز نہ آوے گا۔ ہم گھسیٹیں گے چوٹی پکڑ کر۔

نَاصِیَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾ فَلْیَدْعُ نَادِیَهٗ ﴿۱۷﴾ سَنَدْعُ

کیسی چوٹی، جھوٹی گنہگار ۔ اب بلاوے اپنی مجلس کو۔ ہم بلاتے ہیں

الزَّبَانِیَةَ ﴿۱۸﴾ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾ السجدة

پیادے سیاست کرنے کو۔ کوئی نہیں! نہ مان اس کا کہا، اور سجدہ کر، اور نزدیک ہو ۔

ع ۱۹ ۱ ۲۱

آغاز وحی بامر قرأۃ باسم ربّ العالمین ومذمّت وتہدید بر مخالفت رسولؐ خدا

قال اللہ تعالیٰ۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔۔۔۔ الیٰ۔۔۔۔۔ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ

یہ بات اجماعِ امت سے ثابت ہے کہ وحی الٰہی کا آغاز سورۃ اقرأ کی پہلی پانچ آیات یعنی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ سے عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ، تک کے نزول سے ہوا۔ جمہور صحابہ اور روایاتِ صحیحہ سے بھی ثابت ہے پھر تعلیم سوال اور نماز میں پڑھنے کے لئے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی تو سورتوں میں نازل ہونے والی یہ پہلی سورت ہوئی۔ اسی بناء پر حضرت علیؓ سے ایک روایت میں سورۃ فاتحہ کی اوّلیت بیان

کی گئی۔ ان پانچ آیات کے نازل ہونے کے بعد کچھ عرصہ سلسلۂ وحی منقطع رہا۔ اور اس انقطاع یعنی فترتِ وحی کے بعد سب سے پہلے یَاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ نازل ہوئی۔ اور حضرت جابرؓ سے جو سورۂ مدثر کی نزول میں روایت بیان کی گئی۔ اس کا یہی مفہوم ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے اس کی وضاحت وھو یحدث عن فترۃ الوحی کہہ کر فرما دی۔

اس سورت مبارکہ کی کیفیت نزول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے اس طرح ثابت ہوئی جیسے کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو صحیح بخاری کے، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میں بیان فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ پہلے آپ کو مبارک اور سچے خواب نظر آنے لگے اور جو خواب بھی دیکھتے وہ صبح صادق کی روشنی کی طرح ظاہر و نمودار ہوتا۔ پھر آپؐ کو خلوت نشینی کی رغبت ہوگئی۔ آپ غار حراء میں جا کر عبادت کرنے لگے جہاں کچھ دن اور راتیں رہتے پھر گھر آتے اور کچھ توشہ لے کر چلے جاتے یہاں تک کہ اسی غار حراء میں آپ پر حق ظاہر ہوا اور اللہ کا فرشتہ آپ کے سامنے آیا اور کہا اِقْرَأْ (پڑھو) جس کے جواب میں آپ نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِئٍ (کہ میں تو ایسا نہیں کہ پڑھ سکوں) فرمایا فرشتہ نے مجھ کو پکڑ کر بھینچا اور خوب زور سے دبایا کہ مشقت اور تکلیف انتہاء کو پہنچ گئی اور پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ اِقْرَأْ میں نے پھر وہی جواب دیا مَا اَنَا بِقَارِئٍ۔ فرشتہ نے اسی طرح پھر تیسری مرتبہ پکڑ کر دبایا اور چھوڑ کر کہا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ - خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ - اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ان آیات کے ـــــ نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر لوٹے اور آپ پر کپکپی اور لرزہ طاری تھا۔ آپ نے گھر جا کر فرمایا زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ تو گھر والوں نے کمبل یا چادر اڑھائی اور پھر آپ نے غار حراء کا قصہ بیان کرتے ہوئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اِنِّيْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ، کہ مجھے تو اپنی جان کا ڈر ہوا وحی کی ہیبت وعظمت اور فرشتہ کو ایسی حالت میں دیکھ کر۔ اس کو سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کو تسلی دی کہ آپ میں یہ کمالات ہیں کہ آپ سچ بولتے ہیں۔ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں بے سہارا لوگوں کو کما کر کھلاتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں اور پیش آنے والے حوادث وواقعات میں آپ لوگوں کی مدد کرتے ہیں تو جب آپ میں یہ کمالات اور اوصاف حسنہ ہیں تو خداوندِ عالم ہرگز آپ کو ناکام اور شرمندہ نہ کریں گے پھر آپ کو اپنے ابن عم ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو انجیل کا ترجمہ کر رہے تھے اور شرک و بُت پرستی سے نفرت کرتے ہوئے اس زمانہ کا دین سماوی یعنی نصرانیت اختیار کر لی تھی۔ ورقہ بن نوفل نے تمام واقعہ سن کر تصدیق کی اور کہا هٰذا الناموس الذی انزل اللہ علی موسیٰ۔ یعنی یہ تو وہی اللہ کا قاصد ہے جو اللہ نے حضرت موسیٰؑ پر اتارا تھا۔ اور اس بات کی بھی تمنا کی کہ کاش اس زمانہ میں جب کہ آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔ اگر میں زندہ ہوں تو آپ کی بڑی ہی قوت و ہمت کے ساتھ مدد کروں گا۔ تو اس طرح آپ کو حضرت خدیجہؓ نے استدلالِ عقلی کے رنگ میں تسلی دی۔ اور

ورقہ بن نوفل نے استدلالِ شرعی کے انداز میں تسلی دی اور آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی اس کے بعد سلسلۂ نزولِ وحی منقطع ہوگیا اور مشہور و راجح قول کی بناء پر تقریباً پونے تین سال وحی منقطع رہی تاآنکہ پھر وحی کا سلسلہ سورۂ مدثر کے نزول سے شروع ہوا۔ اور آیات یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ کے نزول سے آپ مامور بالرسالۃ فرما دیئے گئے۔ اور تبلیغ و دعوت کا حکم دے دیا گیا اور پھر پے در پے سلسلہ نزول وحی کا شروع ہوگیا۔ تو یہ پانچ آیات سب سے پہلی آیات ہیں جن سے وحی الٰہی کا سلسلہ شروع ہوا اور آپ کو منصب نبوت سے سرفراز فرمایا گیا۔ اور اللہ کے فرشتہ کی طرف سے اقرأ کے خطاب اور امر پر آپ نے جو ارشاد فرمایا تھا ما انا بقارئ کہ میں تو ایسا نہیں ہوں کہ پڑھ سکوں۔ اس کے جواب کے طور پر وحی الٰہی کا آغاز ہی ان کلمات سے ہوا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ یعنی آپ کو قرأت اور پڑھنے کا حکم بارگاہ ربّ العزت سے آپ کی صلاحیت اور قدرت کی بناء پر نہیں دیا جا رہا ہے بلکہ پڑھیئے اپنے رب کے نام سے اور اس کے نام کی مدد سے۔ جس نے پیدا کیا ہے ہر چیز کو اور کائنات کی ہر چیز کو عدم سے وجود عطا فرمایا۔ تو جو ذات عدم سے وجود عطا کرنے والی ہے وہ ایک جاندار اور حس و شعور رکھنے والے انسان کو قرأت کا وصف کیسے نہیں عطا کرسکتی۔ اس کی شان خالقیت اور حکمت کے سوتے تو اظہر من الشمس ہیں۔ چنانچہ اس نے پیدا کیا انسان کو ایک جمے ہوئے خون سے۔ جو نطفہ کی شکل سے جمے ہوئے خون کی شکل اختیار کرتا ہے پھر وہی خدا اس میں نشوو نما کی صلاحیت دیتا ہے اور اس میں ہاتھ پاؤں آنکھ ناک۔ کان بنانا یہ سب کچھ اسی کی صناعی ہے تو جس خلاق حکیم نے ایک قطرہ کو اس طرح تغیرات کے ساتھ یہ سب کچھ عطا کیا ہے وہ ایک زندہ بینا و بصیر انسان میں جو اگرچہ پڑھا ہوا نہیں قرأت کی صفت نہیں دے سکے گا تو آپ کو اس رب خالق اور صناع حکیم کے نام سے کہا جا رہا ہے کہ پڑھیئے[ع] اور اگر یہ تصور و خیال ہو کہ ایسی عظیم صفت اور خوبی کس طرح دے دی جائے گی تو فرمایا گیا اور آپ کا رب تو بڑا ہی کرم والا ہے۔ اس لیئے یہ گرانقدر فضل و انعام اس ربِ کریم کی طرف سے حاصل ہونے ہیں کوئی تعجب اور تامل نہ ہونا چاہیئے اور نہ ہی یہ سوچنے کی گنجائش ہے کہ اتنا عظیم اور بھاری کام کس طرح انجام دیا جائے گا تو وہ ربّ کریم اپنی غیبی مدد سے اس کو آسان کر دے گا۔

لیکن اس کے بعد اگر یہ خیال ہو اور تردّد و تجسس کہ آخر اس قدر بڑی نعمت کس طرح حاصل ہوگی تو اس حیرت و تردد کو دُور کرنے کے لیئے فرمایا۔ وہ رب جس نے علم سکھایا قلم کے ذریعہ۔ اور یہی قلم دنیا میں ایک

ع پہلی مرتبہ اِقْرَاْ نفسِ قرأت مطلوب ہونے کی حیثیت سے فرمایا گیا تو دوسری مرتبہ اس امر سابق کی تعمیل پر آمادہ ہونے اور اس کی عملی صورت میں پورا کرنے کے لیئے کہا گیا کہ بس پڑھیئے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اِقْرَاء اول سے علوم باطنیہ کا پڑھنا مراد ہے اور اقراء ثانی سے علوم ظاہرہ۔ لیکن پہلی توجیہ عربیت کی رو سے زیادہ قوی ہے۔ ۱۲۔

قرن سے دوسرے قرن تک اور ایک نسل سے دوسری نسل تک علوم منتقل کرنے والا ہے کیا وہ اپنے فرشتہ کے ذریعے لوح محفوظ اور ملاء اعلیٰ کے علوم اپنے پیغمبر کی طرف نہیں منتقل کرسکے گا؟ جس نے انسان کو وہ سکھایا جو نہیں جانتا تھا۔ تو جب قلم کے ذریعے دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشہ تک اور ایک قوم سے دوسری قوم تک علوم پہنچتے ہیں اور انسان وہ علوم سیکھ جاتا ہے جو اس کو پہلے معلوم نہ تھے۔ تو اے ہمارے پیغمبر آپ کو کیا تعجب ہے کہ اسی طرح خداوند عالم جبریلؑ اور ملائکہ مقربین کے ذریعے ملاء اعلیٰ کے وہ علوم آپؐ کو سکھا دے جو اس سے پہلے آپ نہ جانتے ہوں۔ اور وہ پروردگار یہ علوم خواہ کسی ذریعہ اور واسطہ سے پہنچائے یا براہ راست قلب پر وارد کردے۔ وہ ہر صورت پر قادر ہے آخر انسان خواب میں غیب کی بہت سی باتیں دیکھتا ہے اور خود آپ کو بھی اس سے کچھ عرصہ قبل سچے اور مبارک خواب دکھائے گئے جو وحی الٰہی کا دیباچہ و تمہید تھے اور آفتاب رسالت کے طلوع سے قبل والی صبح صادق تھی۔ جن سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو گیا کہ القاء غیبی کی بہت سی صورتیں ہیں اور ان پر اللہ کو قدرت کاملہ ہے اور ان میں اصل وحی کے نزول اور وحی الٰہی کی قرآت پر قدرت کا ثبوت مکمل طور پر موجود ہے تو ان امور کے باعث آپ کو یہ خطاب الٰہی ہے اِقْرَاْ اور ان دلائل کے پیش نظر اب اس جواب کی گنجائش نہیں مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ عہ الغرض قدرت خداوندی کے یہ عظیم اور واضح دلائل اور نشانیاں ہوتے ہوئے اس امر کی گنجائش اور توقع نہ تھی کہ کوئی شخص اللہ کی خالقیّت اور اس کی ربوبیت و وحدانیت سے انکار کرے مگر افسوس خبردار! بے شک یہ سرکش انسان بہت ہی حد سے بڑھ جاتا ہے اگر وہ اپنے آپ کو دیکھے کہ وہ بے نیاز ہوگیا ہے۔ مال و دولت نے اس کو غنی کر دیا بلاشبہ یہ ایسے انسان کی غلطی اور بہت بڑا دھوکہ ہے اے مخاطب تجھ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یقیناً تیرے رب کی طرف واپس لوٹنا ہے۔ اور جس پروردگار نے اس کو پہلے پیدا کیا اسی کی طرف آخر لوٹنا ہے۔ اس وقت ایسے مغرور و سرکش انسان کی نخوت اور اس کا غرور و تکبر سب کچھ ختم ہو جائے گا اور اس سرکشی و خود فراموشی کی حقیقت کھل جائے گی۔ نہایت ہی حیرت اور افسوس کا مقام ہے۔ انسان باوجود ان دلائل و شواہد کے اپنے خالق کو نہ ماننے اس سے بڑھ کر تعجب کی بات ہے کہ دوسروں کو بھی رب حقیقی کی بندگی اور عبادت سے روکے تو اے مخاطب کیا دیکھا تو نے اس بدبخت انسان کو جو روکتا ہے اللہ کے ایک برگزیدہ بندہ کو اللہ کی بندگی سے جب وہ نماز پڑھے تو ظاہر ہے کہ اس تمرّد اور سرکشی سے بڑھ کر کیا درجہ ہو سکتا ہے کہ خود تو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منہ موڑ رہا ہے دوسرے کو بھی خدا کی عبادت نہیں کرنے دیتا۔ جیسا کہ ابوجہل لعین

عہ: یہ ہیں وہ پانچ آیات اِقْرَاْ سے مَا لَمْ يَعْلَمْ تک جو سب سے پہلے غارِ حراء میں نازل ہوئیں اور ان پانچ آیات میں درحقیقت آغاز وحی پر اقراء کے خطاب پر آپ نے مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ کہا تھا۔ اس کا جواب دیا گیا۔ یا اس پریشانی وحیرت کو دور کیا گیا جو آپ پر اس وقت طاری ہوئی تھی۔ جیسا کہ تفصیل سے ذکر کر دیا گیا۔ ۱۲۔

نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حرم مکہ میں جب نماز پڑھتے دیکھا تو برافروختہ ہو کر کہنے لگا کہ اگر میں نے آئندہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھا کہ کعبہ کے قریب نماز پڑھ رہے ہیں۔ تو میں العیاذ باللہ ان کی گردن روند ڈالوں گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ بدبخت ایسا کرے گا تو خدا کے فرشتے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے۔ اس طرح کہ لوگ اس منظر کو عیاناً دیکھتے ہوں گے ۔ع۱ ۔

بھلا اے مخاطب تو نے دیکھا اللہ کا یہ بندہ اگر ہدایت پر ہے یا اس نے تقویٰ کا دوسروں کو حکم دیا۔ اور خدا کے عذاب سے ڈرنے کی تلقین کی تو اس میں کون سی بات اس قدر مخالفت اور دشمنی کی تھی بلکہ ان دو باتوں میں اگر صرف ایک ایک ع۲ ہی بات ہوتی تب بھی یہ صفت اس امر کی موجب تھی کہ ایسے بندہ کی موافقت کی جاتی چہ جائیکہ اس کا مقابلہ اور دشمنی تو اس میں غصہ اور اشتعال کی کیا بات تھی ؟ لیکن افسوس اس کے برعکس اے مخاطب کیا تو نے دیکھا کہ اگر اس نے اللہ کی بات کو جھٹلایا اور منہ موڑا اور سرکشی و نافرمانی پر ڈٹا رہا تو ہمارا اس نے کیا بگاڑا خود اپنا ہی نقصان کیا۔ اور ہلاکت میں اپنے کو ڈالا۔ اس قسم کی روش سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس سرکش و نافرمان کو اس بات کا احساس نہیں ہے کہ اللہ یہ سب کچھ دیکھ رہا ہے اس بات پر بے شمار دلائل موجود ہیں تو کیا اس کو اب تک علم نہیں ہوا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ خیر جو کچھ بھی ہوا۔ اب اس سرکش انسان کو سن لینا چاہیئے کہ وہ اپنی ان حرکتوں سے باز آجائے۔ خبردار اگر یہ باز نہ آیا تو ہم گھسیٹیں گے اس کو پیشانی سے پکڑ کر ایسی پیشانی جو جھوٹی نافرمان خطا کار ہے۔ جب کہ دوزخ کے فرشتے پیشانی کے بل گھسیٹ کر دوزخ کی طرف لے جاتے ہوں گے اور اگر اس کو اپنی جماعت پر ناز ہے جیسا کہ ابو جہل نے کہا تھا کہ مکہ میں میری پارٹی سب سے بڑی ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنی جماعت کو بلالے ہم بھی بلا لیں گے اپنے پیادے اور جلاد ع۳ جو اس کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈالیں گے۔ یہ ملائکۂ عذاب ہوں گے ایسے مجرمین اور ان کے سرغنہ ابو جہل لعین اصل تو قیامت کے روز عذاب جہنم کی طرف گھسیٹے جائیں گے۔ لیکن اللہ نے ان کے واسطے اس

ع۱ : ایک روایت میں ہے کہ ابو جہل لعین نے اس موقعہ پر بیہودگی سے بات کی اور غصہ سے اونچی آواز سے تہدید و تنبیہ کے انداز میں بولنے لگا۔ آپ نے فرمایا اے ابو جہل مجھے کیوں دھمکی دے رہا ہے کہنے لگا تمہیں خبر نہیں اس وادی میں میری جماعت سب سے بڑی ہے (یعنی میں چیئرمین پارٹی ہوں) تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ۔ الخ - ۱۲-

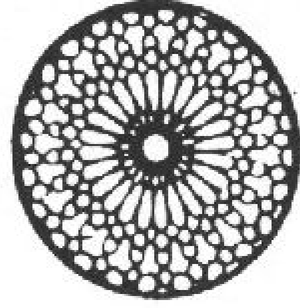
ع۲ : اس تعبیر میں لفظ اَوْ کی حکمت کی طرف اشارہ ہے۔

ع۳ : روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ ابو جہل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا۔ جبکہ آپ نماز میں مشغول تھے بے ادبی کرنے کے خیال سے ابھی وہاں پہنچا بھی نہ تھا کہ گھبرا کر پیچھے ہٹنے لگا۔ لوگوں نے سبب دریافت کیا تو کہا کہ مجھے اپنے اور محمدؐ کے درمیان آگ کی ایک دہکتی ہوئی خندق نظر آئی۔ جس کے سامنے مجھے پر رکھنے والی مخلوق نظر آ رہی تھی۔ زبانیہ کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے دوزخ کے فرشتے بیان کیے ہیں۔

عذاب و ذلت کو دنیا میں بھی مقدر فرما دیا۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کی لاشیں بدر کے ایک کنوئیں میں ڈال دی گئیں۔ اور یہ مردار لاشیں جب اس گڑھے میں بھر دی گئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں کھڑے ہو کر ان پر لعنت ملامت فرمائی۔ عـلہ۔

اے مخاطب خبردار! اس قسم کی باتوں سے کبھی مغالطہ اور دھوکہ میں نہ پڑنا۔ ہرگز اس کی بات نہ ماننا اور نہ اس کی دنیوی وجاہت اور مال و دولت سے متاثر ہونا۔ بلکہ پورا پورا اجتناب و پرہیز کرنا اور ایسی باتوں سے متاثر ہونے کی بجائے اپنے ہی رب کو سجدہ کرتے رہنا عـلہ اور اس کا قرب حاصل کرنا۔ کیونکہ سجدہ بندہ کے واسطے اللہ رب العزت کے قرب کا ذریعہ ہوتا ہے جیسے کہ ارشادِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم ہے اقرب ما یکون العبد من ربہ ھو ساجد فاکثروا فیہ الدعاء فقمن ان یستجاب۔ یعنی بندہ کو اپنے پروردگار سے زیادہ قرب اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ اپنے رب کے سامنے سربسجود ہو۔ اسی وجہ سے سجدہ میں کثرت سے دعا مانگو۔ قریب تر ہے کہ اس حالت میں تمہاری دعائیں قبول ہو جائیں۔

تم بحمد اللہ العزیز تفسیر سورۃ العلق۔



عـلہ: الغرض لنسفعًا بالناصیۃ ان مجرمین کے لئے دنیا میں بھی ہوا اور آخرت میں بھی اللہ کے فرشتے ان کی پیشانیوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے جہنم کی طرف لے جائیں گے۔

کافروں کو پیشانی سے پکڑ کر گھسیٹنا ان کی ذلت وخواری کے لیئے ہوگا۔ پیشانی انسان کے جسم میں سب سے زیادہ عزت اور کرامت کی چیز ہے تو اس کے ذریعہ کسی کو گھسیٹنا انتہائی تذلیل وتحقیر ہے تو کافر کے جس سر نے غرور ونخوت کی وجہ سے خدا کے سامنے جھکنے سے اعراض کیا۔ وہ اسی لائق ہے کہ اس کے بل گھسیٹ کر اس کو ذلیل وخوار کیا جائے۔ چنانچہ یہی وہ چیز ہے جو ارشاد فرمائی گئی۔ یَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ـــ اعاذنا اللہ عنہ۔ آمین۔

عـلہ: قرآن کریم میں آیات سجود میں یہ سب سے آخری آیت ہے۔ اور جمہور فقہاء اس پر وجوب سجدہ کے قائل ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ القدر

اس سورت میں خاص طور پر نزولِ قرآن کی ابتداء اور شب قدر کی عظمت و فضیلت بیان کی گئی ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت نے اس مبارک رات کو تمام زمانوں اور اوقات میں کیسی برتری عطاء فرمائی کہ اس ایک رات ہی کو ہزار مہینوں کی عبادت سے بڑھ کر قرار دیا۔ اور اس میں اللہ کی خاص تجلیات اس کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔ جبریل امینؑ اور فرشتوں کی جماعتیں ملاءِ اعلیٰ سے زمین پر اُترتی ہیں۔ عابدین و ذاکرین کی مجالس عبادت و ذکر میں حاضری ہوتی ہے اور اہل اللہ کے قلوب پر خاص سکینت و باطنی انوار کا ورود ہوتا ہے۔

آیاتُھَا ۵ ۹۷ = سُوْرَۃُ الْقَدْرِ مَکِّیَّۃٌ = ۲۵ رُکُوْعُھَا ۱

سورۂ قدر مکی ہے اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝۱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ

ہم نے یہ اُتارا شب قدر میں - اور تو کیا بوجھا کیا ہے شبِ

الْقَدْرِ ۝۲ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۳ تَنَزَّلُ

قدر ؟ شب قدر بہتر ہے ہزار مہینے سے ۔ اُترتے ہیں

الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝۴

فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر ۔



سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝۵

امان ہے وہ رات صبح کے نکلنے تک ۔

عظمت شب قدر و ماہ رمضان بنزول قرآن

قال اللہ تعالیٰ ۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔۔ ہِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ

(ربط) گزشتہ سورۂ اِقْرَاْ میں آغاز اور ابتداء بعثت کا ذکر تھا۔ اب اس سورت میں نزول قرآن کا زمانہ اور شبِ قدر کی فضیلت بیان کی جا رہی ہے جس میں اللہ رب العزت نے قرآن جیسی نعمت اور عظیم کتابِ ہدایت نازل فرمائی۔

یا یہ کہہ دیجئے کہ گزشتہ سورت میں انسان پر عنایات والطاف خداوندی کا ذکر تھا۔ اور اس کی ترقیات کا۔ اب اس مناسبت سے انسانی سعادت اور فوز و فلاح کی اصل اساس کتاب الٰہی اور قرآن حکیم کا نزول بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ شبِ قدر میں ہوا، جس میں عقائد عبادات معاملات تہذیب نفس، اور سیاست مدینہ کے جملہ اصول و احکام موجود ہیں اور پھر یہ کہ انسان حصول سعادت میں جد و جہد کا محتاج ہے اور عملی زندگی ہی اس کو فلاح و سعادت کی منزل تک پہنچاتی ہے امم سابقہ طویل طویل مدتوں تک۔ عبادات شاقہ کر کے بارگاہِ رب العزت میں جو تقرب حاصل کرتی تھیں۔ وہ اس امت کے لیئے ایک رات کی چند گھڑیوں میں ہی مقدر فرما دیا۔ ارشادِ مبارک ہے۔

بے شک اتارا ہے ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں۔ اور اے مخاطب تو جانتا بھی ہے کہ کیا ہے شبِ قدر اس کی عظمت و برکت کیا ہے۔ اور کس وجہ سے کتاب الٰہی اس شب قدر میں اتاری گئی اس کا عنداللہ کیا درجہ ہے اور اس میں عبادت و ذکر الٰہی کا اجر و ثواب کس قدر ہے؟ اس کی حد اور حقیقت کا بیان تو کسی کے احاطۂ فہم میں نہیں آسکتا بس اتنا سمجھ لے کہ شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے کہ اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت کے ثواب سے بڑھ کر اور بہتر ہے۔ یہ ایسی رات ہے کہ اس میں اترتے ہیں فرشتے اور روح القدس یعنی جبریل امین اپنے رب کی اجازت اور حکم سے ہر امر خیر لے کر زمین کی طرف اور اللہ کی عبادت کرنیوالے ایماندار بندوں کی جانب جو رات سراپا سلام ہے کہ اس کا ایک ایک لمحہ سلامتی اور برکت و رحمت کا ہے جس میں فرشتوں کے گروہ پیغام سلامت و رحمت لے کر زمین والوں پر اترتے ہیں۔ ان کے واسطے دعا کرتے ہیں۔ ان کو سلام کرتے ہیں۔ اور یہ رات طلوع فجر تک رہتی ہے۔ کہ غروب شمس سے لے کر یہ انوار و برکات اور اللہ رب العزت کی تجلیات طلوع فجر تک مسلسل رہتی ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ اس کے جس حصہ میں بھی عبادت ہوگی وہ ان رحمتوں اور برکتوں کا باعث ہوگی جو اس شب میں اللہ کی طرف

سے رکھی گئی ہیں۔ اس میں قلب کو سکون و سرور حاصل ہوتا ہے۔ اہل اللہ اپنے قلب میں ایک چین ٹھنڈک محسوس کرتے ہیں۔ خشیت الٰہی کے آثار ان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور عجیب وغریب قسم کی طمانیت اور لذت وحلاوت اپنی عبادت میں محسوس کرتے ہیں۔

شبِ قدرؔ اور نزول قرآن

اس سورۃ مبارکہ نے واضح طور سے یہ بیان کر دیا کہ نزولِ قرآن لیلۃ القدر میں ہوا۔ سورۃ بقرہ میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ جس نے یہ ظاہر کیا کہ اللہ ربّ العزت نے اپنی کتاب قرآن حکیم نازل فرمانے کے لئے رمضان المبارک کا مہینہ مختص فرمایا اور اس میں مناسبت ظاہر ہے کہ اللہ کا کلام معجز نظام

ع: لفظ قدر دال کے فتح اور سکون کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ لغت میں دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ دال کے فتح کے ساتھ اسم ہے اور سکون کے ساتھ مصدر۔ از روئے لغت اس کے ایک معنی اندازہ کے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ۔ اور قدر شرف ومنزلت کو بھی کہا جاتا ہے۔ اہل لسان کہا کرتے ہیں فُلَانٌ ذُوْقَدْرٍ۔ لِفلانٍ عِنْدَ فلانٍ قدرٌ تو لیلۃ القدر میں دونوں باتیں ہیں۔ شرف ومنزلت بھی۔ اور یہ کہ اس کی عبادت کا اندازہ اللہ کے نزدیک ہزار مہینہ سے بڑھ کر ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس وجہ سے بھی اس کو لیلۃ القدر کہا جاتا ہے کہ اس رات میں سال بھر میں پیش آنے والی باتیں ملاء اعلیٰ سے طے کر دی جاتی ہیں۔ اور ایک معنی اور لفظ قدر کے تنگی کے بھی ہیں اور اس معنی کے لحاظ سے اس آیت میں لفظ قدر کا استعمال ہوا ہے۔ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ کہ جس کا رزق اس پر تنگ کر دیا گیا تو یہ معنی بھی لیلۃ القدر کے عنوان میں موجود ہیں اس طرح کہ کہہ دیا جائے لیلۃ القدر وہ رات ہے جس میں ملاء اعلیٰ سے زمین پر اور فضاء میں وہ انوار و برکات پھیل جاتے ہیں کہ زمین اور فضاء اس کے لئے تنگ ہو جاتی ہے۔ زہری رحؒ سے منقول ہے کہ اس رات میں نیک بندوں اور ان کے اعمالِ صالحہ کی خدا تعالیٰ اور ملاء اعلیٰ میں بڑی قدر ومنزلت ہے اس وجہ سے لیلۃ القدر کہا جاتا ہے ابوبکر ورّاق رحؒ کہتے ہیں اس رات کو لیلۃ القدر اس لئے کہتے ہیں کہ اس رات میں اللہ نے جو کتاب اتاری وہ بھی قابلِ قدر اور جس پیغمبر پر اتاری گئی وہ بھی قابل قدر اور افضل الانبیاء ہے اور جس امّت کے لئے نازل کی گئی وہ بھی قابلِ قدر اور خیر الامم ہے اور کوئی تعجب نہیں کہ اس سورۃ مبارکہ میں لفظ تین بار ان ہی تین عظمتوں کی طرف اشارہ کے لئے لایا گیا ہو۔ ۱۲۔

اس کے انوار و تجلیات کا مظہر ہے اور خیرات و برکات کا سرچشمہ ہے اور رمضان المبارک کا زمانہ اس کی تجلیات کا مظہر ہے اس وجہ سے حکمت الٰہیہ سے بھی مقدر فرمایا گیا کہ قرآن کریم رمضان المبارک اور شب قدر میں نازل ہو اور پھر یہ بھی ہے کہ دنیا میں کسی کے لیئے یہ امکان نہیں ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیدار خداوندی کر سکے تو اللہ نے اپنا کلام پاک نازل کر دیا اور اس کے کلام میں اس کی تجلیات۔ اس کا جلال و جمال ہے تو اس طرح محبین و عشاق کے لیئے یہ صورت عطا فرما دی گئی کہ وہ اس کا دیدار اس کے کلام میں کر لیں۔ اس کے کلام میں اس کا جلوۂ جمالؒ جلال سب کچھ نظر آجائے گا۔ تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ اور یہ امر بدیہی ہے کہ کلام کے پردہ میں متکلم کا چہرہ نظرہ آتا ہے۔

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

یہی وہ چیز ہے جو بیان کی گئی۔ ؎

چیست قرآں اے کلام حق شناس — رونمائے ربِ ناس آمد بناس

متعدد احادیث میں ہے کہ توراۃ و انجیل اور زبور بھی ماہ رمضان میں اتاری گئیں۔ یکم رمضان المبارک کو حضرت ابراہیمؑ پر صحیفے نازل ہوئے چھ رمضان کو توراۃ بارہ رمضان کو زبور اور اٹھارہ رمضان کو انجیل نازل ہوئی اور اخیر عشرۂ رمضان شب قدر میں قرآن کریم نازل فرمایا۔

کوہ طور میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے بامر خداوندی تیس دن عبادت کی۔ اس مدت کے پورا ہونے پر اللہ نے مزید دس دن کا اضافہ فرما کر چالیس دن پورے کر دیئے جیسا کہ ارشاد ہے وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ۔ چالیس روزے رکھے اعتکاف کیا۔ اس پر توراۃ عطا کی گئی۔ اللہ نے اپنی ہم کلامی کا شرف عطا کیا۔ ہم کلامی اور مناجات کی لذت سے شوق دیدار پیدا ہوا اور درخواست کر ڈالی رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ جواب ملا لَنْ تَرٰىنِيْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ اس کے بعد تجلیات میں سے ایک بہت ہی قلیل مقدار تجلّی کوہ طور پر پڑی تو جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا تو یہ جملہ احوال و امور یا کرامات و فضائل جو حضرت موسیٰؑ کو حاصل ہوئے خداوند عالم نے ان سب کو رمضان مبارک میں جمع کر دیا۔ روزہ و اعتکاف بھی آ گیا اور اتمام بعشر کی تعداد کو اعتکاف ہی کے ضمن میں ودیعت فرما دیا گیا کہ عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ ہو گیا اور رمضان کے تیس دنوں میں فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً کا درجہ پورا ہو گیا۔ تراویح اور قرآن کریم کی تلاوت میں وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ کا مقام آ گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو مناجات خداوندی اور کلام ربانی سے شوق دیدار پیدا ہوا تھا مگر جواب ملا تھا۔ لَنْ تَرٰىنِيْ مگر اس اُمت پر خاص عنایت یہ فرمائی گئی کہ اس نے اپنا کلام قدیم نازل کر کے اسی میں لذت دیدار رکھ دی۔ اسی میں اپنے جلال و جمال کے جلوے ودیعت فرما دیئے۔ کوہ طور پر تجلی ظاہر فرمائی گئی تھی تو اس امت کو بھی تجلیّ خداوندی سے محروم نہ رکھا گیا۔ شب قدر کی صورت میں اللہ نے اپنی تجلیات و

انوار سے نواز دیا۔ پھر وہ کوہِ طور والی تجلیؔ تو بظاہر عظمت وہیبت کے رنگ میں ظاہر وواقع ہوئی تھی جس کا یہ اثر ہوا تھا۔ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو جو تجلیؔ عطا کی گئی وہ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ کی شان لے کر لطف وجمال اور سکینت و طمانیت کی شکل میں واقع ہوئی۔ جس کی ٹھنڈک وطمانیت اہل اللہ اپنے قلوب اور حتیٰ کہ اپنے اجسام میں محسوس کرتے ہیں غرض وہ تمام مقامات جو اللہ نے موسیٰ کلیم اللہ کو عطا فرمائے تھے۔ رمضان۔ قرآن اور شبِ قدر میں امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وتحیۃ کو دے دیئے گئے۔ فللہ الحمد والمنۃ۔

حدیث میں ہے کہ جبرئیل امینؑ رمضانِ مبارک میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنِ کریم کا دور کرتے تھے اور جس سال آپؐ کا وصال ہوا اس میں دومرتبہ دور کیا۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ رمضان کا پورا مہینہ نہایت مبارک ہے مگر وہ انوار و برکات جو اس ماہ کے دنوں سے وابستہ ہیں وہ اور ہیں اور وہ انوار وبرکات جو راتوں سے متعلق ہیں وہ اور ہیں اور دن کے انوار و برکات روزہ کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں اور رات کے انوار و برکات افطار کی صورت میں۔ بظاہر یہی وجہ ہے کہ شریعت نے سحر کی تاخیر اور افطار کرنے میں تعجیل کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا لَا تَزَالُ اُمَّتِیْ بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوا الفطر وَاَخَّرُوا السحور۔

حضرت مجددؒ ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں کہ "حق تعالےٰ شانہٗ نے سال بھر کے انوار و برکات رمضان مبارک میں جمع کر دیئے۔ اور ان تمام برکات کا جوہر عشرۂ اخیرہ میں رکھ دیا اور پھر اس جوہر کا لباب اور عطر شب قدر میں ودیعت فرمادیا۔

یہ بات تو ظاہر ہے کہ مدت نزولِ قرآن تئیس برس ہے اور حسب ضرورت اور مصلحت تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا تو اس لحاظ سے شب قدر میں قرآن کریم اتارے جانے کا مفہوم یہ ہے کہ پورا قرآن کریم لوحِ محفوظ سے بیت العزۃ میں جو آسمان پر ایک جگہ ہے بیک وقت اتارا گیا۔

چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ انزل اللّٰہ القرآن جملۃً واحدۃً من اللوح المحفوظ الی البیت العزّۃ من السماء الدنیا ثُمَّ نَزَلَ مُفَصَّلاً بحسب الوقائع فی ثلثٍ وعشرین سنۃً علیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم لوح محفوظ سے بیت العزۃ (جو آسمان دنیا میں ایک مقام ہے) پر ایک ہی مرتبہ نازل فرما دیا تھا پھر حسب ضرورت وحکمت تئیس برس کی مدت میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اترتا رہا۔ اس بناء پر یہ بات قابل تردد نہ رہے گی کہ ابتداء وحی غار حراء سے ہوئی اور غار حراء کا واقعہ بروایت مؤرخین شوال کے مہینہ میں تھا۔

قرآن کریم میں ایک جگہ اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ۔ اور لیلۂ مبارکہ کی تفسیر اکثر مفسرین بروایت عکرمہؓ لیلۃ البراءۃ یعنی شعبان کی پندرھویں رات کرتے ہیں۔

تو بظاہر خلجان ہو سکتا ہے کہ لیلۃ مبارکہ میں نزول بظاہر لیلۃ القدر میں نزول کے خلاف ہے تو کچھ ائمہ مفسرین نے اس خلجان کو رفع کرنے کے لئے لیلۂ مبارکہ کے معنی لیلۃ القدر کے کر دیئے۔ لیکن بالعموم حضرات مفسرین روایات مرفوعہ کی تفسیر نیز اس وصف کے پیش نظر کہ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ، لیلۃ البراءۃ کے معنی کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ یہ صفت لیلۃ البراءۃ ہی کی ہے (جیسا کہ گذر چکا) اس وجہ سے مناسب یہ ہوگا کہ یہ کہا جائے کہ لیلۃ البراءۃ میں بارگاہ خداوندی سے لوح محفوظ سے بیت العزۃ میں اتارنے کا فیصلہ ہوا۔ اور پھر اس فیصلہ کے مطابق شب قدر میں بیت العزت پر پورا قرآن اتارا گیا اس کے بعد مختلف اور متعدد مواقع اور اماکن میں۔ آیاتِ قرآنیہ کا نزول ہوتا رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر آیت کے نازل ہونے کے بعد کاتبین وحی کو فرماتے کہ اس آیت کو فلاں جگہ اور سورت میں فلاں آیت کے بعد لکھو۔ تاکہ اس طرح یہ ترتیب بیت العزۃ اور لوحِ محفوظ میں جس ترتیب سے قرآن کریم ہے اس کے مطابق ہو جائے۔

شبِ قدر
اُمّتِ محمّدیہ کی خصوصیّت

بعض حضرات مؤرخین و محققین کا اس امر میں اختلاف نقل کیا گیا کہ لیلۃ القدر امم سابقہ میں بھی تھی یا نہیں۔ بعض مؤرخین نے بروایت مالکؒ یہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ کی طرف سے اس امر پر مطلع کیا گیا کہ آپؐ کی اُمت کی عمریں بہ نسبت امم سابقہ کے بہت کم ہوں گی تو آپؐ نے فرمایا اے پروردگار پھر تو میری اُمت کے لوگ اعمال صالحہ اور عبادات کے اس مقام تک نہیں پہنچ سکیں گے جو پہلی امتوں کے لوگ اپنی طویل ترین عمر کے باعث حاصل کر چکے تو اس پر اللہ تعالےٰ نے آپ کو لیلۃ القدر عطا فرمائی اور اس کو خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ، بنایا۔

علاوہ ازیں حدیث عبد اللہ بن عمرؓ جو تمثیل امم کے مضمون میں وارد ہوئی جس میں آپؐ نے اپنی امت کی مثال بہ نسبت پہلی امتوں کے یہ فرمائی کہ ایک جماعت مزدوری پر صبح سے ظہر تک لگائی گئی اور انہوں نے ظہر تک عمل کیا اور ان کو حسبِ معاملہ ایک ایک قیراط دے دیا گیا۔ دوسری جماعت نے ظہر سے عصر تک کام کیا اور ان کو بھی ایک ایک قیراط دے دیا گیا پھر تیسری جماعت لائی گئی اور انہوں نے عصر سے مغرب تک کام کیا اور ان کو دو دو قیراط دے دیئے گئے تو پہلی جماعتوں نے اعتراض کیا۔ نحن اکثر عملاً و اقل اجراً فقال هل ظلمتكم و هذا فضلي اوتيه من اشاء۔ کہ اے آقا ہم نے کام تو زیادہ کیا اور مزدوری ہم کو کم ملی یعنی ان لوگوں کو جنہوں نے کام کم کیا ان کو اُجرت زیادہ دی گئی تو مالک نے اس پر کہا۔ کیا تم پر

کوئی ظلم کیا گیا۔ بلکہ جو طے ہوا تھا وہ دے دیا گیا اور یہ جو زائد اس آخری جماعت کو دیا گیا یہ تو میرا انعام ہے جس کو چاہوں دوں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مثال بیان کر کے فرمایا۔ اے میری امت کے لوگو! بس تم ہی ہو وہ جو عصر سے لے کر مغرب تک کام کرنے والے ہو اور اس مختصر وقت میں عمل کر کے اُجرت اور ثواب تم ان لوگوں سے زیادہ حاصل کر رہے ہو جو عمل تم سے بہت زیادہ کرنے والے تھے۔

جمہور صحابہ اور ائمہ مفسرین و محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شب قدر رمضان کے عشرۂ اخیرہ کی کسی بھی طاق رات میں ہے ۲۱ سے لے کر ۲۹ تک کوئی بھی شب ہوتی ہے اور حکمت خداوندی سے اس کو مخفی ہی رکھا گیا اور حضرت ابو سعید خدریؓ یا ابی بن کعبؓ سے جو ۲۱ سے ۲۷ کی روایت صحاح میں منقول ہے وہ ان علامات کو دیکھنے کی بناء پر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب قدر کی ذکر فرمائی تھیں تو جس نے جو علامت جس رات میں دیکھی اسی کے بارہ میں بیان کر دیا اور اللہ کی حکمت اسی کو متقاضی تھی کہ ایک نوع سے اس کو اگر ظاہر کر دیا گیا تو دوسری نوع سے اس کو مبہم رکھا جائے تو اس لحاظ سے علامات میں ایسی علامات بیان کی گئیں جو شب قدر گذرنے کے بعد ظاہر ہوں مثلاً آپؐ کا یہ فرمانا کہ وہ رات ہے جس کے بعد صبح کو سورج طلوع ہوگا تو اس کی شعاعیں نہ ہوں گی بلکہ صرف اس کا قُرص نظر آتا ہوگا جس طرح کہرا اور ہلکے بادلوں میں شعاعوں کے بغیر سورج نظر آتا ہو (تفصیل کے لئے تفسیر ابن کثیر روح المعانی اور کتب حدیث ملاحظہ فرمائیں)

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ القدر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُورَةُ الْبَيِّنَة

اس سورت کا نام سورۂ لم یکن بھی ہے لیکن جمہور مفسرین نے بروایت صحیحہ اس کا نام سورۃ البیّنہ اختیار کیا ہے۔ یہ سورت اکثر حضرات محدثین و ائمہ مفسرین کے نزدیک مدنیہ ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے بعض مفسرین نے اس کو مکیہ بھی کہا ہے یہ بھی بیان کیا گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو مکیہ ہی فرمایا کرتی تھیں اس میں آٹھ آیات ہیں۔

بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ منکرین خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لانے سے انکار کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ جب تک کوئی بیّنہ (دلیل وحجت) سامنے نہ آئے ہم ایمان نہیں لائیں گے تو اس

میں اتمام حجّت کے طور پر بھی فرمایا گیا کہ یہ لوگ اس طرح کا عذر اور بہانہ بناتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کا رسول اور ان کی بعثت و نبوت ان کے کمالات و اوصاف بذات خود بیّنہ ہیں۔ قرآن کریم کی آیات تلاوت کرنے سے بڑھ کر اور کون سا بیّنہ ہوگا۔ تو اس ضمن میں اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے اعراض و بے رخی اور دلائل خداوندی سے بے توجہی کا ذکر ہے اسی کے ساتھ یہ بھی بیان کیا گیا کہ عبادت کی روح اخلاص و توحید ہے۔ اخیر میں یہ ذکر کیا گیا کہ اہل سعادت اور اہل شقاوت کا آخرت میں کیا انجام ہوگا اور اس پر بطور نتیجہ یہ امر مرتب کیا گیا کہ "سعداء" خیر البریّہ ہیں۔ اور وہ کفار و منکرین جو شقاوت و بدبختی میں مبتلا ہیں شر البریّہ ہیں۔

ایاتُھا ۸ — ۹۸ سُورَۃُ الْبَیِّنَۃِ مَکِیَّۃٌ ۱۰۰ — رکوعُھا ۱

سورہ بیّنہ مکی ہے اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ

نہ تھے وہ لوگ، جو منکر ہیں کتاب والے اور شریک والے

مُنْفَکِّیْنَ حَتّٰی تَاْتِیَھُمُ الْبَیِّنَۃُ ۝۱ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتْلُوْا

باز آتے، جب تک کہ پہنچے ان کو کھلی بات۔ ایک رسول اللہ کا پڑھتا

صُحُفًا مُّطَھَّرَۃً ۝۲ فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ ۝۳ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِیْنَ

ورق پاک۔ ان میں لکھی کتابیں مضبوط۔ اور پھوٹے جو ہیں، جن کو

اُوْتُوا الْکِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْھُمُ الْبَیِّنَۃُ ۝۴ وَمَآ

ملی ہے کتاب، سو جب آچکی ان کو کھلی بات۔ اور انکو

اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ۵

حکم یہی ہوا کہ عبادت کریں اللہ کی نری کر کر اس کے واسطے بندگی۔

حُنَفَآءَ وَيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ

ابراہیم کی راہ پر، اور کھڑی کریں نماز اور دیں زکوٰۃ، اور یہ ہے

دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝۵ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

راہ مضبوط لوگوں کی۔ وہ جو منکر ہوئے کتاب والے۔

وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ

اور شریک والے، دوزخ کی آگ میں، سدا رہیں اس میں۔ وہ لوگ ہیں

هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝۶ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ

بدتر سب خلق کے۔ وہ لوگ جو یقین لائے اور کیے بھلے کام،

اُولٰۗىِٕكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝۷ جَزَاۗؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ

وہ لوگ ہیں بہتر سب خلق کے۔ بدلہ ان کا ان کے رب کے ہاں، باغ ہیں

عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ

بسنے کے، نیچے بہتی ان کے نہریں سدا رہیں ان میں ہمیشہ،

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝۸

اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔ یہ ملتا ہے اس کو جو ڈرا اپنے رب سے۔

ذات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم و آیاتِ قرآن سرچشمۂ علوم و برہانِ ہدایت

قال اللہ تعالیٰ: لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ

(ربط) گزشتہ سورت القدر میں شب قدر کی عظمت و فضیلت کا ذکر تھا۔ اس مناسبت سے اب اس سورت میں قبولیت عبادت کی اساس بیان کی جارہی ہے کہ وہ بندہ کا اخلاص اور قلب کی طہارت ہے اور اسی کا نام حنیفیت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شعار تھا۔ نیز یہ کہ سورۂ قدر میں لیلۃ القدر کی فضیلت

بیان کی گئی تھی تو اب اس سورت میں سعادت و شقاوت کے اصول بیان کیے گئے تاکہ ایمان و کفر اور ہدایت و گمراہی میں کسی کو التباس نہ رہے۔ تو ارشاد فرمایا۔

نہیں تھے باز آنے والے وہ لوگ جو کافر ہیں اہل کتاب میں اور مشرکین یہاں تک کہ نہ آجائے ان کے پاس واضح دلیل و حجت۔ وہ واضح دلیل و حجت اللہ کا رسول جو ان کے سامنے تلاوت کرتا ہے۔ ایسے صحیفے جو پاکیزہ ہیں۔ جن میں ایسے مضامین ہیں لکھے ہوئے جو نہایت ہی درست اور مضبوط ہیں وہ صحیفے اور مکتوب مضامین قرآن کریم کی آیات ہیں۔ جن کی مضبوطی اور دلائل و براہین کی رُو سے استقامت میں ذرّہ برابر فرق نہیں فلاح و سعادت کے اصول ایسے روشن ہیں کہ کسی قسم کا ابہام و خفا نہیں۔ تو اللہ کی طرف سے ایسے رسول کی آمد بذاتِ خود ایک بیّنہ اور کھلا ثبوت ہے۔ پھر اس رسولِ خدا کا قرآن کریم جیسی پاکیزہ کتاب اور بلند پایہ مضامین رشد و فلاح کی عظمت و بلندی کی بھی کوئی حد نہیں۔ اللہ کے اسی رسول کی اور ان کی طرف سے تلاوت آیات ہی کی یہ برکت تھی کہ دورِ جاہلیت کے وہ عرب جو کفر کی ظلمتوں میں غرق تھے نورِ ہدایت سے مشرف ہوئے۔ ورنہ توقع نہ تھی، کہ اس طرح کی گمراہیوں میں مبتلا ہونے والی قوم راہ راست پر آتی۔

بہرکیف اس واضح دلیل اور کتاب ہدایت کے بعد چاہیئے تو یہ تھا کہ کم از کم اہل کتاب جو کہ اہل علم و فہم تھے وہ ایمان لاتے اور اس سعادت کی طرف دوڑتے لیکن عجیب بات کہ ایسا نہ ہوا اور اس کے برعکس نہیں مختلف و متفرق ہوئے اہل کتاب مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح ثبوت آچکا۔ خود ان کی کتابوں اور ان کے انبیاء کے ذریعے کہ یہی رسولِ خدا اللہ کے آخری سچے رسول ہیں اور ان پر نازل ہونے والی کتاب قرآن کریم اللہ کا کلام ہے؏ تو اس طرح اہل کتاب میں سے کچھ ایمان لائے جیسے کعب احبارؓ۔ عبداللہ بن سلامؓ اور سلمان فارسیؓ وغیرہ اور کچھ نے انکار کیا محض عناد اور تعصب کی وجہ سے جب اہل کتاب ہی علم اور دلائل کی معرفت کے باوجود اللہ کے رسول اور قرآن کریم پر ایمان لانے کے بجائے مختلف و متفرق ہوگئے تو مشرکین کا کیا کہنا۔ وہ نہ کتاب والے تھے اور نہ ان کے پاس کسی نبی کی کوئی شہادت اور بشارت تھی، بہرکیف ایسے رسول عظیم اور کتاب بلند پایہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ سب مل کر حق کو قبول کرتے اور کوئی بھی گروہ اس میں اختلاف نہ کرتا۔

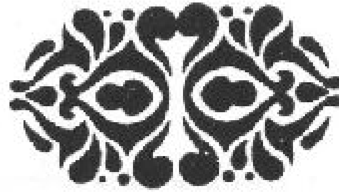
حالانکہ ان کو تو صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ بس اللہ ہی کی عبادت کریں اسی کے لیئے اپنی عبادت کو خالص کرتے ہوئے کہ غیر اللہ کا کوئی شائبہ بھی نہ ہو یکسو ہو کر ہر باطل سے اپنا منہ موڑ کر اور احکام خداوندی کی اطاعت کرتے ہوئے نماز قائم کرتے رہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ بس یہی طریقہ ہے مضبوط اور صحیح ملت و شریعت کی پیروی کا اسی کی اتباع و پیروی میں ہدایت اور نجات مضمر ہے۔

جب کہ اس کا میثاق اہل کتاب سے لے لیا گیا تھا جیسے کہ ارشاد ہے وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ

؏ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے یہاں البیّنہ کا مصداق حضرت مسیح علیہ السلام کو قرار دیا ہے جو کھلی نشانیاں لے کر آئے اور فارقلیط کی بشارت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت سنائی اور ان پر ایمان لائے۔

اِسْرَآءِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۔ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ ۔ الخ۔ تو اس عہد وپیمان کا تقاضا یہی تھا کہ اخلاص کے ساتھ ایمان لاتے پابندی سے احکامِ دین کی اطاعت کرتے مگر بہت سے اہلِ کتاب نے ایسا نہ کیا تو اس طرح نبی کریمؐ پر ایمان نہ لاتے اور قرآن کریم کو نہ ماننے سے خود اہل کتاب نے اپنی کتاب کا اور خود اپنے رسول ہی کا کفر کیا۔ اس وجہ سے بے شک جو لوگ اہل کتاب میں سے منکر و کافر ہوئے اور مشرکین وہ جہنم کی آگ میں ہوں گے۔ جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ لوگ بلاشبہ بدترین خلائق ہیں اور بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیکی کے کام کیئے وہ بہترین خلائق ہیں جن کے ایمان و اعمال صالحہ کا صلہ یہ ہوگا کہ ان کے پروردگار کے نزدیک باغات ہوں گے ہمیشہ رہنے والی بہشت کے جن کے محلات کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ جہاں یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے نہ ان نعمتوں کا زوال ہوگا اور نہ ہی یہ لوگ ان نعمتوں کو چھوڑ کر مفارقت کر جائیں گے جیسے انسان دنیا کی نعمتوں کو چھوڑ کر مفارقت کر جاتا ہے۔ ان انعامات کی عظمت و برتری اپنی جگہ بہت بڑی چیز ہے جس کا تصوّر نہیں کیا جاسکتا مزید ان سب نعمتوں سے بڑھ کر اللہ کی رضاء ایک انعام خاص ہوگا خُدا ان سے راضی ہوگا اور یہ خدا کی عنایات و رحمتوں سے خوش ہوں گے اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ ایمان اخلاص احکام دین کی پابندی۔ پھر اس پر انعامات خداوندی جنت اور جنت کی بے پایاں نعمتیں اور ان سب سے بڑھ کر اللہ کی رضاء و خوشنودی اس شخص کے لیئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہو خشیت و تقویٰ ہی ہے ان تمام تر کمالات اور فوز و فلاح کی اصل بنیاد ہے۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ البیّنۃ ۔



عـــہ:- یہ سورت اپنے مضامین کے اعتبار سے نہایت ہی بلند پایہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے امام مسلمؒ اور دیگر ائمہ محدثین نے انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے اُبی اللہ نے مجھے اس بات کا امر فرمایا ہے کہ میں تمہارے سامنے سورۃ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا پڑھوں اور تم کو پڑھ کر سناؤں۔ ابی بن کعبؓ کہنے لگے کیا اللہ نے میرا نام لے کر آپ سے یہ فرمایا آپ نے فرمایا۔ ہاں اللہ نے تمہارا نام لے کر ہی کہا ہے۔ انسؓ بیان کرتے ہیں ابی بن کعبؓ یہ سُن کر رو پڑے اور بیقراری کے ساتھ ان پر گریہ طاری ہوا اور زبان سے یہ کلمات جاری ہوئے۔ وقد ذکرت عند رب العالمین۔ اچھا میرا نام لیا گیا اور ذکر ہوا رب العالمین کی بارگاہ میں۔ ۱۲۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ الزِّلۡزَال

سورۃ الزلزال مدنی سورت ہے جمہور مفسرین کا یہی قول ہے ابن عباسؓ اور قتادہؒ سے اسی طرح نقل کیا گیا۔ عبداللہ بن مسعودؓ۔ عطاءؒ۔ اور جابرؓ کا قول بعض مفسرین یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ بظاہر اس قول کا منشاء یہ ہوگا کہ اس سورت کا اسلوب بیان مکی سورتوں جیسا ہے کہ قیامت اور احوالِ قیامت کا ذکر ہے اس کی آٹھ آیات ہیں۔

(ربط) اس سے قبل سورت میں جَزَآءُ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ الخ اہلِ ایمان و طاعات پر ہونے والے انعامات کا بیان تھا۔ ظاہر ہے کہ اہلِ ایمان کو یہ بشارت سُن کر شوق و انتظار ہوسکتا تھا کہ یہ نعمتیں انکو کب ملیں گی تو اب اس سورت میں اس کا وقت بتایا جا رہا ہے کہ وہ روز قیامت ہے اور قیامت کس حقیقت کا عنوان ہے اس کو بھی واضح کیا جا رہا ہے اور اس کی آمد پر جو انقلاب برپا ہوگا وہ بھی ذکر کیا جا رہا ہے اور کس طرح آسمان و زمین اور نظام کائنات درہم برہم کر دیا جائے گا؟ ان امور کو بیان فرماتے ہوئے یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ انسان کا عمل خواہ اچھا ہو یا بُرا اس کا بدلہ اس کو ضرور ملے گا۔ کسی کا عمل خیر ضائع نہیں ہوتا اور کوئی شخص بُرے عمل کے انجام اور سزا سے نہیں بچ سکتا۔

آیاتُها ۸ | ۹۹ = سُوۡرَۃُ الزِّلۡزَالِ مَدَنِيَّةٌ = ۹۳ | رکوعُها ۱

سورۃ زلزال مدنی ہے اس کی آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۝۱ وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ

جب ہلا ڈالے زمین کو اس کے بھونچال سے - اور نکال ڈالے زمین اپنے

اَثْقَالَهَا ﴿۲﴾ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ﴿۳﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ

بوجھ ۔ اور کہے گا آدمی اس کو کیا ہوا؟ اس دن بتاوے گی اپنی

اَخْبَارَهَا ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ﴿۵﴾ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ

باتیں ۔ اس واسطے کہ اس کے رب نے حکم بھیجا اس کو۔ اس دن ہو پڑیں گے لوگ

اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ﴿۶﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

بھانت بھانت کہ ان کو دکھائیے انکے کیئے۔ سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی، وہ

خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿۷﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾

دیکھ لے گا۔ اور جس نے کی ذرہ بھر برائی، وہ دیکھ لے گا۔

حوادث و زلازل بوقت وقوع قیامت

قال اللہ تعالیٰ۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔۔۔۔ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ

(ربط) گزشتہ سورت کا مضمون اہل سعادت وشقاوت کے اعمال و افعال اور ان کے انجام پر مشتمل تھا اور اصول سعادت اور حق تعالیٰ کے انعامات کے استحقاق کی بنیاد یہ بیان کی گئی تھی کہ وہ خشیت خداوندی ہے اور ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ فرما کر اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا تھا۔ اب اس سورت میں سعادت وشقاوت کے ثمرات مرتب ہونے کا وقت بتایا جا رہا ہے کہ وہ قیامت ہے اور قیامت کا قائم ہونا نظامِ عالم کا درہم برہم ہو جانا ہے اور وہی دن یوم جزاء ہے اور ہر شخص اپنے عمل کا بدلہ اس روز دیکھے گا اس وجہ سے انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنی زندگی کے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں حاضری سے ڈرتا رہے کس طرح میں احکم الحاکمین کے رو برو کھڑا ہوں گا۔ تو ارشاد فرمایا۔

جس وقت کہ ہلا دی جائے گی زمین جیسا کہ اس کو ہلانا چاہیئے اور جس قدر بھی اس کو ہلایا جا سکے اس کی

عـہ: بعض مفسرین نے بیان کیا کہ عرب کے کسی فصیح وبلیغ شاعر نے یہ فقرہ بنایا تھا۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالًا تو جب یہ آیت نازل ہوئی اور لفظ زلزالًا کے بجائے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عظمت کے لحاظ سے اس نوعیت سے کہ اب نفخ صور کے بعد قیامت برپا ہوتی ہے تو ایسا سخت زلزلہ ہوگا کہ جس سے پہاڑ اور بڑی سے بڑی بلند و بالا عمارتیں گر کر چورا چورا ہو جائیں گی اور سمندر اُبلنے لگیں گے جیسا کہ فرمایا گیا۔ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ۔

اور نکال ڈالے گی زمین اپنے اندر کے بوجھ خزانے۔ دفینے اور گڑے ہوئے مردے اور جو بھی کوئی چیز اس کی تہوں میں دبی ہوئی ہو۔ عل۱ اس ہیبت ناک زلزلہ سے سب کچھ باہر آ جائے گا اور انسان کہے گا کیا ہو گیا ہے اس زمین کو اس کے باغات عمارتیں کہاں گئیں۔ اور اس کی وہ رونق جس پر لوگ فریفتہ تھے کہاں چلی گئی۔ مال و دولت پر انسان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ قتل و غارتگری پر آمادہ رہتے تھے لیکن ہائے اب اس زمین کے اندر سے یہ سارے خزائن باہر اُگلے پڑے ہیں اور منکر لوگ کہتے تھے کہ مرنے کے بعد دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا تو یہ سب مردے باہر نکل پڑیں گے۔ یہ دن وہ ہوگا کہ زمین بیان کرے گی اپنے واقعات کو اور ان حالات و افعال کو جو اُس پر کیئے گئے زمین کے جس ٹکڑے پر گناہ ہوا تو وہ بتائے گی کہ فلاں نے فلاں جگہ زنا کیا۔ جہاں قتل ہوا وہ جگہ بتائے گی کہ یہاں فلاں نے فلاں کو قتل کیا اور جس جگہ کسی نے نماز پڑھی ہوگی یا جو بھی عمل عبادت کا کیا ہوگا وہ گواہی دے گی کہ فلاں نے یہاں مجھ پر نماز پڑھی ہے۔ غرض نیک و بد ہر کام اور عمل کی خبر دیتی ہوگی۔ اس وجہ سے کہ اے مخاطب تیرے رب نے اس کو اس امر کی وحی کی ہے۔ کہ وہ اپنے اوپر کیئے ہوئے کام کی خبر کر دے تو جس طرح زمین اپنے جگر کے ٹکڑوں کو اگل دے گی اسی طرح اس پر پیش آنے والے احوال و افعال کو بھی اگل دے گی اور ظاہر عل۲ کر دے گی۔ یہ دن وہ ہوگا کہ لوگ

عل۱ امام مسلمؒ اور ترمذیؒ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن زمین اپنے جگر کے ٹکڑے قے کر دے گی اور چاندی سونے کے ستونوں جیسے ٹکڑے نکل کر باہر آ جائیں گے قاتل ان کو دیکھ کر حسرت سے کہے گا ہائے میں نے اسی کے لئے قتل کیا تھا قطع رحمی کرنے والا کہے گا ہائے اسی کے لئے میں نے قطع رحمی کی اور چور دیکھ کر کہے گا ہائے اسی کی وجہ سے (چوری میں) میرا ہاتھ کاٹا گیا پھر آواز دی جائے گی اٹھا لو اس کو مگر وہ کچھ بھی نہ لے سکیں گے اور اسی آواز اور حالت میں قیامت برپا ہو جائیگی۔

عل۲: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز یہ آیت يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا تلاوت کر کے فرمایا جانتے ہو کہ زمین کا خبر دینا کیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(باقی حاشیہ) صکا زِلْزَالَهَا ہوا تو وہ اس کو حسن کر دجد میں آ گیا۔ کیونکہ زلزالاً محض مصدر زلزلہ کی عظمت و ہیبت بیان کرنے سے قاصر تھا۔ قرآن نے جب اس کو مصدر اضافت الی الارض کی صورت میں بیان کیا تو معنوی عظمت و بلندی کی حد نہ رہی اور بے ساختہ بول اٹھا میں اس کلام کی فصاحت پر ایمان لایا۔

لوٹتے ہوں گے مختلف ٹولیوں کی صورت میں۔ دربارِ عدالت اور پیشی کے مقام سے اپنے مختلف منازل اور جگہوں کی طرف تاکہ ان کو دکھائے جائیں ان کے اعمال اور اعمال کا بدلہ جو میدانِ حشر میں حساب وکتاب کے بعد طے کر دیا گیا۔ یہ دن یوم جزاء ہے تو جو شخص ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا ضرور اس کو دیکھ لے گا۔ خواہ وہ عمل اور نیکی کتنی ہی معمولی اور چھوٹی ہو بلاشبہ اس کو کی ہوئی نیکی کا بدلہ مل کر رہے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا یقیناً وہ اس کو دیکھ لے گا اور اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ کیونکہ انسانوں کو یہ بات پہلے ہی بتا دی گئی تھی اور قانونِ مجازات کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا۔ کہ اگر تم نیکی کرو گے تو اپنے فائدہ کے لئے کرو گے اور اگر بدی کرو گے تو اس کا انجام بھی تمہارے نفسوں کے لئے واقع ہوگا۔

صحیح بخاری ومسلم میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آیت یکتا اور جامع ہے کعب احبارؓ بیان کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دو آیات ایسی نازل ہوئی ہیں کہ توراتؔ انجیل کا خلاصہ ہیں اور لب لباب ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ سورۂ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ کی تلاوت کا ثواب نصف قرآن کا ثواب ہے۔

تم بحمد اللہ العزیز تفسیر سورۃ الزلزال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْعٰدِيٰت

اکثر مفسرین نے اس کو مکی سورت ہی کہا ہے ابن مسعود، جابر و حسن بصری اور عکرمہ رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ اور قتادہؒ نے فرمایا کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ لیکن جمہور نے پہلا قول اختیار کیا ہے اس سورت کا موضوع بھی سورۂ زلزلہ کے موضوع کی طرح نیکی اور بدی کا

(باقی حاشیہ) اللّٰہ ورسولہ اعلم خدا اور اس کا رسول ہی بہتر اور خوب جانتا ہے۔
فرمایا اس کا خبر دینا یہ ہے کہ وہ گواہی دے گی فلاں نے مجھ پر یہ عمل کیا۔ فلاں نے مجھ پر یہ کام کیا تو بس یہی اس کا خبر دینا ہے۔
ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے اَوْحٰى لَهَا کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دے گا کہ اے زمین بول۔ وہ اس حکم کو سنتے ہی سارے راز اگلنے لگے گی جیسے کہ اس نے اپنے اندر کے سارے خزانے اگلے اور نکالے۔ ۱۲۔

انجام ہے بیان کرنا ہے۔ اور ایسے دلائل کے ساتھ ذکر کیا گیا کہ سلیم الطبع انسان اس کو قبول کرنے میں قطعًا تامل نہیں کر سکتا اس کے ساتھ بالخصوص اس امر کو بیان کیا گیا کہ گھوڑے باوجود جانور ہونے کے اور ان عقلی و فکری صلاحیتوں سے محروم ہونے کے جو ان کو دی گئی ہیں۔ اپنے مالک کے کس قدر وفادار ہیں اور اس کے حکم پر اپنے آپ کو کس قدر خطرات اور شدائد میں ڈالتے ہیں اور اپنے مالک کے دشمن کا مقابلہ کس مستعدی اور ہمت سے کرتے ہیں۔ لیکن افسوس انسان اشرف المخلوق ہو کر بھی اپنے آقا کا نافرمان ہے اس کا شکر نہیں کرتا۔ اور نہ ہی اس کی اطاعت و فرماں برداری میں کوئی جفاکشی و ہمت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس کے بالمقابل حرص و لالچ اور نفس کی شہوات ہی کی اتباع میں لگا رہتا ہے جس کا انجام سوائے ہلاکت و تباہی کے اور کیا ہو سکتا ہے اور یہ سب اس پر موقوف ہے کہ وہ فکرِ آخرت سے غافل ہے۔

ایاتہا ۱۱ — ۱۰۰ سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ ۱۴ — رکوعہا ۱

سورۂ عادیات مکی ہے۔ اس میں گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝۱ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝۲ فَالْمُغِيْرٰتِ

قسم ہے دوڑتے گھوڑوں کی، ہانپتے۔ پھر آگ سلگاتے جھاڑ کر۔ پھر دھاڑ دیتے

صُبْحًا ۝۳ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝۴ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝۵

صبح کو۔ پھر اُٹھاتے اس میں گرد۔ پھر بیٹھ جاتے اس وقت فوج میں۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝۶ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ

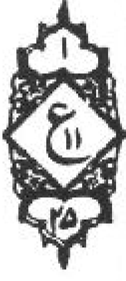
بیشک آدمی اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ اور وہ یہ کام سامنے

لَشَهِيْدٌ ۝۷ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝۸ اَفَلَا

دیکھتا ہے۔ اور آدمی محبت پر مال کے مضبوط ہے۔ کیا نہیں

يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝۹ وَحُصِّلَ مَا فِي

جاننا وہ وقت کہ کریدے جاویں جو قبروں میں ہیں۔ اور تحقیق ہو جو



الصُّدُوۡرِ ۝ اِنَّ رَبَّهُمۡ بِهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّخَبِيۡرٌ ۝

جیوں میں ہے۔ بیشک ان کے رب کو ان کی اسدن سب خبر ہے۔

سرگرمی بہائم در اطاعت مالک و نافرمانی و ناشکری انسان با آقاء ربّ العالمین

قال اللہ تعالیٰ۔ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۔۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ

(ربط) گزشتہ سورت میں مجازات اعمال کا قانون بیان کیا گیا تھا اور یہ کہ انسان اپنی زندگی میں جو بھی نیکی یا بدی کا عمل کرے گا روز قیامت اس کا بدلہ پاکر رہے گا۔ اب اس سورت میں انسان کی غفلت و لاپرواہی اور اپنے رب کی ناشکری کی مذموم خصلت بیان کی جارہی ہے اور یہ کہ دراصل اس روش کا منشأ حرص مال، لالچ اور نفس کی خواہش ہے۔ اس کے پیچھے پڑ کر انسان اپنے رب کو بھلا دیتا ہے اور اس سے غافل ہوجاتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کو دوبارہ زندہ ہونا ہے اور قیامت کا دن حساب و کتاب اور اعمال کے بدلہ کا دن ہے تو ارشاد فرمایا۔

قسم ہے ان گھوڑوں کی جو دوڑتے ہیں ہانپتے ہوئے اپنے مالک کی اطاعت و محبت میں اور اس کے دشمنوں کو شکست دینے کے لیئے میدانِ معرکہ میں اس شدت و قوت سے دوڑتے ہیں کہ ہانپتے ہوتے ہیں۔ پھر کہیں پتھروں اور پہاڑوں پر ٹاپیں مار کر آگ چمکاتے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور پہاڑوں پر ان کی دوڑ اور تیز رفتاری سے ان کے نعل آگ جھاڑتے ہوتے ہیں۔ پھر تاخت و تاراج ڈالنے والے ہوتے ہیں صبح کے وقت کہ علی الصباح دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں جیسا کہ اکثر قوموں کا یہ دستور ہے کہ دشمن پر یلغار و حملہ صبح ہی کے وقت کیا جاتا ہے پھر اڑانے والے یا اٹھانے والے ہوتے ہیں۔ اس سے گرد و غبار پھر گھس جاتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ایک فوج میں ان پر حملہ کرتے ہوئے اس بات سے بے پرواہ ہوتے ہوئے کہ دشمنوں کی فوج پر حملہ کرکے وہ زندہ بھی بچیں گے یا نہیں۔ غرض اس طرح یہ گھوڑے اپنے آقا کی اطاعت اور اس کی وفاداری میں سرگرم محنت و مشقت ہیں۔ شدائد اور مہالک میں اپنے آپ کو ڈال رہے ہیں۔ میدانوں اور چٹانوں پر ٹاپیں مارتے ہیں۔ جس سے گرد و غبار کے ڈھیر اڑ رہے ہیں اور ٹاپ کی رگڑ سے پتھروں سے آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور ان تمام شدائد کو برداشت کرتے ہوتے صبح ہی صبح دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ اور بے دریغ دشمن کی فوجوں کے اندر گھس جاتے ہیں تو یہ کردار ایک حیوان کا ہے جو اپنے آقا اور مالک کے لیئے اس کی زندگی کے آخری سانس تک قائم و باقی ہے لیکن اس کے بالمقابل اگر یہ دیکھو کہ انسان اپنی تمام

عقلی اور فکری صلاحیتوں کے ساتھ اپنے مالک کا۔ اپنے خالق کا اور اپنے منعم و محسن اور پروردگار کا کیا حق ادا کرتا ہے۔ اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں اس کی کیا سرگرمی اور جد و جہد ہے تو اس کا عمل یہ بتائے گا کہ بیشک انسان اپنے رب کا بہت ہی ناشکرا ہے اور وہ خود اس بات پر مطلع ہے اور[عا] جانتا ہے کہ میں اپنے رب کے انعامات کا کوئی حق اور شکر نہیں ادا کر رہا ہوں اور اس کا عمل طرز زندگی اس کی شہادت بھی دیتا ہے۔

ذرا بھی اگر وہ اپنے ضمیر کی طرف توجہ کرے تو خود اندر سے اپنے ضمیر کی یہ آواز سن لے گا کہ وہ بہت ہی ناشکرا ہے۔

اور[عا] یہ سب کچھ صرف اس بناء پر ہے کہ بیشک وہ مال کی محبت میں بہت ہی مضبوط ہے۔ حرصِ مال نے اس کو فکر آخرت سے بھی بیگانہ بنا دیا اور اپنے آقا و مالک سے بھی بے رخی اور بے تعلقی اختیار کرلی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں چاہیئے تھا۔ تو کیا یہ انسان نہیں جانتا ہے کہ جس وقت باہر نکال لیئے جائیں گے وہ تمام مردے جو قبروں میں ہیں اور ان کو نفخ صور کے بعد زندہ کر کے میدانِ حشر میں جمع کر دیا جائے گا اور پھر کھول کر رکھ دیئے جائیں گے وہ تمام راز جو سینوں میں ہیں تو اس وقت انسان دیکھ لے گا کہ یہ کیسا ہیبت ناک دن ہے جس سے وہ غافل بنا رہا اور انکار کرتا رہا اور اس وقت وہ دیکھ لے گا جس مال کی محبت میں وہ خدا کا ناشکرا اور نافرمان رہا وہ مال اس کے قطعاً بھی کام نہ آیا۔ تو کاش اگر انسان کو اس بات کا علم ہوتا ہرگز یہ روش نہ اختیار کرتا۔

بے شک ان کا رب ان کے حال سے اس روز بڑا ہی باخبر ہے[عا] کہ انسانوں کے تمام احوال و اعمال

عا: یہ کلمات اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیئے ہیں کہ لفظ عَلٰی ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ کے ایک معنی مطلع اور باخبر کے ہیں اور دوسرے معنی گواہی اور شہادت کے ہیں۔

عا: وَالْعٰدِيٰتِ سے مجاہدین کے گھوڑوں یا مطلق گھوڑوں کی قسم کھا کر ان کی سرگرمی عمل اور اپنے آقا کی فرمانبرداری میں مہالک و شدائد میں گھس جانا بطور قسم بیان کر کے جواب قسم اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ فرمایا گیا۔ اس جواب قسم کی مناسبت و لطافت قسم اور مقسم بہ کے متعلقات سے بڑی ہی خوبی سے ظاہر ہے۔

عا: استاذ محترم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں "ممکن ہے کہ گھوڑوں کی قسم کھانا مراد ہو جیسا کہ ظاہر ہے اور ممکن ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے سواروں کی قسم ہو جن کی سرفروشی اور جانبازی بتاتی ہے کہ وفادار اور شکرگذار بندے ایسے ہوتے ہیں"

ظاہر عنوان سے یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ گھوڑوں ہی کی قسم کھائی ہے اور غرض یہ ہے کہ غور کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ خود گھوڑا زبانِ حال سے یہ شہادت دے رہا ہے کہ جو لوگ مالک حقیقی کی دی ہوئی روزی کھاتے ہیں اور اس کی بے شمار نعمتوں سے شب و روز متمتع ہوتے ہوئے بھی اس کی فرمانبرداری

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کا جیسے دنیا میں احاطہ کیئے ہوئے تھا اور زندگی میں کیا ہوا ہر کام اس کی نظروں کے سامنے رہا ہے آج اس کا بدلہ دیا جا رہا ہے تو اس روز یہ بات ہر ایک پر ظاہر و عیاں ہوگی اور کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہے گی تو اس طرح اس دن یہ چیز[1] ہر ایک کو خوب نظر آجائے گی کہ بے شک انکا پروردگار ان کے احوال سے خوب باخبر ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُورۃُ القارعہ

سورۂ قارعہ باتفاق ائمہ مفسرین مکی سورت ہے۔ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ و دیگر صحابہ مفسرین سے اسی طرح منقول ہے مکی سورتوں کے مضامین کی طرح اس سورت کا مضمون بھی اثباتِ قیامت اور حشر و نشر کے موضوع کو دلائل سے بیان کرنا ہے اس سے قبل سورتوں میں سعادت و شقاوت کے اصول احوالِ آخرت اور جزاء و سزا کا ذکر تھا۔ اب اس سورت میں خاص طور سے وہ ہولناک واقعات جن کو حوادثِ دہر اور قوارع زمانہ کہا جاسکتا ہے بیان کیئے جا رہے ہیں تاکہ انسان غفلت سے چونکے اور فکرِ آخرت کے لیئے تیار ہو جائے۔ قرآن کریم میں ایسے تمام مضامین اور آیات کو جو طبع بشری کو جنبش دینے والے ہوں۔

(باقی حاشیہ ص۵۲۲) نہیں کرتے وہ جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل وحقیر ہیں۔ ایک شائستہ گھوڑے کو مالک گھاس کے تنکے اور تھوڑا سا دانہ کھلاتا ہے وہ اتنی سی تربیت پر اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑا دیتا ہے جدھر سوار اشارہ کرتا ہے ادھر چلتا ہے دوڑتا اور ہانپتا ہوا ٹاپیں مارتا ہوا اور غبار اڑاتا ہوا گھمسان کے معرکوں میں بے تکلف گھس جاتا ہے گولیوں کی بارش میں تلواروں اور سنگینوں کے سامنے پڑ کر سینہ نہیں پھیرتا بلکہ بسا اوقات وفادار گھوڑا اپنے سوار کو بچانے کے لیئے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔

کیا انسان نے ایسے گھوڑوں سے کچھ سبق سیکھا ہے کہ اس کا کوئی پالنے والا ہے مالک ہے جس کی وفاداری کے لیئے اسے جان و مال خرچ کرنے کے لیئے تیار رہنا چاہیئے۔ بے شک انسان بڑا ہی ناشکرا اور نالائق ہے کہ ایک گھوڑے بلکہ کتے کے برابر بھی وفاداری نہیں دکھلا سکتا۔ فوائد عثمانیہ۔

---

[1] : ان الفاظ کا اضافہ اس اشکال کو دور کرنے کے لیئے ہے جو یہاں خداوند عالم کے باخبر ہونے کو اس روز کی خصوصیت سے بیان کیا گیا۔

بعض ائمہ مفسرین نے قوارع قرآن کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔
اس سورت کی گیارہ آیات ہیں جس کی ابتداء ہی ایسے ہیبت ناک عنوان سے کی گئی جو طبع بشری کو خوابِ غفلت سے بیدار کردے اور انسانی جامد قویٰ میں حرکت پیدا کردے۔ بالخصوص وزن اعمال کا بیان کرتے ہوئے نجات و کامیابی اور ہلاکت کا راز ظاہر کردیا گیا اور انسانی فطرت کو متنبہ کیا گیا کہ وہ ہلاکت و بربادی کے راستہ سے اجتناب کرے۔

اٰیَاتُهَا ۱۱ ۱۰۱ = سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ = ۳۰ رُكُوْعُهَا ۱

سورۂ قارعہ مکی ہے اس کی گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اَلْقَارِعَةُ ۝۱ مَا الْقَارِعَةُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝۳

وہ کھڑکھڑاتی - کیا ہے وہ کھڑکھڑاتی ؟ اور تو کیا بوجھا ؟ کیا ہے وہ کھڑکھڑاتی -

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝۴ وَتَكُوْنُ

جس دن ہوویں لوگ جیسے پتنگے بکھرے - اور ہوویں

الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝۵ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ

پہاڑ جیسے رنگی اون دھنی - سو جس کی بھاری ہوئیں

مَوَازِيْنُهٗ ۝۶ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝۷ وَاَمَّا مَنْ

تولیں - تو اس کو گذران ہے من مانتی - اور جس کی

خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝۸ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝۹ وَمَآ اَدْرٰىكَ

ہلکی ہوئیں تولیں - تو اس کا ٹھکانا گڑھا - اور تو کیا بوجھا وہ

مَا هِيَهْ ۝۱۰ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝۱۱ ع

کیا ہے ؟ آگ ہے دہکتی -

ع ۱ ۱۱ ۲۶

حوادثِ زمانہ قوارع دہر بروز محشر وتنبیہ برائے بیداری از خواب غفلت

قال اللّٰہ تعالیٰ ۔ اَلْقَارِعَۃُ مَا الْقَارِعَۃُ ۔۔۔۔۔الیٰ ۔۔۔۔ ۔ ۔ ۔ نَارٌ حَامِیَۃٌ

(ربط) گزشتہ سورت میں انسانی فطرت میں رچی ہوئی تین بنیادی خرابیوں کا بیان تھا۔ ناشکری۔ مال ودولت کا حرص اور غفلت ولاپرواہی از منعم و مالک حقیقی۔ اب اس سورت میں روز محشر برپا ہونے والے ہولناک واقعات کا ذکر ہے تاکہ انسان اپنی غفلت سے باز آئے۔ اپنے رب کی نعمتوں کا شکر گذار رہو اور وہ مرض خبیث جو تمام تر خرابیوں کی اساس ہے یعنی حرص و لالچ اس سے بچے تو فرمایا۔

کھڑکھڑا دینے والی چیز کیا ہی عظیم الشان کھڑکھڑا دینے والی چیز ہے۔ جس کی عظمت وہیبت کو انسان اپنی قوتِ فکریہ یا عقلی کاوش سے نہیں سمجھ سکتا۔ اس کی ہیبت انسانی تصور سے بالا و برتر ہے اس لیئے اے مخاطب بتا اور تو جانتا بھی ہے کیا ہے اور کیسی ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز؟ یقیناً کوئی نہیں بتا سکتا کہ وہ کیا اور کیسی ہے۔ اس لیئے ہم ہی تجھ کو بتاتے ہیں وہ اس دن ہوگی جب کہ آدمی ہوں گے بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح پریشانی اور بدحواسی میں جن کو نہ تو کسی طرح قرار ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی ٹھکن اور ٹھیراؤ۔ اور پہاڑ ہو جائیں گے دُھنی ہوئی روئی کے گالوں کی طرح یا بکھری اون کے ذرات۔ جو نہایت ہلکی اور کمزور ہوتی ہے۔ اور فضا میں ہوا کے ساتھ بکھری ہوئی ہوتی ہے۔ اسی بدحواسی کے عالم میں جب کہ انسان پروانوں کی طرح بکھرے ہوئے ہوں گے اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح فضا میں اڑ رہے ہوں گے۔ میدانِ حشر میں انسانوں کے اعمال کا حساب ہوگا اور ان کے اعمال تولے جائیں گے تو جس شخص کا ترازو سے اعمال میں نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا تو وہ بہت ہی راحت وخوشی کی زندگی میں ہوگا۔ اس کو ہر پسندیدہ اور مطلوب چیز وہاں ملے گی۔ اور جس شخص کا نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگا تو بس اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا اور اے مخاطب تجھے معلوم بھی ہے کیا ہے ہاویہ؟ وہ ایک دہکتی ہوئی آگ ہے جس کے شعلے سمندر کی موجوں کی طرح ایک طوفانی شکل میں نظر آتے ہوں گے۔ یہ جہنم ان بدنصیبوں کے لیئے ہوگی جن کے پاس نہ ایمان اور نہ عمل صالح اور نہ اس میں اخلاص اور قیامت کے روز میزانِ اعمال میں وزن تو ایمان واخلاص ہی کا ہوتا ہے کیونکہ وہ آخرت کی ترازو ہے اس میں مادی وزن اور ثقل نہیں بلکہ روحانی عظمت تولی جاتی ہے۔ اس وجہ سے ان کے پلے ہلکے ہوں گے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

ع: حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ بیان کرتے ہیں کہ القارعہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے اسماء قیامت میں القارعہ۔ الحاقہ۔ الطامہ۔ الصاخہ اور الغاشیہ وغیرہ کلمات قرآن کریم نے استعمال کیئے ہیں۔ ۱۲۔

فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔ اس کے برعکس اہل ایمان اور نیکوکاروں کے اعمال کا وزن اس ترازو میں بھاری ہوگا اور ان کے پلے بھاری ہونے کی وجہ سے نجات و کامیابی حاصل ہوگی اور جنت میں ان کو پسندیدہ اور محبوب زندگی نصیب ہوگی۔ اور یہی فوز و فلاح ہے۔

مادی اجسام کا ثقل اور روحانیات کی لطافت

مادیت کثافت کا نام ہے اور روحانیت میں لطافت ہے۔ اجسام میں خدا تعالیٰ نے ایک قسم کا ثقل اور بوجھ رکھا ہے۔ جب کہ روحانیت میں تجرد اور لطافت ہے اور یہ ایک قدرتی امر ہے جس کا ہر ایک مشاہدہ کرتا ہے اور یہی ثقل اور وزن اس کو سکون و قرار کی طرف مائل کرتا ہے اور اسی کی وجہ سے اس کو حیّزِ طبعی کی طرف جھکاؤ ہوتا ہے تو مادیت میں جھکاؤ ثقل جسمانی کے باعث ہوگا لیکن روحانیت میں ثقل بھی روحانی ہوگا اور اسی کے باعث جھکاؤ ہوگا تو دنیا کے ترازوئیں مادی اثقال و اوزان تولنے کے لیے ہوتی ہیں تو ان ترازوؤں کا پلّہ اس وزن کی وجہ سے جھکتا ہے تو آخرت کی ترازو جس میں روحانیات کا وزن ہوگا۔ اس کا پلّہ لامحالہ روحانی اوزان کے باعث جھکے گا اس بناء پر یہاں فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ اور وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ، کا عنوان اختیار فرمایا گیا۔ ایمان و اعمال کا ثقل اس طرح سمجھ لیا جائے جیسے دنیا میں معنوی ثقل میں وقار، استقامت، صبر و حلم جیسے اوصاف بیان کیے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے یہ انسان اپنے عزم اور حوصلہ میں پہاڑ واقع ہوا ہے اور بالعموم صبر و استقامت میں حوصلہ مند اور باوقار انسانوں کو پہاڑوں سے تشبیہ دی جاتی ہے اس طرح دنیا میں ایک ثقل و استقامت پہاڑوں کی ہے جو حسی اور ظاہری ہے اور ایک وزن و استقامت معنوی ہے جو انسانوں میں ہوتا ہے تو قیامت کے وقت عالم میں برپا ہونے والے انتشار و اضطراب کو ظاہر کرنے کے لیے قرآن کریم نے پہاڑوں کو تو روئی کے اڑتے ہوئے گالوں کی طرح بتایا کہ وہ سب کچھ وزن و قوت سے عاری ہو کر اڑنے والے روئی کے گالوں کی طرح ہو جائیں گے اور وہ اولوالعزم اور باعزم لوگ جو پہاڑوں سے زیادہ طاقت در سمجھے جاتے ہیں وہ بکھرے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے اور اس روز دیکھ لیا جائے گا دنیا کے اثقال و اوزان خواہ وہ حسّی ہوں یا معنوی ان کا یہ حشر ہو رہا ہے اس روز جو ثقل و وزن ہوگا وہ صرف اعمال صالحہ اور ایمان کا ہوگا اور قیامت کے روز میزانِ اعمال ایسے ہی ثقل کو تولنے کے لیے ہوگی۔

میزان اعمال اور وزن اعمال کی بحث گذر چکی اور تفصیل سے معتزلہ کے اس باطل قول کار د بھی کر دیا گیا۔ جو میزان اعمال کا انکار کرتے ہیں اہل سنت اور جمہور متکلمین کے نزدیک وزن اعمال ثابت ہیں اور اعمال کے تولنے کی ترازو برحق ہے جیسے کہ ارشاد ہے۔ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔الخ

یہ بھی تفصیل کے ساتھ گذر چکا کہ میزانِ اعمال میں وزن کے بارہ میں یہ تینوں باتیں از روئے نصوص واحادیث ممکن ہیں کہ نفس اعمال کا وزن ہو۔ یا نامہ ہائے اعمال کا وزن ہو یا صاحب اعمال کا وزن ہو۔

نفسِ اعمال کا وزن تو اس حقیقت پر مبنی ہے کہ دنیا میں کیئے اعمال و افعال قیامت کے روز حقائق موجودہ کی شکل ہوں گے اور ان کا وزن ہوگا۔ نامۂ اعمال کے وزن کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص لایا جائے گا اور اس کے ننانوے دفتر ہوں گے گناہوں کے جو پیش کیئے جائیں گے۔ اس کے مقابلہ میں جب اس کی ایک نیکی جو کاغذ کے ایک پُرزے پر لکھی ہوگی تو وہ کہے گا۔ اے پروردگار ان گناہوں کے ڈھیر کے مقابلہ میں اس ایک کاغذ کے پُرزے کی کیا حقیقت ہے؟ لیکن جب وہ تولا جائے گا تو ان ننانوے دستاویزوں پر بھاری ہوگا تو اس سے معلوم ہوا کہ نامۂ اعمال تولے جائیں گے۔ اور صاحب اعمال کے تولنے کی تائید جامع ترمذی کی اس حدیث سے ہوتی ہے۔ جس میں ہے کہ قیامت کے روز ایک نہایت ہی بھاری بھرکم موٹا تازہ شخص پیش کیا جائے گا تاکہ اس کو میزانِ عمل میں تولا جائے لیکن چونکہ اس میں ایمان اور عمل صالح کا کوئی روحانی وزن نہ ہوگا تو اس ترازو میں رکھے جانے کے بعد اس کا کوئی وزن نہیں ظاہر ہوگا۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اگر تمہارا دل چاہے تو یہ آیت پڑھ لو۔ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۔"

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ القارعۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ التَّكَاثُر

سورۂ تکاثر مکی سورت ہے۔ جمہور مفسرین کا یہی قول ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔

بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ یہ فرمایا کیوں نہیں تم لوگ ہر دن میں ہزار آیتیں پڑھ لیتے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہر روز کوئی شخص ہزار آیتیں کس طرح پڑھ سکے گا آپؐ نے فرمایا کیا تم سورۂ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ نہیں پڑھ سکتے۔

اس سورت کا موضوع انسان کی اس خصلت پر تنبیہ ہے کہ وہ مال و اولاد ہی کی فکر میں اپنی ساری زندگی برباد کر دیتا ہے اس کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ وہ آخرت کے لیئے کچھ تیاری کرے اور اس کا یہ انہماک مادی زندگی اور مال و دولت جمع کرنے میں مسلسل باقی رہتا ہے۔ اور مرنے کے وقت تک وہ اسی میں لگا رہتا ہے حتیٰ کہ دنیا سے گذر جاتا ہے اور قبر کے مراحل سے اس کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس کے بعد آدمی کی آنکھیں کھلتی ہیں اور وہ

پچھتاتا ہے کہ میں نے اپنی عمر برباد کر ڈالی۔
سورت کا اختتام اس وعید و تنبیہ پر کیا گیا کہ انسان کو دنیا میں جو نعمتیں اور راحتیں دی گئی ہیں۔ ان کا ایک حق ہے اور یقیناً اس بارہ میں اس سے باز پرس ہو گی کہ اس نے حق نعمت کیا اور کس طرح ادا کیا۔

آیاتُها ۸ سُوْرَةُ التَّکَاثُرِ مَکِّیَّةٌ ۱۰۲ = ۱۶ رُکُوْعُهَا ۱

سورۂ تکاثر مکی ہے۔ اس میں آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲ كَلَّا سَوْفَ

غفلت میں رکھا تم کو بہتایت کی حرص نے۔ جب تک جا دیکھیں قبریں - کوئی نہیں آگے

تَعْلَمُوْنَ ۝۳ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۴ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ

جان لوگے - پھر بھی کوئی نہیں! آگے جان لوگے - کوئی نہیں اگر جانو

عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝۵ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝۶ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا

یقین کر جاننا - بیشک تم کو دیکھنا دوزخ - پھر دیکھنا یقین کی

عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝۷ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝۸ ع

آنکھ سے - پھر پوچھیں گے تم سے اس دن آرام کی حقیقت۔

ع ۱ ۸ ۲۷

تنبیہ و تہدید بر غفلت از آخرت و وعید بر حرص مال و دولت

قال اللہ تعالیٰ۔ اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ... الیٰ ... يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ

(ربط) سورۃ القارعہ میں انسان کو قیامت پر پیش آنے والے ہولناک حوادث سے آگاہ و خبردار

کیا گیا تھا۔ اب اس سورت میں جو اسباب غفلت ہیں ان سے باخبر کیا جا رہا ہے کہ مال و دولت کی حرص انسان کو آخرت سے غافل اور دور کرنے والی چیز ہے۔ اسی طرح مال و اولاد پر تفاخر و غرور بھی کوئی اچھی بات نہیں۔ انسان کو چاہیئے ان فتنوں میں مبتلا ہو کر اپنے اصل مقصد یعنی فکر آخرت کو فراموش نہ کرے۔

قتادہؒ اور مقاتلؒ سے یہ منقول ہے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ جبکہ مدینہ میں رہنے والے یہود اس پر تفاخر کرتے تھے کہ میرے پاس اس قدر مال ہے اور میری اولاد اتنی ہے۔ اور ہر ایک اسی فکر میں رہتا اور اس میں اس قدر انہماک اور غلو اختیار کیا کہ اپنا دین بھی بھول گئے اور اس سلسلہ میں جو بھی کچھ کرنا پڑا۔ حلال و حرام کی پرواہ کیئے بغیر کر گذرے۔ لیکن یہ روایت باعتبار اسناد محدثین کے نزدیک صحیح نہیں۔ اس لیئے اس سورت کا مکی ہونا ہی جمہور نے اختیار کیا ہے۔

بعض مفسرین اس کا سبب نزول۔ قریش کے دو قبیلوں بنو عبد مناف اور بنو سہم کے درمیان اس نزاع اور باہمی قتال کو بتاتے ہیں جو اسی طرح باہمی تفاخر اور سرداری کے لالچ کی وجہ سے پیش آیا۔ آپس میں خوب لڑے قبروں کے گننے کی نوبت آگئی۔ انسان کے اس فطری عیب کو بیان کرتے ہوئے اس امر کی بھی تلقین کی گئی کہ دنیا میں اس کو نعمتیں عطا کی جاتی ہیں ان کا حق ہوتا ہے اور اگر انسان اس حق کو ادا کرنے میں کوتاہی کرے تو مؤاخذہ اور سزا سے ہر گز نہ بچ سکے گا۔ تو ارشاد فرمایا اے لوگو! غافل بنادیا ہے تم کو زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے اور اس کی کثرت پر فخر کرنے نے اور تم اس تفاخر و تکاثر[1] مال سے باز نہ آؤ گے یہاں تک کہ تم قبروں کو دیکھ لو تو مرنے تک اسی طرح باہمی تفاخر اور مال و دولت جمع کرنے کی حرص میں مبتلا رہو گے اور یہ غفلت کا پردہ اس وقت تک نہیں ہٹے گا جب تک کہ تم قبر میں نہیں چلے جاؤ گے۔ خبردار ہر گز یہ چیز غفلت کی نہیں اور نہ قابل انکار ہے بے شک عنقریب تم جان لو گے کہ قیامت برحق ہے۔ اور دنیوی زندگی کے اعمال و افعال کا حساب و بدلہ ہے۔ خبردار ہر گز یہ چیز قابل غفلت نہیں دنیا کی زندگی خالی ہے۔ بے شک پھر تم[2] بہت جلد معلوم کر لو گے کہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں ایک خواب ہے۔[3]

---

[1] ان الفاظ میں اشارہ ہے کہ تکاثر کے دونوں معنی ہیں۔ مال و دولت زیادہ جمع کرنے کی حرص اور مال و اولاد پر تفاخر، ابن عباسؓ اور حسن بصریؒ نے پہلے معنی کو ترجیح دی ہے۔ ۱۲۔

[2] : ترجمہ کے درمیان اضافہ کردہ کلمات سے كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ کے تکرار کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲۔

[3] : حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن الشخیرؓ صحابی ایک روز آپکی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ سورۃ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھ رہے تھے اور فرما رہے تھے۔

یقول ابن آدم مالی و ھل لک — کہ ابن آدم یہ کہتا ہے میرا مال میرا مال حالانکہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ حقیقت اگرچہ دنیا میں کچھ لوگوں کو معلوم ہو جاتی ہے کہ اصل عیش آخرت کا عیش ہے اور دنیا کی زندگی اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں لیکن جب انسان قبر میں پہنچے گا تو پھر اصل حقیقت کھل کر نظروں کے سامنے آئے گی تو سمجھ لو خبردار ہرگز تمہیں خاک بھی علم نہیں۔ بے شک اگر تم جان لو آخرت کا حال علم یقین کی صورت میں تو یقیناً ایسی تمام غفلتوں نافرمانیوں اور مال و دولت جمع کرنے کی حرص اور تفاخر سے باز آکر اصل کام میں لگ جاؤ اور آخرت کی تیاری میں ہمہ تن مصروف ہو جاؤ مگر افسوس ایسا نہیں ہوتا بلکہ انسان اسی طرح غفلت و جہالت میں زندگی گذار دیتا ہے۔ لہٰذا اس لولے لوگو! ضرور بالضرور تم جہنم دیکھو گے۔ یہ یہی نہیں کہ بس دور سے دیکھ لو اور وہ نظر آجائے بلکہ یقیناً تم اس دوزخ کو دیکھو گے آنکھوں کے مشاہدہ اور یقین کے ساتھ۔ جس میں کسی نوع کا شبہ باقی نہ رہے گا۔

اس میں تم اپنی غفلت اور نافرمانیوں کے باعث داخل ہوگے اور اس کا مزہ چکھو گے پھر اس

ف: بعض حضرات مفسرین کا خیال ہے کہ اس مقام پر دوزخ کے دو مرتبہ دیکھنے کے ذکر میں اوّل مرتبہ دیکھنا مرنے کے بعد عالم برزخ میں ہے اور دوسری مرتبہ دیکھنے سے حشر کے روز دیکھنا مراد ہے۔

عارفین بیان کرتے ہیں کہ علم کے تین درجے ہیں۔ علم الیقین جیسے کسی نے دریا کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیا۔

دوسرا عین الیقین ہے جبکہ اس کے کنارہ پر پہنچ کر پانی چلّو میں لے لیا۔

تیسرا حق الیقین ہے جبکہ دریا میں گھس کر غوطہ لگا لیا۔

اور ظاہر ہے کہ عین الیقین کا درجہ علم الیقین سے بڑھ کر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی گمراہی اور گوسالہ پرستی پر اللہ نے مطلع کر دیا تھا اور اللہ کی وحی سے جو علم حاصل ہوا وہ بلاشبہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(فائدہ)

من مالك إلاّ ما اكلت فافنيت أوْ لبست فابليت او تصدقت فأمضيت ۔

اے انسان اس میں سے تو تیرا مال صرف اتنا ہی ہے جو تو کھا کر ختم کر دے یا پہن کر پرانا کر دے۔ یا صدقہ کر کے آگے بھیج دے۔

ایک روایت میں ہے کہ اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ تو انسان سے جُدا ہونے والا ہے اور آدمی دوسروں کے واسطے چھوڑ کر جانے والا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی طبعی حرص کی کوئی حد نہیں۔ اسی کا ان کلمات میں بیان ہے لو كان لابن آدم واديان من الذهب لا بتغى ثالثا ولا يملأ جوف ابن آدم الا التراب ويتوب الله على من تاب۔ یعنی اگر ابن آدم کے لئے دو میدان ہی سونے کے بھرے ہوئے ہیں تو بھی تیسری وادی کی تلاش میں لگ جائے گا۔ اور انسان کا پیٹ ہرگز کوئی چیز نہیں بھر سکتی سوائے مٹی کے اور اس کی حرص کا خاتمہ بس قبر ہی میں جاکر ہوگا الخ ۱۲۔

روز تم سے ضرور بالضرور پوچھا جائے گا نعمتوں کے بارہ میں جو تم پر حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے کی گئیں کہ تم نے ان کا کیا حق ادا کیا تم نے ان نعمتوں کے بعد ان کی عظمت کو پہچانا یا نہیں؟ تم نے اپنے منعم کی محبت اور جذبۂ اطاعت کو اپنے دل میں محسوس کیا یا نہیں؟ تم اپنے منعم کی ناراضگی سے ڈرے یا نہیں؟ اور ظاہر ہے کہ ان سوالات کا جواب دینا کوئی آسان کام نہیں بالخصوص اس دن اور اس عالم میں جہاں ظاہر و باطن کا کوئی فرق نہیں ہو سکتا اور زبان سے صرف وہی بات ادا ہو سکتی ہے جو حقیقت اور عین صداقت ہے۔ پس انسان کو سوچنا چاہئے کہ ان بے پایاں نعمتوں پر جن کی شان یہ ہے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا محاسبہ اور مؤاخذہ پر وہ کیا جواب دے گا۔ نعمتوں کی بے شک کوئی حد و انتہاء نہیں۔ ظاہری نعمتیں باطنی نعمتیں جسمانی نعمتیں روحانی نعمتیں۔ پھر ہر قسم میں متعدد انواع و اقسام اور مراتب غرض ایک وسیع سلسلہ اللہ رب العزت کی نعمتوں کا انسان پر ہمہ وقت قائم و جاری ہے۔ حیات و تندرستی اعضاء کی خوبی اور سلامتی حسن و جمال ادراک عقل و فہم۔ اسباب راحت و آسائش اور اقسام و انواع کے فواکہ اور رزق اور جملہ نعماء غرض ہر شعبۂ حیات بے شمار انعامات کا مرکز نظر آتا ہے۔ تو بلاشبہ ان کے حق کا سوال ہونا ہی چاہئے۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ ان نعمتوں کی وجہ سے غافل و مغرور نہ ہو بلکہ اس کی تیاری میں لگ جائے کہ روز محشر جب ان نعمتوں کا حق ادا کرنے کا سوال ہوگا تو میں کیا جواب دوں گا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے فرمایا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے آئے اور ان کو دیکھ کر فرمایا یہاں تم لوگ کیوں بیٹھے ہو۔ دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ ہمیں کسی بھی چیز نے گھر سے باہر نہیں نکالا ہے سوائے بھوک کے۔ کہ اس بے چینی میں گھر سے باہر نکلے ہیں کہ شاید کوئی چیز کھانے کو مل جائے۔ آپؐ نے یہ سُن کر فرمایا خدا کی قسم مجھے بھی اس کے سوا اور کسی چیز نے باہر نہیں نکالا۔ یہ تینوں حضرات ایک انصاری کے پاس پہنچے اُن کی بیوی نے دیکھ کر کہا "مرحبا کیسا مبارک دن ہے ایسے مبارک اور معزز مہمان میرے یہاں آ گئے" اور بتایا کہ انصاری تو میٹھا پانی لینے باہر گئے ہوئے ہیں۔ اتنے میں وہ بھی آ گئے۔ ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے پکا کر لایا گیا اور کچھ چھوہارے بھی پیش کیئے گئے۔ ان حضرات نے شکم سیر ہو کر کھایا۔ ٹھنڈا پانی پیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ و عمرؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ۔ بے شک اس روز تمہارے سے ان نعمتوں کے بارہ میں سوال ہوگا۔ تمہیں گھر سے بھوک نے نکالا اور تم واپس لوٹنے سے پہلے ان نعمتوں سے بہرہ ور ہو گئے۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۳۰) علم یقین ہے۔ لیکن جب انہوں نے واپس پہنچ کر اپنی آنکھوں سے اس مشرکانہ عمل کو دیکھا تو غصہ کی کوئی حد نہ رہی حالانکہ علم یقین تو اللہ کی وحی سے ہو چکا تھا۔ آنکھوں سے دیکھا تو عین یقین کا مقام حاصل ہوا تو جو غصہ پہلے علم پر نہ تھا وہ دوسرے علم پر ہوا۔

تو یہ کس قدر اللہ کا انعام ہے۔ انسان اگر اس حقیقت کو سمجھ لے تو اس کو قدم قدم پر اللہ کی بے پایاں نعمتوں کا مشاہدہ ہونے لگے گا۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الھٰکم التکاثر

آیاتها ۳ ۱۰۳ = سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ = ۱۳ رکوعها ۱

سورۂ عصر مکی ہے ۔ اس میں تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالْعَصْرِ ﴿۱﴾ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ﴿۲﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَ

قسم اُترتے دن کی۔ مقرر انسان ٹوٹے میں ہے۔ مگر جو یقین لائے اور

عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾ ع ۳ / ۳۸

کیئے بھلے کام، اور آپس میں تقید کیا سچے دین کا، اور آپس میں تقید کیا سہار کا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ العصر

سورۂ عصر بالاتفاق مکی سورت ہے تمام ائمہ مفسرین کا اس پر اجماع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔ البتہ بعض مفسرین قتادہؒ سے اس کے بارہ میں مدنیہ ہونے کا قول نقل کرتے ہیں۔

اس سورت میں زمانہ کی قسم کھا کر انسان کے خسارہ اور اس کی عاقبت کی تباہی کا بیان ہے اور بطور بنیادی اصول چار چیزوں کو معیار فرمایا گیا جو انسان کو خسران و محرومی سے بچانے والی ہیں۔ ایمانؔ۔ عمل صالحؔ۔ تواصیؔ بالحق اور تواصیؔ بالصبر۔

انسان کی زندگی ایک عظیم سرمایہ ہے تو اس کے خسارہ اور کامیابی کی دونوں جانبوں کو بڑی ہی وضاحت

سے بیان فرمایا گیا۔

سورۃ تکاثر میں یہ بتایا گیا تھا کہ انسان اپنی زندگی اسی حرص و شوق میں گذار دیتا ہے کہ مال و دولت کی کثرت ہو۔ عیش و عشرت کے اسباب مہیا ہو جائیں۔ اور اسی پر وہ فخر کرتا ہے۔ تو اب اس سورت میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ انسان اپنی فطری اور طبعی کمزوری سے اپنی زندگی ہی تباہ و برباد کرتا ہے اور اس قیمتی سرمایۂ حیات سے جو نفع اٹھانا چاہیئے تھا وہ نہیں اٹھاتا تو اس طرح انسان اپنی زندگی برباد کرتا ہے اور اس محرومی اور خسران سے بچنے کے یہ اصولِ اربعہ ہیں۔ ایمان و عمل صالح۔ تواصی بالحق۔ اور تواصی بالصبر۔ گویا اصولِ فلاح و سعادت کے موضوع پر یہ سورت نہایت ہی جامع سورت ہے۔ اسی وجہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے۔ "اگر اللہ رب العزت قرآن کریم میں اس سورت کے علاوہ اور کچھ نہ اتارتے تو تب بھی یہی ایک سورت عـه تمام دنیا کے انسانوں کے لیئے کافی تھی۔ تو ارشاد فرمایا۔ قسم ہے زمانہ کی جس کے انقلابات کا انسان ہمہ وقت مشاہدہ کرتا ہے عزت و ذلت امیری و فقیری۔ تندرستی و بیماری۔ راحت و تکلیف اور کامیابی و ناکامی اور رنج و خوشی۔ غرض یہ تمام احوال اور زندگی میں واقع ہونے والے افعال خیر و شر سب ہی باتیں اس بات کی گواہ ہیں۔

بے شک انسان اپنی فطرت اور طبعی کمزوریوں کے باعث عمر عزیز گرانقدر سرمایہ ضائع کر ڈالنے کی وجہ سے بڑے ہی خسارہ میں ہے۔ دنیا میں ہر خسارہ کی تلافی ممکن ہے۔ لیکن اس خسارہ کی تلافی کا کوئی امکان نہیں۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیکی کے کام کیئے اور باہم ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے کی تاکید کرتے رہے۔ اور ایک دوسرے کو صبر و برداشت اور پابندی اعمال پر تاکید اور ہدایت و نصیحت کرتے رہے تو بس یہ لوگ تو خسارہ سے بچیں گے اور بلا شبہ نفع اٹھا سکیں گے اپنے سرمایۂ حیات سے۔

کلام اللہ میں زمانہ کی قسم کھانا انسانی حیات کو ضیاع و خُسران سے محفوظ رکھنے کے لئے ہے

اس سورۃ مبارکہ میں حق تعالے نے زمانہ کی قسم کھا کر انسانی حیات کی تباہی و بربادی یا اس کے سودمند اور کارآمد ہونے کا ایک جامع ضابطہ اور مکمل ہدایت کے اصول بیان فرمائے۔

عـه: سلف صالحین سے منقول ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملتے تو جُدا ہوتے وقت ایک دوسرے کو یہ سورت سنایا کرتے۔ ۱۲

انسان کی زندگی بلاشبہ ایک قیمتی سرمایہ ہے اور ہر سرمایہ لگانے والا یہ سوچا کرتا ہے کہ اس کو لگائے ہوئے سرمایہ پر کیا نفع ملا یا اصل سرمایہ بھی ضائع و برباد کیا۔ اسی حقیقت کی طرف انسانی اذہان و افکار کو متوجہ کرنے کے لیئے قرآن کریم نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ ان الفاظ سے یہ واضح کر دیا گیا کہ انسان کو اپنی زندگی جو نہایت ہی گرانقدر سرمایہ ہے اس سے نفع اٹھانے کی شکل صرف یہی ہے۔ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ تو اس چند روزہ عمر میں انسان اگر نفع اٹھانا چاہتا ہے تو اس کے لیئے دو باتیں ضروری ہیں۔ اوّل یہ کہ اپنی حیات میں کمال حاصل کرے۔ دوسرے یہ کہ بعد الحیات ایسا سلسلہ باقی چھوڑے جو باقیات الصالحات ہوں اور حسنات ہمیشہ اس کو پہنچتے رہیں ورنہ عمر تو انسان کی بہت ہی مختصر ہے۔ کچھ حصّہ تو بچپن کا گذر جاتا ہے کچھ لہو ولعب میں اور کچھ بیماریوں اور بڑھاپے میں۔ بس درمیان کی ایک مختصر سی مدت ہے اس میں بھی ہزاروں موانع نفس کی خواہشات کا جال فتنوں کا سیلاب طبعی غفلتیں مادّی مصروفیات غرض اس مختصر سی مدت میں کتنے لمحے ایسے نصیب ہوں گے جن سے وہ ابدی نفع حاصل کر سکے گا۔ تو اسی امر کے پیش نظر بالعموم نوع انسان کو خسارہ اٹھانے والا فرما کر اس سے بچاؤ اور تحفظ کے یہ اصول اربعہ متعین فرما دیئے گئے۔ ایمان عمل صالح تواصی بالحق۔ اور تواصی بالصبر۔ ایمان سے معرفت کا مقام حاصل ہوگا۔ عمل صالح اطاعت و فرماں برداری جو تہذیب نفس کا باعث ہے۔ اور اس حالت میں روح کی بدن سے مفارقت موجب سعادت ہوگی۔ تو اس حد تک کمال اعتقاد اور صلاح عمل کا مقام تو مکمل ہو جائے گا۔ مگر انسانی سعادت اس امر کی بھی متقاضی ہے کہ صلاح ذات یا تہذیب نفس کے ساتھ اصلاح کا پہلو بھی جمع ہو۔ اور وہ اسی میں مضمر ہے کہ حق اور صداقت کو پھیلایا جائے اس پر دوسروں کو آمادہ کیا جائے تاکہ یہ سلسلہ حسنات باقیہ کا جاری ہو۔ اور ظاہر ہے کہ اصلاح معاشرہ کے لیئے حق و صداقت پر دوسروں کو آمادہ کرنا بنیادی امر ہے اسی کے ساتھ تواصی بالصبر بھی لازم ہے کہ احکام الٰہیہ اور مکارم اخلاق کی پابندی اور اس کے مطابق زندگی بنانے کے لیئے صبر و استقامت کی تلقین راہ حق میں شدائد مصائب کے تحمل کے لیئے ہمت دلانا۔ اپنی ذات اور کردار کو باکمال بنانے کے بعد دوسروں کو بھی باکمال بنانے اور فوز و فلاح کے بلند ترین مقام تک پہنچانے کا ذریعہ ہوگا اور ادنیٰ تامل سے یہ بات ظاہر ہو جائے گی۔ زندگی کی خوبی اور زمانہ کی خیر و برکت اسی میں مضمر ہے اور اگر انسانی حیات کمال کے ان دو پہلوؤں سے خالی ہو تو پھر دنیا آلام و مصائب اور آفات و فتن کا گہوارہ ہوگی۔ اور تاریخ عالم اس امر پر گواہ ہے کہ عالم میں ہر تباہی اور بربادی ایمان و عمل صالح کے فقدان اور تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کے ختم ہو جانے سے ہی مرتب ہوتی رہی ہے۔ یعنی انسانوں میں جب نہ خود کوئی کمال رہے اور نہ دوسروں کو خیر کی دعوت ہو تو پھر سوائے خسران اور تباہی کے اور کیا ہو سکتا ہے اور چونکہ یہ حقائق زمانہ کی تاریخ ہیں۔ اس وجہ سے زمانہ کی

قسم کھا کر اس مضمون کو ارشاد فرمایا گیا۔ع بعض مفسرین نے عصر سے وقت عصر مراد لیا ہے کسی نے نماز عصر۔لیکن جمہور کے نزدیک یہی قول راجح ہے۔

فائدہ قرآن کریم میں بہت سی چیزوں کی قسمیں حق تعالیٰ شانہ، نے کھائی ہیں۔کہیں رات کی۔ دن کی۔چاند سورج کی۔زمین و آسمان کی شہر مکہ کی۔کہیں تین اور زیتون کی اس موضوع کو پہلے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ ان قسموں سے غرض ان مخلوقات کی عظمت کو مخاطبین کے ذہنوں میں قائم کر کے اصل مدعیٰ کو واضح اور ثابت کرنا ہوتا ہے۔اور اس میں غیر اللہ کی قسم کا اشکال بھی درست نہیں کیونکہ غیر اللہ کی قسم مخلوق کی طرف سے تو شرک کا شائبہ رکھتی ہے۔خالق کا خود اپنی مخلوق کی قسم کھانا اس شبہ سے پاک ہے۔اس لئے ان اقسام میں لفظ رب محذوف ماننے کی ضرورت نہیں جیسا کہ بعض حضرات نے اس کا اہتمام کیا ہے ظاہر ہی پر محمول رکھتے ہوئے کہا جائے کہ خالق کا خود اپنی مخلوق کی قسم کھانا شرک نہیں بلکہ مخلوق کی عظمت ظاہر کر کے خدا خود اپنی عظمت کو ثابت فرما رہا ہے۔

ع: استاذِ محترم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں کہ انسان کو خسارہ سے بچنے کے لئے چار باتوں کی ضرورت ہے اول خدا اور رسول پر ایمان لائے اور ان کی ہدایات اور وعدوں پر خواہ دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے پورا یقین رکھے دوسرے اس یقین کا اثر محض قلب و دماغ تک محدود نہ رہے بلکہ جوارح میں بھی ظاہر ہو اور اس کی عملی زندگی اس کے قلبی ایمان کا آئینہ ہو۔تیسرے محض اپنی انفرادی صلاح و فلاح پر قناعت نہ کرے بلکہ قوم و ملّت کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے جب دو مسلمان آپس میں ملیں ایک دوسرے کو اپنے قول و فعل سے سچے دین اور ہر معاملہ میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔چوتھے ہر ایک کو دوسرے کی یہ وصیّت و نصیحت رہے کہ حق کے معاملہ میں اور شخصی و قومی اصلاح کے راستہ میں جس قدر سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں یا خلافِ طبع امور کا تحمل کرنا پڑے پورے صبر و استقامت سے تحمل کریں ہرگز قدم نیکی کے راستے سے ڈگمگانے نہ پائے جو خوش قسمت حضرات ان چار اوصاف کے جامع ہوں گے اور خود کامل ہو کر دوسروں کی تکمیل کریں گے ان کا نام صفحات دہر میں زندۂ جاوید رہے گا۔اور جو آثار چھوڑ کر دنیا سے جائیں گے وہ بطور باقیات صالحات ہمیشہ ان کے اجر کو بڑھاتے رہیں گے (کذا فی الفوائد)

تو اس طرح ان اصول اربعہ کو انسانی فوز و فلاح اور فرد و ملت کی کامیابی کے جامع اصول کہا جا سکتا ہے پھر ان اصول اربعہ میں قوت نظریہ اور قوت عملیہ کی تکمیل کا پہلو بھی واضح ہے اور اسی کے ساتھ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر سیاست مدنیہ کے تمام شعبوں کو اعلیٰ و اکمل طور پر پورا کرنے کا باعث ہیں۔ ۱۲۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ الۡهُمَزَةِ

سورۃ الہُمزہ بھی مکی سورت ہے اور اکثر ائمہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے۔

اس سورۃ مبارکہ میں خاص طور پر ان امور وخصائل کی مذمت کی گئی ہے جو انسانی اقدار کو تباہ کرنے والے ہیں. طعن وتشنیع۔ عیب جوئی بدترین خصلت ہے جو ایمان کے ساتھ جمع ہونے کے قابل نہیں۔ مؤمن کی شان سے اس قسم کی باتیں بعید ہیں۔ ان مذموم اور ناپاک خصلتوں کا کفر وشرک کے ساتھ اجتماع ہو سکتا ہے. مگر انسان کو آگاہ ہونا چاہیئے کہ کفر ونافرمانی کا کیسا بدترین انجام ہے. جہنم کی دہکتی ہوئی آگ جس کے تصوّر سے ہی انسان کانپ جائے۔ ظاہر ہے کہ جب اس جہنم میں مجرمین کو ڈالا جائے گا تو کیا حال ہوگا تو اس مضمون میں نارِ جہنم کی عظمت وہیبت کو بیان کیا گیا۔

آیاتُها ۹ ‏ ۱۰۴ = سُوۡرَۃُ الۡهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ = ۳۲ ‏ رُكُوعُهَا ۱

سورۃ الہُمزۃ مکی ہے، اس میں نو آیتیں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۣ ۝۱ الَّذِىۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝۲

خرابی ہے ہر طعنے دیتے، عیب چنتے کی۔ جس نے سمیٹا مال اور گن گن رکھا۔

يَحۡسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ ۝۳ كَلَّا لَيُنۡۢبَذَنَّ فِى الۡحُطَمَةِ ۝۴

خیال رکھتا ہے کہ مال سدا رہے گا اس کے ساتھ۔ کوئی نہیں! اس کو پھینکنا ہے اس روندنے والی میں۔

وَمَاۤ اَدۡرٰكَ مَا الۡحُطَمَةُ ۝۵ نَارُ اللّٰهِ الۡمُوۡقَدَةُ ۝۶ الَّتِىۡ

اور تو کیا بُوجھا؟ کون ہے وہ روندنے والی؟ آگ ہے اللہ کی سلگائی۔ وہ جو

تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝۷ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝۸ فِیْ

جھانک لیتی ہے دل - ان کو اس میں موندا ہے - لمبے

عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝۹

لمبے ستونوں میں -

ع ۱ ۲۹

طعن و تشنیع و عیب جوئی و حُبِّ مال موجب ہلاکت و باعث نارِ جہنم ہے۔

قال اللہ تعالیٰ۔ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ..... الی .... فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ

(ربط) گزشتہ سورۃ والعصر میں انسان کو ایسے اصول کی ہدایت فرمائی گئی جن کے ذریعہ وہ اپنی زندگی کو ضائع ہونے سے بچا سکے اور انسانی حیات جس فوز و فلاح کے لئے عطا کی گئی اس کو حاصل کر کے خسران و محرومی سے محفوظ رہے۔ اب اس سورت میں ان بعض ناپاک اور بیہودہ خصلتوں کا بیان ہے جن سے انسان اپنی انسانیت ہی کو برباد کر ڈالتا ہے وہ طعن و تشنیع جیسی مذموم خصلت۔ لوگوں میں عیب تلاش کرنا۔ ان پر طنز کرنا۔ ان کی تحقیر و تذلیل کے درپے ہو جانا ہے۔ ان مذموم خصلتوں کا حامل انسان اپنی انسانیت ہی برباد کرتا ہے تو پہلے عمر ضائع کرنے پر وعید تھی اور اس سے تحفظ کے اصولِ اربعہ کا بیان تھا۔ تو اب اصل انسانیت ہی کو تباہ کرنے والی خصلتوں کا بیان ہے تاکہ انسان ایسے ناپاک خصلتوں سے بچنے کی کوشش کرے۔ پھر یہ فرمایا جا رہا ہے کہ جہاں ایک طرف ان خصائل سے انسانیت کو گندگی سے آلودہ کرنا لازم آتا ہے اسی طرح مال کی محبت اور اس پر فریفتہ ہو جانا بھی انسانیت کو تباہ کرنے والی خصلت ہے۔ مال و دولت کی حرص انسان کو ہر خیر و فلاح سے محروم کرنے والی چیز ہے اور ساتھ ہی معاشرہ میں ہر نوع کی خرابی پیدا کرنے کا باعث ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ ناپاک خصائل ان معاصی اور گناہوں کا موجب ہیں جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں۔ گناہوں میں حقوق اللہ کا برباد کرنا بھی بے شک بڑا گناہ ہے لیکن ان کی معافی کا امکان ہے۔ اس کے برعکس حقوق العباد کی معافی ممکن نہیں۔ ان خصلتوں سے انسان جماعتوں اور قوموں میں تفرقہ ڈالتا ہے جو بدترین جرم ہے۔ غیبت جیسی بدترین خصلت کا مرتکب ہوتا ہے جس کو قرآن کریم نے اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے کے برابر قرار دیا۔ اور زنا سے بھی زیادہ قبیح فرمایا۔ تو ان عادات و خصائل سے انسان کی دنائت و ذلت کی کوئی حد باقی نہیں رہتی تو ان پر وعید فرمائی گئی ہے اور آخرت کے عذاب کا بھی ذکر فرمایا گیا تاکہ انسان

ان باتوں سے پرہیز کرے۔ ارشاد ہے۔

بڑی ہی ہلاکت و تباہی ہے ہر ایسے شخص کے لیئے جو پس پشت طعنہ دینے والا اور عیب[1] جوئی کرنے والا ہو جو اپنے اس خبث اور کمینہ خصلت کے ساتھ اس قدر حریص اور لالچی ہے کہ مال جمع کرتا ہے اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے۔ خیر اور نیکی کے کام میں خرچ کرنے کی تو کیا توفیق ہوتی۔ زکوٰۃ و خیرات اور صلہ رحمی یا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا تو کیا تصور کیا جا سکتا ہے وہ تو مال کی حرص اور بخل میں اس حد تک پہنچا ہے کہ گن گن کر رکھتا ہے۔ کہیں کوئی پیسہ نکل کر بھاگ نہ جائے کوشش یہی ہوتی ہے اس میں سے ایک پیسہ خرچ نہ ہونے دیا جائے ہر طرف سے مال سمیٹنے اور بار بار گننے ہی میں اس کو مزہ آتا ہے۔

کیا وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ باقی رکھے گا نہ موت آئے گی اور نہ آسمانی حوادث و مصائب کا شکار بنے گا۔ اور نہ قیامت میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہو گا جو کہ اس کے بخل حرص مال اور غرور و نخوت سے ظاہر ہو رہا ہے۔ خبردار ہرگز ایسا نہیں اس انسان کا یہ خیال قطعاً غلط ہے۔ ضرور بالضرور وہ پھینکا جائے گا حطمہ میں۔ اور اے مخاطب تجھے معلوم بھی ہے کہ کیا ہے وہ حطمہ اور روندنے والی چیز اس کی شناخت و معرفت انسانی عقول و افکار سے بالاتر ہے وہ تو ایک آگ ہے دہکتی ہوئی جو بدن کو جلا کر ابھرتی ہے دلوں پر جب کہ دنیا کی کوئی آگ بھی بدن کو جلا کر دل تک نہیں پہنچتی۔ اور نہ ہی اس کی نوبت آتی ہے کہ آگ انسان کے بدن کو جلا کر دلوں کے اوپر اس کے شعلے ظاہر ہوں بلکہ وہ اس سے قبل ہی نزع روح کا باعث بن جاتی ہے۔ مگر یہ آگ ان مجرمین کے بدنوں کو جلاتی ہوئی دلوں پر ظاہر ہو گی اور اس کے شعلے دلوں کے اوپر بھڑکتے ہوں گے وہ آگ ان پر پاٹ دی جائے گی۔ جیسے کہ سرپوش میں کوئی چیز ڈھانک دی جائے جس کے بعد آگ کا ان پر ہر طرف سے احاطہ ہو گا نہ اندر کا گرم سانس باہر نکل سکے گا اور نہ باہر کی کوئی سرد ہوا ان تک اندر پہنچ سکے گی اور نہ ہی یہ ممکن ہو گا یہ جہنمی تڑپ کر یا پھڑک کر باہر نکل جائیں بلکہ وہ گھرے ہوں گے۔ جکڑے ہوئے ہونگے بڑے بڑے آتشی ستونوں میں کہ نہ تو ان ستونوں کو اکھاڑا جا سکے گا اور نہ ہی یہ مجرمین ان ستونوں سے کھل کر کہیں بھاگ سکیں گے۔ یا یہ پٹی[2] ہوئی آگ۔ ایسے ستونوں کی شکل میں ہو گی جو بڑے

---

[1] ہُمزہ اور لُمزہ کی صفت کے ساتھ اس شخص کی مزید یہ خصلت بیان کرنا کہ اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ۔ یا تو اس امر کے پیش نظر ہے کہ بدگوئی اور عیب جوئی کی مذموم صفت تکبر سے پیدا ہوتی ہے جس کا منشاء مال و دولت کی کثرت ہے جس کی یہ نوبت ہے کہ " جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ یا یہ کہ جس طرح جسمانی امراض میں ایک مرض دوسرے مرض سے وابستہ ہوتا ہے اسی طرح بدگوئی اور عیب جوئی کی بیماری بخل اور حرص مال سے پیدا ہوتی ہے۔ ۱۲۔

[2] یہ کلمات اس امر کی طرف اشارہ ہیں کہ آیت فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ ہو سکتا ہے کہ اِنَّھَا عَلَیْھِمْ میں لفظ علیہم سے متعلق ہو اور لَیُنْبَذَنَّ فِی الْحُطَمَۃِ میں جن لوگوں کو روندنے والی جہنم میں ڈالنے کی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہی دراز کیئے ہوئے اور پھیلائے ہوئے ہوں۔

ھُمَزَہ اور لُمَزَہ کی تفسیر

لفظ ھُمزہ اور لمزہ اصول عربیت کی رُو سے فُعلَہ کے وزن پر ہے جو مبالغہ کے لیئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے ضُحکَہ اس شخص کو کہتے ہیں جو زیادہ ہنستا ہو اور مبالغہ کا صیغہ کسی بھی صفت کے بیان کرنے کے لیئے اس جگہ لایا جاتا ہے۔ جہاں اس صفت یا فعل کو بطور عادت بیان کرنا مقصود ہو۔ ان کی تفسیر میں متعدد اقوال منقول ہیں۔ ابوعبیدہؒ کہتے ہیں۔ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ غیبت و بدگوئی کرنے والا۔ ابوالعالیہؒ حسنؒ مجاہدؒ اور عطاءؒ فرماتے ہیں کہ ہُمَزَہ وہ ہے جو رُو در رُو بدگوئی کرے اور لمزہ وہ جو پسِ پشت برائی کرے۔ قتادہؒ نے اس کے برعکس بیان کیا ہے۔

بعض ائمہ لغت سے نقل کیا گیا کہ ہُمزہ وہ ہے جو کسی کے نسب میں طعن کرے۔ مثلاً فلاں کمینہ ہے اس کی ماں ایسی ہے یا باپ ایسا تھا۔ اس کی قوم شریف نہیں وغیرہ وغیرہ اور لُمَزَہ وہ ہے ہاتھ پاؤں کے اشاروں اور حرکتوں سے تحقیر و توہین کرے حافظ ابن کثیرؒ نے فرمایا ہُمزہ وہ جو کسی کی زبان سے برائی کرے اور لمزہ وہ جو افعال کے ذریعے کسی کی دل آزاری کرے۔

بہرکیف یہ متعدد اقوال ائمہ مفسرین نے نقل کیئے ہیں۔ زیادہ مناسب دونوں کے ترجمہ میں وہی ہے جو اختیار کیا گیا کہ ہُمزہ "طعن اور عیب لگانے والا" اور لُمزہ "عیب جوئی کرنیوالا یا چغل خوری کرنے والا"۔

اس میں شبہ نہیں کہ یہ دونوں خصلتیں انتہائی ذلیل خصلتیں ہیں۔ آیت وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ میں وضاحت سے تفسیر گذر چکی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ طعن و تشنیع اور لعنت ملامت کرنے والا ہو۔

ایک روایت میں ہے آپؐ نے فرمایا ہلاکت و بربادی ہے اس شخص کے لیئے جو لوگوں کو ہنساتا ہے جھوٹی بات کہہ کر۔ ہلاکت ہے ہلاکت ہے[ع]

عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت نجات کا راستہ

ع: مسند امام احمد بن حنبلؒ۔

(باقی حاشیہ ص ۵۳۸) وعید بیان فرمائی گئی ان کے واسطے فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ ظرف ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اِنَّہَا یعنی نارِ جہنم کی صفت ہو کہ وہ آگ ایسے ستونوں کی شکل میں ہوگی اور اس کے بلند شعلے ایسے نظر آتے ہوں گے۔ جیسے کہ بلند کیئے ہوئے اور پھیلائے ہوئے ستون ہوں۔ ۱۲۔

کیا ہے فرمایا اپنی زبان قابو میں رکھو یعنی ہر بُری بات سے زبان کو روکو۔ اور گھر میں بیٹھو اور اپنے گناہوں پر رویا کرو۔ [1]

ایک روایت میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جانتے بھی ہو کہ غیبت کیا ہے لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے۔ فرمایا کسی شخص کا اپنے بھائی کی ایسی بات ذکر کرنا جو اس کو بُری معلوم ہو۔ کسی نے اس پر عرض کیا۔ یارسول اللہ اگر وہ بات اس میں ہو تو کیا پھر بھی غیبت ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں اسی کا نام غیبت ہے اور اگر ایسی بات یا عیب لگاؤ جو اس میں نہیں تو پھر یہ تو بہتان ہے [2]

بالعموم ایسے خبیث امور یا عادات کا سبب کبر و تعلی ہوتا ہے اس بنا پر وہ دوسروں کی عیب گوئی اور طعن میں لگ کر اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے۔ اور طبعاً انسان کے عزور و نخوت اور دوسروں کی تحقیر کے یہ اسباب ہوتے ہیں۔ حسن و جمال۔ شرافت۔ نسب و حسب۔ علم و ہنر اور مال و دولت جس کا نشہ انسان کو اندھا بنادیتا ہے تو اس وجہ سے ان امور خبیثہ کے ساتھ اس شخص کا یہ وصف بھی بیان کر دیا گیا۔ اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْفِيْل

تمام مفسرین کے نزدیک سورۃ الفیل مکی سورت ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے ائمہ مفسرین صحابہ سے اسی طرح منقول ہے۔ اس کی پانچ آیات ہیں۔ اس سورت میں ایک عظیم تاریخی واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے جو باجماع امت حق تعالے شانہٗ کی قدرت کاملہ اور بالغہ کا ایک واضح نمونہ تھا۔ اور اللہ ربّ العزّت نے اس واقعہ کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ نبوت کے لیئے ایک دلیل اور بشارت کے طور پر ظاہر کیا۔ جس کو اصطلاح شریعت میں ارہاص کہا جاتا ہے۔ جس سال حضور کی ولادت با سعادت ہونی تھی اور ابھی ایک ماہ پچیس روز باقی تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ابرہہ اشرم نے بیتُ اللہ پر ہاتھیوں کے لشکر سے حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر اللہ نے اپنی قدرت سے پرندوں جیسی ضعیف مخلوق کی چونچوں اور پنجوں کی کنکریوں سے اس عظیم لشکر کو ہلاک اور پارہ پارہ فرمادیا یہ آپ کی نبوّت کی تصدیق کے لیئے

---

[1] جامع ترمذی ابوداؤد۔
[2] صحیح مسلم۔

قدرتِ خداوندی نے بطور دلیل و نمونہ پیش کیا جس کو ارہاص کہا جاتا ہے۔
بیت اللہ چونکہ مرکزِ ہدایت بنایا گیا تھا تو اس پر کسی طاغوتی حملہ کو قدرت الٰہی نے گوارا نہ کیا اور اس قصہ سے یہ ظاہر کر دیا گیا کہ خدا کے دین اور مرکزِ ہدایت کو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی بلکہ وہ خود ہی پارہ پارہ کر دی جائے گی۔

آیاتہا ۵ — ۱۰۵ سُورَةُ الْفِيلِ مَكِّيَّةٌ ۱۹ — رکوعہا ۱

سورۂ فیل مکی ہے اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۞ اَلَمْ

نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے، ہاتھی والوں سے ؟ نہ کر دیا

يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۞ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا

ان کا داؤ غلط ؟ اور بھیجے ان پر اڑتے

اَبَابِيْلَ ۞ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۞ فَجَعَلَهُمْ

جانور تنگ تنگ۔ پھینکتے ان پر پتھریاں کھنگر کی ؟ پھر کر ڈالا انکو

كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۞

جیسے بھس کھایا ہوا۔

نزولِ غضبِ خداوندی بر ہتکِ حرماتِ الٰہیہ و تحقیرِ مرکزِ ہدایت

قال اللہ تعالیٰ۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ ۔۔۔ الی ۔۔۔ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ

(ربط) ماقبل سورۃ "الہمزہ" میں انسان کے اخلاقِ رذیلہ کی مذمت اور اس پر خدا کی طرف سے

نازل ہونے والے قہر و عذاب کا ذکر تھا جو آخرت میں ایسی ذلیل حرکتوں پر مرتب ہوگا۔ اب اس صورت میں یہ بتایا جارہا ہے۔ خدا کی نافرمانی اور اس کے دین کی دشمنی اور مقابلہ دنیا میں بھی تباہی اور ہلاکت کا موجب ہے۔ جیسے کہ ابرہہ اشرم کے لشکر نے اللہ کے گھر پر ناپاک جسارت کی تو کس طرح آسمانی عذاب نے اس کو ہلاک کر ڈالا تو ایسے تاریخی عظیم واقعات سے انسان سمجھ سکتا ہے کہ خدا کی قدرت سے جب نافرمانوں اور مجرموں پر ایسے عذاب اور قہر دنیا میں واقع ہوتے ہیں تو بلاشبہ یقین کرنا چاہیئے کہ کوئی مجرم خدا کے عذاب سے آخرت میں بھی ہرگز نہیں بچ سکے گا۔ اور جب اللہ کے گھر کی دشمنی پر خدا کا یہ قہر و غضب نازل ہوتا ہے تو جو شخص یا قوم اللہ کے پیغمبر اور اس کے دین کو دنیا میں پھیلانے والے کی دشمنی اور مقابلہ کرے گی وہ کیونکہ عذابِ خداوندی سے بچ سکتی ہے۔ تو اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے قبل ہی آپؐ کے غلبہ اور طاغوتی طاقتوں کی شکست کی خبر دی گئی۔ ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

کیا نہیں[1] دیکھا تو نے اے مخاطب کہ کیسا معاملہ کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ؟ جو ہاتھیوں کا ایک عظیم لشکر لے کر بیت اللہ پر حملہ کے لیئے آرہے تھے کہ وہ اپنی اس تدبیر سے (العیاذ باللہ) بیت اللہ کو منہدم کردیں گے۔ تو کیا نہیں کردیا۔ تیرے رب نے ان کی تدبیر کو۔ ان ہی کی ہلاکت و بربادی کی صورت[2] میں؟ ضرور کردیا اور ان کا داؤ ان ہی پر الٹا واقع ہوا اور غلط ہوکر ان کی تباہی کا باعث بنا اور ان کے دل میں جو کچھ تھا وہ پورا ہونے کی بجائے حسرتیں لے کر وہ جہنم میں چلے گئے اور بھیج دیئے ان پر پرند[3] کے غول کے غول

عہ: یہ استفہام تقریری ہے کہ ہاں ضرور دیکھا ہے۔ اور اس وجہ سے اس کے بارہ میں یہ کہا جارہا ہے کہ ضرور دیکھا ہے کیونکہ یہ قصہ اس قدر مشہور و معروف ہوا کہ گویا ہر ایک اس کو دیکھنے والا ہے اور اس بناء پر اس طرح سوال کیا جاسکتا ہے۔ ۱۲

عہ۲: ان کلمات سے لفظ کید کے مفہوم کی وضاحت مقصود ہے نیز یہ کہ تضلیل یہاں بمعنی اضاعت و اہلاک ہے جو کسی تدبیر کے غلط ہونے کا انجام ہوتا ہے اسی وجہ سے اکثر حضرات اکابر نے ترجمہ میں غلط کا لفظ استعمال فرمایا۔

عہ۳: طَیْرًا اَبَابِیْلَ میں لفظ ابابیل متفرق جماعتوں اور ٹولیوں کو کہا جاتا ہے۔ امام لغت ابو عبیدہ بیان کرتے ہیں ابابیل متفرق ٹکڑیوں کو کہتے ہیں۔ چنانچہ محاورات میں بولا جاتا ہے جاءت الخیل ابابیل من ھٰھُنَا و ھٰھُنَا۔ یعنی گھوڑوں کے لشکر متعدد دستوں کی صورت میں پے در پے اس طرف سے اُس طرف سے آئے۔

بعض ائمہ لغت کا خیال ہے کہ یہ لفظ جمع ہے لیکن اس لفظ سے اس کا کوئی واحد نہیں ہے۔ اخفش" وفراء" اسی کے قائل ہیں اور بیان کیا کہ یہ لفظ شماطیط اور عبادید کی طرح ہے کہ اس کا کوئی واحد

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جو اڑتے ہوئے ان پر برسا رہے تھے۔ سنگریزے پکی ہوئی مٹی کے جو ان پر گولیوں کی طرح برس رہے تھے۔
پھر بنا دیا ان کو کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح چورا چورا۔ جیسے گائے بیل چارہ کھانے کے بعد آخور چھوڑ دیتے ہیں۔ یعنی ایسا پراگندہ اور منتشر حقیر و ذلیل کہ دیکھنے میں بھی قابلِ نفرت معلوم ہو۔

تو اس طرح اللہ نے اپنی قدرت قاہرہ سے ہاتھیوں جیسے طاقتور لشکر کو کمزور اور ہلکے چھوٹے والے پرندوں سے اور ان کی چونچ اور پنجوں میں لیٹے ہوئے سنگریزوں سے ہلاک کر ڈالا۔

قصۂ اصحابِ فیل

یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پچاس پچپن روز پہلے کا پیش آنے والا عظیم تاریخی واقعہ ہے جو ایک طرف قدرتِ خداوندی کا نمونہ ہے تو دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و رسالت کی بھی پیش آنے والی نشانی یا بشارت ہے جس کو شریعت کی اصطلاح میں "ارہاص" کہا جاتا ہے۔ یہ آپ کی آمد اور ظہور قدسی کا ایک غیبی اشارہ اور اعلان تھا اور اس نسبت کے باعث کہ آپ کا ظہور قدسی قریش میں ہو رہا تھا اس قصہ سے منجانب اللہ قریش کی بھی غیبی مدد و نصرت تھی کیونکہ یہ نبی آخر الزمانؐ کا قبیلہ و خاندان ہے اور اللہ کے قبلہ کا متولی اور محافظ ہے۔

علامہ زرقانیؒ، حافظ ابن کثیرؒ نے البدایۃ والنہایۃ اور ابن سعدؒ نے طبقات اور مفسرین نے اپنی تفاسیر میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ ملک یمن میں جب وہاں کا بادشاہ ذونواس قوم حمیر کا آخری

ع ۔ لفظ سجیل پکی ہوئی مٹی اور گارے کے ٹکڑے۔ اہل لغت کا خیال ہے کہ یہ لفظ معرب ہے۔ سنگ گل سے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سجّیل ہر مضبوط اور شدید چیز کا نام ہے۔ بعض نے کہا کہ سجیل میں لام ن سے بدلا ہوا ہے اور معنی سجین ہے جو جہنم کا بدترین نیچے کا طبقہ ہے اور زجاجؒ سے منقول ہے کہ سجل کے معنی کتابت کے ہیں جیسے کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ " میں تو یہ سنگریزے وہ تھے جن پر عذاب کا فیصلہ لکھا ہوا تھا۔ واللہ اعلم ۔۱۲۔

(باقی حاشیہ ص ۵۴۲) نہیں دوسرے بعض ائمہ فرماتے ہیں اس کا واحد ہے۔ چنانچہ ابوجعفر رواسی کہتے ہیں کہ اس کا واحد ابالہ ہے اور یہ لفظ اس محاورہ میں بولا جاتا ہے " اِنّہٗ ضِغثٌ علیٰ اِبّالۃ" اور ابالہ سوکھے ہوئے گھانس کی گڈی کو کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ابول کی جمع ہے جیسے عجول کی جمع عجاجیل آتی ہے اور کوئی کہتا ہے یہ ایبالہ کی جمع ہے جیسے دینار کی جمع دنانیر ہے تو ایبالہ جمع ابابیل ہوگی۔ فرّاءؒ نے بیان کیا ابابیل کو ایبالہ کی جمع کہنا زیادہ بہتر ہے۔ ۱۲ (من تفسیر الکبیر للرازیؒ)

بادشاہ یہودی ہوگیا اور بہت سے لوگوں کو بھی زبردستی یہودی بنا لیا اور تعصّب کی وجہ سے نجران کے عیسائیوں کو (جو اس وقت صحیح عیسوی مذہب کے متبع تھے) ظلم وستم کا نشانہ بنایا حتیٰ کہ خندقیں کھُدوا کر ان میں آگ بھروائی اور جس نے اس کا مذہب قبول نہ کیا اس کو اس دہکتی ہوئی آگ میں جھونکنا شروع کر دیا اور یہی وہ مظالم تھے جن کا ذکر سورۃ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ میں گذر چکا۔ اس ظالم بادشاہ نے انجیل بھی جلادی تو کچھ لوگ جلی ہوئی انجیل کا نسخہ لے کر شاہ روم قیصر کے پاس پہنچے اور اس سے مدد طلب کی۔ شاہ قیصر نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو جو اس کا تابع تھا۔ ان لوگوں کی مدد کے لیئے لکھا۔ نجاشی نے ابرہہ کو ایک لشکر دے کر روانہ کیا تا کہ ذو نواس کی سلطنت کو تباہ کر دیا جائے۔ اس نے یمن کی یہ سلطنت جو ذو نواس کی تھی۔ اس کو تو ختم کر دیا اور خود اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یمن کا بادشاہ بن بیٹھا۔ یہ شخص نہایت ہی عیاشں اور شہوت پرست تھا اس نے جب یہ دیکھا کہ عرب کے لوگ کعبہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہاں تمام اطراف واکناف کے لوگ زیارت وعبادت کی نیّت سے جاتے ہیں تو اس نے بیت اللہ کی عظمت وبرتری ختم کرنے کے لیئے شہر (صنعاء) یمن میں ایک کنیسہ (گرجا) تعمیر کرایا۔ جس میں ہر طرح کی تعمیری زیبائش اور آرائش رکھی تاکہ لوگ اس کو دیکھ کر فریفتہ ہوجائیں اور بیت اللہ کو چھوڑدیں اور حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ کے وقت سے جو حج بیتُ اللہ کا دستور عرب میں چلا آرہا تھا۔ اس کے بجائے صنعاء کے کعبہ کا حج یا میلہ ہونے لگے۔ اور حکم جاری کردیا کہ کوئی شخص مکہ نہ جائے اسی کعبہ کا حج کیا کرے۔ ظاہر ہے کہ بیت اللہ کی مقبولیت اس مصنوعی کعبہ میں کہاں سے آسکتی تھی اس کا کوئی اثر نہ پڑا۔ اور بدستور اہل عرب ویمن مکہ مکرمہ ہی جاتے رہے۔ اہل مکہ کو ظاہر ہے کہ اس پر غیظ وغضب اور ناگواری ہونی ہی چاہیئے تھی تو اس جذبہ سے کسی جاروب کش نے جو عرب یا مکہ کا تھا۔ اس کنیسہ میں پاخانہ کرکے اس کو جگہ جگہ سے آلودہ کر دیا۔ پھر چند روز بعد اس میں آگ لگ گئی یا بقول بعض مؤرخین بیت اللہ کی محبّت میں معمور کسی شخص نے رات کے وقت آگ لگا دی۔ جب حالات کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ آگ بھی مکہ کے لوگوں نے لگائی ہے تو ابرہہ بادشاہ نے غصہ میں آکر ایک لشکر جرار تیار کیا۔ جو بڑے طاقتور ہاتھیوں پر بھی مشتمل تھا۔ اور یہ ہاتھیوں کا لشکر مکہ کی طرف روانہ ہوا تاکہ کعبۃ اللہ کو ڈھادیا جائے اور راستہ میں جو قبیلہ بھی عرب کے قبائل میں سے مزاحمت کرتا اس کو تہ تیغ کرتا ہوا مکہ کی طرف اپنے لشکر کو رواں دواں رکھا۔ یہاں تک کہ جب یہ لشکر مکہ مکرمہ کے قریب بعض روایات میں ہے نو دس میل کی مسافت پر تھا تو اطراف مکہ میں جو مویشی بھی جنگلوں میں چرتے نظر آئے ابرہہ کا لشکر ان کو بھی پکڑنے لگا۔ اسی میں عبدالمطلب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جَدّ (دادا) تھے ان کے بھی دوسو اونٹ پکڑ لیئے۔ اس وقت عبدالمطلب ہی قریش کے سردار اور بیت اللہ کے متولیّ تھے۔ جب ان کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے قریش کے لوگوں کو جمع کرکے کہا گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں یہ کعبہ اللہ کا گھر ہے وہ خود اس کی حفاظت کرلے گا۔ اور تم لوگ مکہ خالی کرکے میدانوں میں نکل جاؤ۔ اس کے بعد عبدالمطلب چند رؤساءِ قریش کو اپنے ہمراہ لے کر ابرہہ سے ملاقات کے لیئے گئے اطلاع کرائی۔ ابرہہ نے بڑی ہی عزّت کے ساتھ استقبال کیا۔ عبدالمطلب حسن وجمال کا پیکر تھے وقار وعظمت اور ہیبت ان پر برستی تھی۔

اور اللہ نے ان کو ایسی وجاہت اور دبدبہ عطا کیا تھا کہ دیکھنے والا دیکھتے ہی مرعوب ہو جاتا تھا اور کیوں نہ ہوتا جب کہ اللہ تعالیٰ آپ کی صلب سے وہ نبی ذی شان و ذی وقار پیدا کرنے والا تھا جس کو اللہ رب العزت نے یہ وصف عطا فرمایا تھا کہ "اُعطیت الرعب بمسیرۃ شھر"، کہ مجھے ایک ماہ کی مسافت سے رعب عطا کیا گیا ہے کہ میں دشمن سے اس قدر فاصلہ پر ہوں گا تو اس بُعد کے باوجود اس کے دل پر رعب طاری ہوگا اور وہ ہیبت زدہ ہو جائے گا۔ تو ابرہہ اس قدر مرعوب ہوا کہ عبدالمطلب کو اپنے ساتھ اپنے تخت پر بٹھانا تو گوارا نہ کیا البتہ خود تخت سے نیچے اُتر کر فرش پر بیٹھا اور ان کو اپنے ساتھ برابر میں بٹھایا۔ دوران گفتگو عبدالمطلب نے اپنے اونٹوں کا ذکر کیا کہ ان کو چھوڑ دیا جائے۔ ابرہہ نے تعجب کے ساتھ کہا کہ بڑی ہی عجیب بات ہے کہ تم نے اپنے اونٹوں کو تو چھوڑ دینے کا ذکر کیا اور خانہ کعبہ جو تمہارا اور تمہارے آباء و اجداد کا کعبہ اور دین و مذہب ہے اس کے بارہ میں تم نے کوئی حرف نہیں کہا حالانکہ یہ مسئلہ بڑا اہم تھا اور تم کو اسی کی فکر چاہیئے تھی عبدالمطلب نے جواب دیا اَنَا رَبُّ الاِبِلِ وَ لِلبَیتِ رَبٌّ سَیَمنَعُہٗ کہ اونٹوں کا میں مالک ہوں (لہٰذا میں جس کا مالک ہوں میں نے اس کی فکر کی اور اسکا ذکر کیا) اور کعبہ تو اللہ کا گھر ہے اللہ ہی اس کا رب ہے تو وہی اس کی حفاظت کرے گا۔ ابرہہ نے کچھ سکوت کے بعد عبدالمطلب کے اونٹ واپس کر دینے کا حکم دیا۔ یہ تمام اونٹوں کو لے آئے اور خانہ کعبہ کی نذر کر دیئے۔ اور بیت اللہ کے دروازے پر آکر گڑگڑا کر دعا مانگنے لگے کہ اے اللہ یہ تو تیرا گھر ہے تو ہی اس کی حفاظت فرما یہ دشمن ہاتھیوں کا لشکر عظیم لے کر آئے ہیں اور تیرے حرم کو برباد کرنے کا قصد لے کر آئے ہیں اور اپنی جہالت سے انہوں نے تیری عظمت و جلال کو نہیں سمجھا عبدالمطلب دعا سے فارغ ہوئے ہی تھے۔ اور ادھر ابرہہ اپنا لشکر لے کر آگے بڑھنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ یکایک پرندوں کے غول کے غول نظر آئے۔ ہر ایک پرندہ کی چونچ اور پنجوں میں تین تین کنکریاں تھیں جو دفعتاً لشکر پر برسنی شروع ہوگئیں۔ قدرت کی طرف سے پھینکی جانے والی یہ کنکریاں گولیوں سے بھی شدید کام کر رہی تھیں۔ ہر ایک کے سر پر گرتی اور نیچے سے نکل جاتی اور جس پر وہ کنکری گرتی وہ ختم ہو جاتا۔ اس طرح تمام لشکر تباہ ہو گیا خواہ وہ انسان ہو یا حیوان اور روایات میں ہے کہ ابرہہ کے بدن پر چیچک جیسے آبلے نمودار ہو گئے اور اس کا تمام بدن اس سے سڑ گیا اور جسم کے تمام حصوں سے خون اور پیپ بہنے لگا۔ بالآخر ایک ایک حصہ کٹ کٹ کر گرتا گیا یہاں تک کہ سینہ پھٹ گیا اور اسی میں مرگیا۔

بعض روایات سے معلوم ہوا کہ یہ جگہ جہاں ابرہہ کا لشکر ہلاک کیا گیا وادی مُحَسّر تھی جو مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان واقع ہے۔ یا بقول ابن عباسؓ وادی صفاح تھی یہ کنکریاں عالم غیب کی تھیں جو غضب الٰہی

ع۵: اسی طرح کی تاثیر اللہ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے پھینکی ہوئی کنکریوں میں پیدا فرمادی تھی۔ جبکہ آپ نے اپنی ایک مٹھی میں لے کر کفار کے لشکر پر پھینکی اور اس کو حق تعالیٰ نے فرمایا وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ۔۱۲

برسانے کے لیئے اصحابِ فیل پر برسائی گئیں۔ ان کنکریوں کا ہر ایک کے پار نکل جانا قدرتِ الٰہی پر ایمان رکھنے والے کے لیئے ذرہ برابر بھی قابلِ تردّد چیز نہیں۔ لیکن ایک طبقہ جو یورپ کی تعلیمات اور فلسفہ سے مرعوب ہے وہ قدیم زمانہ سے اسی روش کو اختیار کیئے ہوئے ہے کہ اس قسم کے واقعات جو خداوندعالم کی قدرتِ عظیمہ کے دلائل ہوتے ہیں اور خوارق عادات (جو اللہ کے پیغمبروں کے لیئے شہادت ونشانیاں ہوتے ہیں) کی تاویل کرتا ہے اور یہ لوگ ایسے دلائل ومعجزات کو حالانکہ معجزہ نام ہی اس امر کا ہے جو اسباب عادیہ اور طاقت بشریہ سے بالا وبرتر ہو) اسباب عادیہ اور واقعات طبیعیہ کے دائرہ میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ایسی رکیک اور بعید از قیاس اور ایسی مضحکہ خیز تاویلات کرتے ہیں کہ صاحبِ فہم انسان ان کو سُن کر حیرت میں پڑ جائے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے معجزات کے سلسلہ میں ان کے عصا مارنے پر پتھر سے بارہ چشموں کا جہاں ذکر آیا۔ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا، تو احادیث مرفوعہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح تفسیر اور امت کے کل ائمہ مفسرین کی تحقیق کے برعکس یہ تاویل بڑی ہی ڈھٹائی سے اور بڑے ہی تکلّفات کے ساتھ کر ڈالی کہ یہ بارہ چشموں کا نکلنا اس طرح نہیں تھا کہ حضرت موسیٰؑ نے عصا مارا اور پتھر سے چشمے جاری ہو گئے بلکہ اس کی مراد یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام بحکمِ خداوندی پہاڑ پر چڑھے اور چلتے رہے۔ حتیٰ کہ ان کو ایک جگہ بارہ چشمے جاری بہتے ہوئے نظر آئے۔ ظاہر ہے کہ یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف[1] ہے تو اسی طرح بعض اہلِ قلم حضرات نے یہاں بھی صرف اس بناء پر کہ ان کی عقلوں میں یہ بات آنی مشکل تھی کہ پرندوں کے پنجوں اور چونچ کی کنکریاں ایک لشکرِ جرار اور ہاتھیوں کو ہلاک کر ڈالیں تو یہاں بھی تاویل کر ڈالی کہ پرندوں کا کنکریاں پھینکنا مراد نہیں بلکہ ہمیں تاریخی نقول اور واقعات کی تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ قریش کے لوگ ابرہہ کے لشکر پر پتھر برسانے لگے اور اسی سے یہ لشکر ہلاک ہوا اور یہی مطلب ہے اس آیت "تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ" کا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ تاویل ایسی کھلی تحریف ہے کہ اس کی نہ لغت اجازت دیتا ہے نہ قرآنِ کریم کا خود مضمون اور نہ ہی کوئی صاحب فہم انسان اس مضمون کو اس اندازِ تعبیر کے مطابق قرار دے سکتا ہے جس کو قرآن نے بڑے ہی عظمت وہیبت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے یعنی اور ان کے داؤ کو باطل کرنے کے لیئے اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا کی وضاحت فرمائی اور لفظ تَرْمِيهِمْ کی ضمیر طیر یعنی پرندوں کی طرف راجع ہے۔ قریش کا تو کوئی ذکر ہی نہیں۔ ان کے پتھر برسانے کا مضمون ہوتا تو قرآن کی آیت یوں ہوتی۔ فصعد قریش علی الجبال ورموھم بالحجارۃ حالانکہ ہر طالب علم بھی جانتا ہے کہ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيْلِ کے بعد وَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ کا بس یہی مفہوم ہے کہ خدا نے اپنی قدرت سے ان بھیجے ہوئے

[1]: حضرات قارئین اس موضوع کی تفصیل کے لیئے ناچیز کی کتاب "منازل العرفان فی علوم القرآن" "بحث تحریفات قرآنیہ" کی مراجعت فرمائیں۔ ۱۲

پرندوں سے اس لشکر کا کام تمام کر دیا۔ پھر جب کہ احادیث سے بھی واضح تفسیر یہی ثابت ہو چکی تو آخر کیا ضرورت پیش آئی کہ اس طرح کی بعید از قیاس وفہم تاویل کی جائے چنانچہ حافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقیؒ بروایت عکرمہؓ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے طیراً ابابیل کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں۔

"کہ یہ پرندوں کی ٹولیاں تھیں جو سمندر کی سطح سے نمودار ہوئے۔ ان کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا ان کی چونچیں پرندوں جیسی تھیں۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ پرندے سبز رنگ کے تھے اور ان کی منقار (چونچ) زرد رنگ کی تھی تو پرندوں کے یہ غول تمام لشکر پر چھا گئے اور کنکریاں برسانے لگے۔"

اعمشؒ بروایت ابوسفیانؓ عبید بن عمیرؓ فرماتے ہیں کہ یہ سیاہ مائل رنگ کے بحری پرندے تھے۔ اسی طرح دوسرے حضرات ائمہ تابعین نے متعدد سندوں سے ابن عباسؓ مجاہدؒ اور عطاءؒ سے یہی نقل کیا ہے۔ ابو زرعہؒ کی روایت سے یہ منقول ہے۔ عبید بن عمیرؓ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جب اصحاب فیل کے ہلاک کر ڈالنے کا ارادہ کیا تو ان پر پرندے سمندر سے اٹھے۔ اور ان کے سروں پر صفوں کی طرح چھا گئے۔ اور ہر ایک نے اپنی چونچ اور پنجوں میں لی ہوئی کنکریاں ان پر برسانی شروع کر دی جس کسی پر وہ کنکریاں گرتیں بدن شق کرتی ہوئی بدن میں سے باہر نکل آتیں۔ حسن بصریؒ ضحاکؒ قتادہؒ اور ابو مسلم بن عبدالرحمٰنؒ سے بھی یہی طرح تفصیل منقول ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے ان اقوال کو نقل کرتے ہوئے فرمایا اور یہ تمام سندیں محدثین کے نزدیک معتبر اور صحیح ہیں۔ اسی طرح تفسیر در منثور میں سعید بن منصورؒ اور ابن ابی شیبہؒ اور ابن منذرؒ اور ابن ابی حاتمؒ اور ابونعیمؒ اور بیہقیؒ نے دلائل میں عبید بن عمیر اللیثیؓ سے بیان کیا کہ

قال لما اراد اللہ ان یھلک اصحاب الفیل بعث اللہ علیھم طیرًا انشأت من البحر کا نھا الخطاطیف بکف کل طیر منھا ثلاثۃ احجار مجزعۃ فی منقارہ حجر وحجران فی رجلیہ ثم جاءت حتیٰ صفت علیٰ رؤسھم ثم صاحت والقت مافی ارجلھا ومناقیرھا۔ فما من حجر وقع منھا علیٰ رجل الا خرج من الجانب الآخر ان وقع علیٰ راسہ

جب اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ان پر پرندوں کو بھیجا جو دریا سے اٹھی تھیں گویا کہ وہ خطاطیف ہیں۔ ہر چڑیا تین تین پتھروں کے ٹکڑے لیے ہوئے تھی۔ ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں۔ یہ چڑیاں دریا کی طرف سے آکر اصحاب فیل کے سروں پر منڈلائیں پھر چیخیں اور ڈالا انہوں نے اصحاب فیل پر ان سنگریزوں کو جو کہ ان کے پاؤں اور چونچوں میں تھے بس نہیں تھا کوئی سنگریزہ جو کہ اصحاب پر گرا مگر نکل گیا دوسری طرف سے اور اگر بدن کے

خرج من دبرہ وان وقع علیٰ شیءٍ من بدنہ خرج من الجانب الاٰخر وبعث اللّٰہ ریحًا شدیدا فضربت ارجلھا فزادھا شدۃ فاھلکوا جمیعًا (درمنثور)

کسی اور حصّہ پر گرا تو دوسری جانب سے نکل گیا اور بھیجا اللہ تعالیٰ نے ہوا کے طوفان کو۔ پس مارا چڑیوں نے اپنے پاؤں سے اصحابِ فیل کو جس کی وجہ سے ان کی تکلیف میں اضافہ ہوگیا اور سب کے سب ہلاک ہوگئے۔

علیٰ ہذا القیاس ابونعیمؒ نے اور بیہقیؒ نے بھی متعدد اسانید سے یہ روایات بیان کی ہیں۔ ان تمام تصریحات کے ہوتے ہوئے بلاشبہ یہ امر مضحکہ خیز اور گویا قدرت خداوندی کا انکار ہے کہ پرندوں کی کنکریاں برسانے کا انکار کرکے قریش کے لوگوں کی طرف سے پہاڑوں پر چڑھ کر اصحاب فیل کا مقابلہ کرنا اور ان کو شکست دینا بیان کیا جائے۔ اور اصحاب فیل کی ہلاکت کو ایک اتفاقی بیماری اور چیچک کے نکل جانے پر محمول کیا جائے۔ اگر کسی تفسیر میں لفظ چیچک آیا بھی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ بیماری ان کے جسموں پر اتفاقاً پیش آگئی بلکہ وہ تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کنکریوں کے سمی اور زہریلے اثرات ان کے بدن پر اس طرح رونما ہوئے کہ بدن پر آبلے اُبھر آئے جیسے کہ چیچک کے دانے ہوں۔ بہرکیف قدرت خداوندی پر ایمان رکھنے والا شخص ان واضح تفسیرات کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی اس واقعہ کو تسلیم کرنے میں تامل نہیں کرسکتا۔ پھر جب کہ دنیا میں پیش آنے والے ایسے عجیب واقعات اور قدرت کے کرشمے بارہا نظروں کے سامنے آتے ہیں اور مؤرخین عالم میں پیش آنے والے ان واقعات کو نقل بھی کرتے ہیں۔ کسی جگہ۔ بیان کیا گیا کہ آتشیں گولہ پڑا۔ جس کی آواز سے لوگ ہیبت زدہ ہوگئے اور زمین میں دھنس گیا کہیں سُرخ آندھیوں سے تباہی پھیل گئی کہیں آسمان سے اولے برسنے لگے۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ قریش مکہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور تردید کیلئے معمولی سے معمولی بات کی فکر میں رہتے تھے تو آخر انہوں نے کیوں نہ کہہ دیا کہ قرآن کا یہ اعلان غلط ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدا نے اس لشکر کو ہلاک کیا اور اس طرح یہ واقعہ اس کی قدرت کی دلیل اور اس کے پیغمبرؐ کی نبوت کی اطلاع ہے بلکہ یہ تو ہمارا کام تھا کہ ہم نے پہاڑوں پر سے ان پر پتھر برسائے اور اس طرح ابرہہ کے لشکر کو شکست دی۔

امام رازیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ عذاب خداوندی کے واقعات اور قدرت کی ایسی نشانیوں میں مثلاً ہوائیں زلزلے طوفان۔ پتھروں کی بارش وغیرہ وغیرہ میں ملحدین تاویلات کرکے قدرت خداوندی اور ایسے مظاہر غضب کا انکار کرتے ہیں اور نہایت ہی رکیک اور ضعیف یا بعید از قیاس تاویلات کرلیتے ہیں لیکن اس واقعہ میں اس طرح کے اعذار اور تاویل کی قطعاً کوئی گنجائش ہی نہیں نہ اس واقعہ کو کسی اتفاق پر محمول کر سکتے ہیں اور نہ اس کو کسی طبیعت اور مادہ کے اقتضاء پر محمول کیا جاسکتا ہے کیونکہ ایسی بات کہ پرندوں کے غول اپنی چونچ اور پنجوں میں کنکریاں لے کر آئیں اور لشکر پر برسانے لگیں اور ایک مخصوص قوم اور لشکر ہی پر یہ کنکریاں برسیں نہ کہ کسی اور پر ہرگز یہ بات نہ اتفاق پر محمول ہوسکتی ہے اور نہ اس کو امر طبعی پر محمول

کیا جا سکتا ہے جیسے کہ کسی آندھی چلنے کی تاویل کر لی جائے یا طوفان کی تاویل کر لی جائے۔ یا حضرت موسیٰؑ اور ان کے لشکر کا بحر قلزم سے عصا مارنے پر بارہ راستے ہو کر صحیح سالم نکل جانے اور اس کے بعد فرعون کے لشکر کے غرق ہو جانے کو دریاؤں کے مد و جزر پر محمول کر لیا جائے۔ غرض یہاں اس قسم کی کسی بھی بات کا امکان نہیں ہے۔

اور پھر یہ بھی بات قابل غور ہے کہ یہ واقعہ حضورؐ کی ولادت باسعادت سے پچاس روز قبل ہی تو پیش آیا اور جب یہ سورت نازل ہوئی اور اہل مکہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت پڑھ کر سنائی تو یقیناً اس وقت تک مکہ میں بہت سے لوگ وہ موجود تھے جنہوں نے اس واقعہ کا مشاہدہ کیا تھا۔ تو اگر یہ اعلان خلاف حقیقت ہوتا یا اس کی مراد یہ نہ ہوتی تو وہ کفار قریش برملا اس سورت کی تردید کر دیتے نہ کسی متنفس نے تردید کی نہ طعن کیا اور نہ کوئی تاویل کی اور نہ یہ دعویٰ کیا کہ نہیں پرندے نہیں بلکہ ہم نے پتھر برسائے۔

فائدہ کفار قریش اگرچہ مشرک تھے اور بیت اللہ میں سینکڑوں بُت رکھے ہوئے تھے تو یہ شرک بے شک بدترین فعل تھا۔ اور اصولی طور سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے گھر کی دیواروں کو منہدم کرنے سے بھی یہ عمل شنیع اور بُرا تھا۔ لیکن اس پر طویل مدت گزرنے پر بھی عذاب نازل نہیں ہوا اور ابرہہ کے لشکر نے بیت اللہ کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا تو اس پر یہ عذاب نازل ہو گیا اس پر ممکن ہے کہ تعجب ہو لیکن اصل بات یہ ہے کہ مشرکین کا جرم اللہ رب العزت کے حق پر تعدی اور نافرمانی تھی اور ابرہہ کے لشکر کا یہ اقدام دینِ خداوندی اور بیت اللہ کی توہین تھی۔ اس وجہ سے خدا کو یہ بات برداشت نہ ہوئی یعنی اللہ نافرمانی برداشت کر لیتا ہے لیکن اپنے دین کی توہین نہیں برداشت کرتا۔

اصحاب الفیل کی تعبیر بجائے ارباب الفیل یا مُلاّک الفیل کے ایک عجیب لطافت رکھتی ہے۔ گویا اشارۃً یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ قوم اپنی بہیمیت اور عقل و فہم سے محروم ہونے میں فیل کی جنس سے ہی تھے اس بناء پر یہ درست ہے کہ ان کو اصحاب الفیل یعنی ہاتھیوں کے ساتھی اور رفقاء کہہ دیا جائے۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الفیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُورَةُ قُرَيْش

سورۃ قریش مکی سورت ہے جس کی چار آیات ہیں۔ عبداللہ بن عباسؓ اور جمہور مفسرین کا یہی قول ہے۔ بعض حضرات سے یہ ضعیف روایت بھی نقل کی گئی کہ انہوں نے اس کو مدنیہ کہا۔

اس سورت کا مضمون قریش پر قدرتِ خداوندی کی طرف سے خاص انعامات کا ذکر ہے کہ ان پر اللہ کی کیسی عنایت تھی کہ تجارتی وسائل اور ذرائع آمد و رفت آسان کر دیئے تھے۔ اس طرح کے مادی انعامات اور ظاہری عنایات کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اپنے ربِ منعم کی عبادت کرتے۔ پھر جبکہ ان کے رب کا گھر بھی خود مکہ میں ہے تو پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ ایمان نہ لائیں اور کعبۃ اللہ کی عبادت نہ کریں۔ تو اس سورت میں خاص طور پر ان مضامین کو بیان کیا گیا۔

آیاتها ۴ ۱۰۶ = سُوْرَةُ قُرَیْشٍ مَکِّیَّةٌ = ۲۹ رکوعها ۱

سورۂ قریش مکی ہے۔ اس کی چار آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ﴿۱﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ﴿۲﴾

اس واسطے کہ ہلا رکھا قریش کو۔ ہلا رکھنا ان کو کوچ سے جاڑے کے اور گرمی کے۔

فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ﴿۳﴾ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ

تو چاہیئے بندگی کریں اس کے گھر کے رب کی۔ جس نے ان کو کھانا دیا بھوک

جُوْعٍ ۵ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۴﴾ ۱ ع ۳۱

میں، اور امن دیا ڈر میں۔

انعاماتِ خداوندی بر قریش بصورت عطا رزق و امن و تسہیل وسائل سفر

قال اللہ تعالیٰ۔ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۔۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔۔ وَاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ۔

(خلاصۂ تفسیر)

(ربط) گزشتہ سورت میں اہلِ مکہ پر خداوند عالم کے اس خاص انعام و کرم کا ذکر تھا کہ مکہ والوں کو

ابرہہ کے حملہ سے محفوظ رکھا۔ اور اہل مکہ کی یہ حفاظت تکوینی طور پر صرف اس بناء پر تھی کہ نبی آخر الزماںؐ کا ظہور قدسی ہونے والا تھا اب اس سورت میں اہل مکہ اور قریش پر مزید یہ انعام بیان کیا جارہا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کے لئے سفر کی سہولتیں عطا فرمائی تھیں۔ اور موسمی اختلافات کے لحاظ سے گرمیوں اور سردیوں میں ان کے دو سفر ہوتے تھے کیونکہ مکہ تو وادی غیر ذی زرع تھا وہاں نہ کوئی پیداوار تھی اور نہ کسی قسم کی صنعت تو وہاں کے لوگ تجارتی سفر کے محتاج تھے۔ یمن گرم ملک تھا تو سردیوں میں اس طرف کا سفر کرتے اور شام سرد ملک ہے تو موسم گرما میں شام کا سفر کرتے ان دونوں جگہوں کے باشندے قریش مکہ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ اور ہر قسم کی خدمت کرتے اور ان کے جان و مال کی حفاظت کرتے اس خیال سے کہ یہ لوگ اہلِ حرم اور بیت اللہ کے نگران ہیں حالانکہ حرم کے چاروں طرف لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا مگر قریش بڑے ہی سکون و چین سے اپنی زندگی گذارتے۔ اور جب تجارتی سفر کرتے خواہ یمن کی جانب۔ خواہ شام کی جانب تو ہر طرح محفوظ رہتے اور اعزاز و اکرام کیا جاتا۔ ان انعامات کو ذکر کرنے کی غرض یہی ہے کہ جس کعبہ اور رسولِ خدا کی برکت سے قریش پر اللہ کی یہ بے شمار نعمتیں ہیں۔ ان کو چاہئے کہ اس رسول پر ایمان لائیں۔ اور اس رب کی عبادت کریں جس نے ان تمام انعامات سے نوازا ہے۔ تو ارشاد فرمایا۔

قریش کے مالوف و مانوس کرنے کے لئے سردی کا سفر اور گرمی کا سفر ہم نے[عـه] مقدر کردیا تھا۔ اور ہر دو موسم میں اسباب سفر ان کے واسطے مہیا کر دیئے تھے۔ تاکہ انہیں اس گھر (بیت اللہ) کے رب کی الفت و رغبت ہو۔ اور ظاہر ہے کہ انعام سے منعم کی محبت پیدا ہونا طبعی تقاضا ہے۔ اس لئے ان کو چاہئے کہ بندگی کریں۔ اس گھر کے رب کی جس نے ان کو کھانا دیا بھوک کی حالت میں اور امن دیا ان کو خوف کی حالت میں جب کہ حرم کے اطراف میں لوٹ و غارتگری عام تھی مگر اہل حرم کو یہ چور ڈاکو کچھ نہ کہتے اور اس سرزمین میں جہاں کچھ بھی پیدا نہ ہوتا ہو تو بے شمار رزق پھل اور طرح طرح کی نعمتیں! یہ کس قدر عظیم انعام ہے جو صرف اس مبارک گھر اور کعبہ کی بدولت ہے تو جس گھر کے طفیل روزی ملتی ہو۔ امن و سکون حاصل ہو۔ اصحاب فیل کی زد سے محفوظ رہے ہوں۔ تو پھر اس گھر والے کی بندگی کیوں نہیں کرتے اور کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اس کے رسولؐ کو ستاتے ہو اور اس سے دشمنی کرتے ہو۔

بیہقیؒ نے ایک روایت اُم ہانیؓ کی سند سے بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو سات چیزوں کے ساتھ تمام قبائل پر فضیلت دی ہے۔ یہ کہ[1] میں ان میں سے ہوں۔

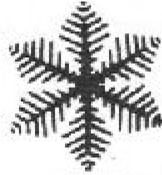
عـه: ہر دو موسم کے یہ سفر آسان کر دینا بلاشبہ بڑا ہی عظیم انعام تھا۔ اور اسلام سے قبل ہی قریش کے لئے باہر ملکوں کے سفر کو اسلام کی اشاعت اور فتوحات کا بھی اللہ نے ذریعہ بنایا اور یہ بھی طبعی امر ہے کہ سفر اور تجربہ انسان میں حوصلہ اور اولوالعزمی پیدا کرتا ہے۔ قریش کے ساتھ اگرچہ اور قومیں بھی تھیں۔ مگر اصل قریش ہی تھے اس وجہ سے اصل موردِ انعام قریش ہی کو فرمایا گیا۔ ۱۲۔

اور[۲] یہ کہ نبوت اللہ نے ان میں رکھی اور[۳] بیت اللہ کی تولیت و نگرانی ان میں ہے۔ اور[۴] یہ کہ ان ہی میں زمزم کی سقایت کا منصب ہے۔ اور[۵] یہ کہ اللہ نے انکی مدد کی ہاتھیوں کے لشکر کے مقابلہ میں۔ اور[۶] یہ کہ انہوں نے اس وقت اللہ کی عبادت کی جبکہ انکے علاوہ اور کوئی اللہ کی عبادت کرنیوالا نہ تھا اور[۷] یہ کہ اللہ نے ان کے متعلق قرآن کریم میں ایک سورت نازل فرمائی۔ اس کے بعد آپؐ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر یہ سورۃ لِاِیْلٰفِ[عہ] قُرَیْشٍ تلاوت فرمائی۔

شہر بن حوشبؒ اسامہ بن زیدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ تلاوت کرتے ہوئے سُنا اور آپ یہ فرمار ہے تھے۔ اے قریش کے لوگو! افسوس تم پر عبادت کرو اس گھر کے رب کی جس رب نے تم کو بھوک کی حالت میں رزق دیا اور تم کو خوف سے مامون کیا۔

یہ وہی مضمون ہے جس کو قرآن کریم نے دوسرے موقعہ پر ارشاد فرمایا اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ اسی حقیقت کو قرآن کریم آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے یوں تعبیر کرتا ہے اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا۔

فائدہ لایلٰف میں لام مجرور بمعنی سبب و وجہ ہے۔ جس کو لام علّت بھی کہا جاتا ہے اور بعض ائمہ مفسرین اور اہل لغت اس کو لام تعجب کہتے ہیں۔ چنانچہ ابن جریرؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ یہ لام تعجبّ ہے اور مراد یہ ہے کہ اللہ رب العزت فرمارہا ہے۔ اے لوگو تعجب کرو کہ ہم نے قریش کے لیئے کس طرح اس سرزمین کو مانوس بنایا۔ اور کیسی کیسی نعمتیں انکو دیں۔



عہ: قریش عرب کے قبیلہ کا نام ہے جو نضر بن کنانہ کی اولاد ہے۔ اسی خاندان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور نضر بن کنانہ کی تیرھویں پشت میں ہیں۔ جیساکہ سیرت کی کتابوں میں آپؐ کے نسب نامہ سے ظاہر ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدِمناف بن قصی بن کلاب بن مرّہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔

اہل لغت کہتے ہیں کہ قریش تصغیر ہے۔ قرش کی جس کے معنی سمندر کے ایک طاقتور جانور کے ہیں چونکہ یہ قبیلہ بہادر تھا اس وجہ سے اس کا یہ نام معروف ہوا۔ قرش کے معنی جمع کرنے کے بھی ہیں۔ چونکہ قصی نے متفرق قوموں کو مکہ میں جمع کیا تھا۔ اس وجہ سے قریش کو قریش کہا گیا کسی نے بیان کیا کہ قرش کے معنی کسب کے ہیں اور یہ لوگ تجارت پیشہ تھے اس وجہ سے قریش کہلائے۔ اسی طرح اور بھی بعض معانی لفظ قرش کے لغت میں ملتے ہیں۔ اور ان معانی سے قریش کی وجہ تسمیہ ظاہر ہوتی ہے۔

واللہ اعلم۔ ۱۲

آیاتہا ۷ ۱۰۷ = سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ = ۱۷ رکوعہا ۱

سورۂ ماعون مکی ہے اس میں سات آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ﴿۱﴾ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ

تو نے دیکھا؟ وہ جو جھٹلاتا ہے انصاف ہونا۔ سو وہی ہے جو دھکیلتا ہے

الْيَتِيْمَ ﴿۲﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳﴾ فَوَيْلٌ

یتیم کو۔ اور نہیں تاکید کرتا محتاج کے کھانے پر۔ پھر خرابی ہے

لِّلْمُصَلِّيْنَ ﴿۴﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴿۵﴾

ان نمازیوں کی، جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔

الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ﴿۶﴾ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿۷﴾

وہ جو دکھاوا کرتے ہیں۔ اور مانگے نہ دیں برتنے کی چیز۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْمَاعُوْن

سورۃ ماعون بھی مکی سورت ہے جس کی سات آیات ہیں۔ عطاءؒ اور جابرؓ کا یہی قول ہے جمہور اسی کے قائل ہیں اگرچہ بعض مفسرین سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ نصف اول مکہ میں نازل ہوئی اور نصف آخر مدینہ منورہ میں۔

اس سورت کے مضامین اپنی جامعیت اور اختصار میں بڑی ہی معجزانہ شان رکھتے ہیں۔ ان مختصر آیات میں حکمتِ نظریہ اور عملیہ۔ تہذیبِ اخلاق۔ سیاستِ مُدن اور تدبیر منزل جیسے عظیم اصول اور

ان کا لباب و جوہر جمع کر دیا گیا ہے حکمت نظریہ ہی انسان کی زندگی کو فلاح و سعادت کی منزل تک پہنچانے والی ہے۔ اس کو بڑی ہی اہمیت سے بیان کیا گیا پھر یہ کہ انسان کے عمل نیک و بد کی جزا ملتی ہے۔ مرنے کے بعد روح دوسرے عالم میں چلی جاتی ہے جہاں اس کو اچھے اور برے اعمال کا ثواب و عذاب دیکھنا ہوتا ہے تو انسان کی عملی کوششوں کا یہی عقیدہ اصل بنیاد ہے تو اس سورت میں بڑے ہی اختصار سے اس کو بھی ذکر فرمایا گیا۔ اس سورت کا پہلی سورت سے ربط ظاہر ہے۔ وہاں قریش پر خاص انعامات کا ذکر تھا۔ اور انعامات کو یاد دلا کر ان کو ربّ البیت کی بندگی کی دعوت دی گئی تھی۔ تو اس سورت میں قریش کے وہ امراض روحانیہ بیان کیئے جا رہے ہیں جو ان کے لیئے دین و دنیا کی سعادت سے محرومی کا باعث بنے۔ ارشاد فرمایا۔

اے ہمارے پیغمبر یا اے مخاطب۔ کیا تو نے دیکھا ہے اس کو جو جھٹلاتا ہے۔ اعمال کے بدلہ کو اور انکار کرتا ہے قیامت کا اور اعمال کی جزاء و سزا کا۔ حالانکہ ہر انسان کی فطرت میں یہ بات ودیعت رکھی ہے کہ وہ اپنے خالق کو مانے اس کے انعامات کو سمجھے اور ان انعامات کے باعث اس پر ایمان لائے اور اس کی نعمتوں کا حق بھی ادا کرے اور اللہ کی عطا کی ہوئی نعمتوں کو غریبوں مساکین و یتامٰی پر خرچ کرے لیکن افسوس صد افسوس یہ مکذب بالدین خُطا اور قیامت کا منکر اور اس کی نعمتوں کو فراموش کرنے والا تو ایسا شخص ہے غرور و تکبر کے نشہ میں مست دھکے دیتا ہے یتیم کو اور خود تو کسی کی کیا مدد کرتا دوسرے کو بھی ترغیب نہیں دیتا مسکین کو کھانا دینے کی۔ ایسی سنگدلی اور بندوں کے حقوق سے غفلت کے ساتھ یہ بھی عیب ہے کہ خالق کا حق بھی نہیں پہچانتا اور نہ اس کو ادا کرنے کی طرف رخ کرتا ہے اور اگر کسی وقت اپنی کسی غرض یا کسی خوف کے باعث اللہ کی عبادت کرنے والوں کے ساتھ ہو بھی جاتا ہے تو ہزار خرابیوں اور غفلت و لا پرواہیوں کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ سو بڑی ہی ہلاکت و بربادی ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لیئے جو اپنی نماز سے غافل و بے خبر ہیں جو صرف دکھلاوا کرتے ہیں۔ یعنی ریا کاری اور نمود ہوتا ہے نہ ان کو نماز کا اہتمام و خیال ہے نہ اس میں پابندی ہے نہ اس میں خشوع خضوع اور طمانیت ہے عـــہ کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی اور اگر پڑھی بھی تو چند ٹکریں مارلیں یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ ہم احکم الحاکمین کے دربار میں اس کے سامنے کھڑے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ ہمیں اس کے سامنے کس کیفیت سے کھڑے ہونا چاہیئے اعتقادی اور عملی خرابی اور ایسی گندگی کے علاوہ کمینہ پن اس حد تک ہے۔ اور کسی کے مانگنے پر انکار کر دیتے ہیں حقیر سے حقیر چیز کا برتنے کی جس کے دینے میں نہ مالی بوجھ نہ کوئی مشکل اور نہ وہ کوئی قیمتی چیز جیسے ڈول رسی یا کوئی برتن۔ جن میں عام طور پر بخل کیا جاتا ہے اور نہ ان کے

عـــہ: ان الفاظ سے اس حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تلك صلوٰة المنافق قام فنقر اربع نقر لا یذکر اللّٰہ الا قلیلا۔ کہ ایسی نماز منافق کی نماز ہے کہ کھڑا ہوا اور چار ٹھونگیں مارلیں۔ اور اللہ کا ذکر بہت ہی کم کیا۔ ۱۲

مانگنے کو عیب کہا جاتا ہے تو ایسی حقیر سی چیز ہی جو دینے پر تیار نہ ہو وہ کیا صدقات و زکوٰۃ ادا کرے گا کیا کسی مسکین کو کھلائے گا یا یتیم کی تربیت و کفالت کرے گا۔ تو ظاہر ہے کہ اعتقادی گندگی اور عملی خرابیوں کے بعد ایسی اخلاقی گراوٹ انتہائی افسوسناک امر ہے اور انسانیت کے لئے تباہ کن بات ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اسلام اور اسلامی تعلیمات انسان اور معاشرہ کو ایسی گندگیوں اور کمینہ خصلتوں سے پاک رکھنے والی ہیں جن کی تعلیم و ہدایت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا کو دی گئی اس لیئے ہر مسلمان شخص کو چاہیئے کہ وہ اللہ کے ساتھ اخلاص اور مخلوق کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کرے۔ ریاکاری اور بداخلاقی سے بچے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَةُ الْكَوْثَر

سورۃ الکوثر مکیہ ہے جس کی تین آیات ہیں اکثر مفسرین کا یہی قول ہے کہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح منقول ہے۔ یہ سورت بھی جامعیت مضامین میں ایک اعلیٰ مقام رکھتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

ابتداء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند عالم کی طرف سے خیر کثیر عطا کیئے جانے کا اعلان ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جو وحی اور علوم الٰہیہ رشد و ہدایت اور فلاح و سعادت آپ کو دیئے گئے انکی عظمت و برتری اور بہتری کی کوئی حد نہیں ہو سکتی جس علم و حکمت نے دنیا کو انسانیت سکھادی ان کو عقائد اعمال و اخلاق کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ گمراہیوں کی ظلمتوں سے نکال کر ہدایت اور ایمان و تقویٰ کے نور سے ان کی زندگیاں روشن کر دیں۔ بلاشبہ وہ ایسی خیر کثیر ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی خیر کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس خیر کثیر کے عملی پہلوؤں کی تکمیل صلوٰۃ اور قربانی سے ہوتی ہے تو فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ فرما دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور عند اللہ مقبولیت کا یہ مقام ہے کہ آپؐ کا دشمن اور بدخواہ ہمیشہ کے لیئے تباہ و برباد ہو کر رہے گا۔

غرض اس سورت میں بے شمار مطالب اور اسرار و حکم ہیں جس کا مقابلہ عرب کا کوئی فصیح و بلیغ ادیب و شاعر نہ کر سکا۔ روایات میں ہے کہ عرب کے شعراء میں سے مایۂ ناز شعراء اپنے اپنے اشعار اور قصائد بیت اللہ کی دیواروں اور پردے پر لگا دیتے تھے۔ لیکن جب یہ سورت نازل ہوئی سب حیرت میں پڑ گئے اور شرما کر اپنے اپنے کلام بیت اللہ کی دیواروں پر سے اتار لیئے۔ اور پھر کسی کو جرآت نہ ہوئی کہ وہ اپنا

کوئی شعر یا کلام وہاں لٹکائے اور ہر ایک کی زبان سے یہ الفاظ بطور اعتراف جاری تھے۔ ما ھذا کلام البشر کہ بے شک یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

آیاتھا ۳ ۱۰۸ = سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ = ۱۵ رکوعھا ۱

سورۂ کوثر مکی ہے، اس میں تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ① فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ②

ہم نے تجھ کو دی کوثر ۔ سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے، اور قربانی کر۔

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ③ ع

بیشک جو بیری ہے تیرا، وہی رہا پیچھا کٹا۔

انعام رب ذوالجلال بعطاء کوثر وہلاکت و بربادی دشمن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

قال اللہ تعالیٰ۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ

(ربط) سورۂ ماعون میں حکمت اعتقادیہ وعملیہ کے جملہ اقسام کا ذکر فرمایا گیا تھا اور اس کے ساتھ انسانی زندگی کے جو اعمال واخلاق باعث عیب ہیں ان کی مذمت بھی کردی گئی تھی تو اب اس سورت میں خیر کثیر کا ذکر ہے۔ جس کے باعث انسانی حیات عظمت وبلندی کے مقام تک پہنچتی ہے اور اس خیر کثیر کی شاخیں اور نہریں اس طرح پھیل جاتی ہیں کہ قیامت تک نسل انسانی ان کے ذریعہ ہر قسم کی سیرابی اور شادابی حاصل کرتی رہے اور اس پر پھل وپھول لگتے رہیں۔ یہی وہ فرمان مبارک ہے جو وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ کے عنوان سے نازل فرمایا گیا تو ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

اے ہمارے پیغمبر بے شک ہم نے آپ کو عطا کردی ہے کوثر۔ خیر کثیر اور حوض کوثر جس کی خیر وبرکت

سے اللہ کے بندوں کو سیرابی، نجات اور آخرت کی بے پایاں نعمتیں اور خیر حاصل ہوگی اور آخرت کی اس خیر کثیر (جو حوض کوثر کی صورت میں ہوگی) کے علاوہ دنیا میں بھی آپؐ کو اور آپ کے ذریعہ تمام عالم کو خیر کثیر رشد و ہدایت اور فلاح و سعادت کے علوم کی شکل میں دے دی ہے۔ دنیا اور آخرت کی خیر عطا کیئے جانے کا حق یہ ہے کہ بس آپ خاص[عله] اپنے رب ہی کے لیئے نماز پڑھتے رہیں۔ تاکہ اس انعام عظیم کا حق اپنے بدن اور روح سے ادا کریں اور قربانی کریں تاکہ اپنے مال سے اس کے انعام کا حق ادا ہو جائے۔

انعامات خداوندی سے جو عظمت آپ کو ملی ہے وہ رہتی دنیا اور قیامت تک قائم رہے گی اور اس طرح آپؐ کے ذریعہ عالم کو جو خیر کثیر پہنچ رہی ہے اس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا اس پر آپ اللہ کا شکر ادا کریں اور اس کی کوئی فکر نہ کریں کہ اسلام کے اور آپ کے دشمن آپ کی دشمنی اور بدخواہی میں کیا کر رہے ہیں آپ یقین رکھیں ان کی بدخواہی دشمنی اور سازشوں سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ یقیناً آپ کا دشمن[عله] ہی دُم بریدہ ہے۔ اور بے نام و نشان رہے گا نہ اس کی کوئی نسل باقی رہے گی نہ اس کا کوئی نام اور نہ بھلائی کا عمل اور نہ ہی اس کا کوئی علم و ہنر سب کچھ ختم ہو کر وہ نام و نشان سے بھی مٹ جائے گا اور کوئی اس کا بھلائی سے ذکر بھی کرنے والا نہ رہے گا۔ جبکہ اللہ نے آپؐ کو وہ عزت و عظمت دے دی کہ اس کی بلندی کی کوئی حد نہیں۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ اور وہ علم و خیر کثیر عطا کی۔ دنیا اس سے مستفیض و سیراب ہے اور کوئی گوشہ اس سے خالی نہیں اور اس کی خوبی اور منفعت کا کائنات کے گوشہ گوشہ میں چرچا ہے۔ آپؐ کا نام اذانوں میں لیا جا رہا ہے کہ عالم میں کوئی چپہ زمین اس سے خالی نہیں اور شب و روز ہر لمحہ اشهد ان محمد ارسول اللہ کی صدا فضا میں گونجتی ہے پھر آخرت میں یہ انعام و اعزاز ہوگا کہ عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا تو اس طرح آپ کا ذکر آپ کا فیض کبھی لمحہ منقطع نہ ہوگا پھر کسی کافر کو آپؐ کے بیٹے کی موت پر یہ کہنا کہ محمدؐ تو اب اَبْتَر ہو جائے گا یعنی "منقطع النسل" کس قدر بیہودہ اور لغو بات ہے جس ذات کا علم و فیض اور حکمت اور عقائد و اعمال اور کردار و معاشرت کی خوبیاں تمام عالم میں پھیل رہی ہوں۔ اس کے آثار باقیہ اس کے ایک بیٹے کی موت سے بھلا کیونکر منقطع ہو سکتے ہیں۔

الکوثر کا مفہوم

"الکوثر" کے معانی از روئے لغت کثیر یعنی خیر کثیر اور ہر قسم کی بھلائی اور بہتری کے ہیں اور اس کو

عله: یہ لفظ عربیّت کی رُو سے لِرَبِّكَ میں لام جو اختصاص کے لیئے مستعمل ہوتا ہے کے پیش نظر بڑھایا گیا ۱۲۔
عله: دشمن لفظ شانئ کا ترجمہ شَنَآن بغض و عداوت کو کہا جاتا ہے تو مراد وہی ہوئی کہ آپؐ سے بغض و دشمنی رکھنے والا۔ ۱۲۔

نعمت و برتری کے مفہوم میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی معنی لغوی کے لحاظ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ (جو حبر الامۃ ہیں) نے تفسیر کی ہے الخیر الکثیر۔ جیساکہ امام بخاریؒ ابن جریرؒ اور حاکمؒ نے اور اسی طرح امام ترمذیؒ احمد بن حنبلؒ اور ابن ماجہؒ نے بروایت سعید بن جبیرؒ نقل کیا ہے اور خیر کثیر حکمت ہے۔

خیر کثیر اپنی معنوی وسعت کے لحاظ سے ہر قسم کی خیر کو شامل ہے۔ اس بارہ میں مفسرین نے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں۔ البحر المحیط میں تو چھبیس[۲۶] اقوال نقل کئے ہیں اور بیان کیا کہ اس میں ہر قسم کی دینی دنیوی حسّی اور معنوی نعمتیں داخل ہیں جو آپ کے طفیل امت کو ملنے والی تھیں ان نعمتوں میں سے ایک عظیم الشان نعمت کوثر بھی ہے جو آخرت میں آپ کو دی جائے گی۔ جس کی صفت احادیث کثیرہ میں اس طرح بیان فرمائی گئی کہ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا اس کا ایک گھونٹ بھی پینے والا کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا۔

اسی حوض کوثر پر قیامت کے روز آپؐ کا منبر ہوگا جیسے کہ ارشاد ہے ومنبری علیٰ حوضی کہ میرا منبر میری حوض پر ہے جس کے پانی سے آپؐ امت کو اور اوّلین و آخرین کو روزِ محشر سیراب فرمائیں گے۔ جیسے کہ دنیا میں ایک معنوی حوض کوثر یعنی ذخیرۂ علوم رشد و ہدایت سے تمام عالم کو سیراب فرمایا اور یہ وہ حکمتِ الٰہیہ ہے جو خداوندِ عالم نے آپ کے قلب مبارک میں بھر دی ہے اور دنیا ئے علم و حکمت کے جام اس حوضِ کوثر سے لیئے جا رہے ہیں اور سیراب ہو رہے ہیں اور جو خوش نصیب علوم نبویہ کے چشمۂ فیض سے دنیا میں سیراب ہوگا۔ ان شاء اللہ قیامت میں اس حوضِ کوثر سے بھی سیراب ہوگا اور جو بدنصیب یہاں محروم رہا۔ وہ وہاں بھی محروم رہے گا۔ اللّٰھم اسقنا من حوضہ۔ آمین۔

حوضِ کوثر کا ثبوت اس قدر کثرت کے ساتھ احادیث سے ثابت ہے کہ محدثین نے ان روایات و احادیث کو حد تواتر میں شمار کیا ہے۔ اور جو چیز بھی احادیثِ متواترہ سے ثابت ہو وہ قطعی اور یقینی ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس کا انکار یا ایسی تاویل جو انکار کے درجہ میں آئے اصول شریعت کی رُو سے کفر ہے۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ کوثر جنت کی وہ نہر ہے جو آپ کو شبِ معراج میں (بھی) دکھائی گئی تھی جس کے کنارے موتیوں کے خیمے تھے آپ نے اس کا پانی دیکھا تو مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ آپ نے اس کے متعلق جبرئیلؑ سے پوچھا یہ کیا ہے۔ جبریل امینؑ نے جواب دیا۔ یہ وہی کوثر ہے جو اللہ نے آپ کو عطا کی ہے۔ (رواہ البخاری والمسلم)

الغرض کوثر کے مفہوم میں یہ تمام چیزیں داخل ہیں جس کا مصداق اکمل اور مظہر اتم قیامت کے روز حوض کوثر ہے۔ اگر آپ کا کوئی صلبی فرزند انتقال کر گیا تو کیا ہوا آپ کی روحانی اولاد اور فیوض نبویہ سے مستفیض ہونے والی نسل تو قیامت تک قائم و باقی رہے گی۔ اَبْتَر کے معنی دم بریدہ کے ہیں تو جس کی نسل منقطع ہو جائے اور اولاد میں کوئی باقی نہ رہے تو گویا وہ دُم بریدہ ہے۔ سُدّیؒ بیان کرتے ہیں کہ اہل

عرب جب کسی شخص کی اولاد میں کوئی بیٹا نہ رہے تو اس کو اَبْتَر کہا کرتے تھے۔ عطاءؒ سے منقول ہے کہ یہ ابولہب کی طرف اشارہ ہے جس وقت آپؐ کے صاحبزادہ قاسمؓ کا انتقال ہوا تو ابولہب مشرکین مکہ کے مجمع میں دوڑتا ہوا گیا اور کہنے لگا "بُتِر محمد" اس پر اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ۔

ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ آیت ابوجہل کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے عاص بن وائل کے بارہ میں نازل ہوئی ہے کہ وہ خبیث آپ کو ابتر کہتا تھا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند کا ایک جھونکا سا آیا۔ پھر آپ نے اپنا سر مبارک اُٹھایا۔ مسکراتے ہوئے اور فرمایا مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے یعنی بہت ہی عظیم الشان اور آپ نے یہ سورت پڑھ کر سنائی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْكَافِرُوْن

سورۂ کافرون بھی مکی سورت ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ، حسن بصریؒ اور عکرمہؒ سے یہی منقول ہے۔ اور جمہور اسی کے قائل ہیں۔

اس سورت کا مضمون در حقیقت اس بات کی تعلیم و تلقین ہے کہ اہل ایمان کو ایمان اور حق پر کلی استقامت اختیار کرنی چاہیئے اور کسی مرحلہ پر اہلِ باطل کو اس کی طرف سے ایسی توقع نہ رہنی چاہیئے کہ یہ حق اور ہدایت کے تقاضوں سے کسی درجہ میں انحراف کرسکتا ہے۔

پھر یہ بات بھی اس ضمن میں واضح کی جارہی ہے کہ حق میں باطل کی آمیزش کا کوئی امکان نہیں۔ اہل حق کو اسی پر استقامت چاہیئے اور اگر اہلِ باطل کی طرف سے یہ بات ثابت ہوجائے کہ وہ کسی طرح بھی حق قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور عناد و بغض سے اس درجہ اسلام اور مسلمانوں سے متنفر ہیں کہ قریب بھی آنے کو تیار نہیں تو پھر ان کو ایک آخری پیغام کے طور پر اعلان کر دینا چاہیئے کہ اب اس صورت حال میں ہم مایوس ہو چکے ہیں۔ تم اگر حق قبول کرنے کو تیار نہیں تو لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ۔ اور تم یہ توقع اپنے دل سے نکال دو کہ ہم تمہاری دلجوئی کے واسطے تمہارے مذہب اور تمہارے اخلاق و اطوار اختیار کرسکتے ہیں تو یہ اہم حقائق اور امور ان چند آیات میں ذکر فرمائے گئے ہیں۔

آیاتہا ۶ ۱۰۹ = سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ = ۱۸ رکوعہا ۱

سورۂ کفرون مکی ہے۔ اس میں چھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَاۤ

تو کہہ، اے منکرو! میں نہیں پوجتا جس کو تم پوجو۔ اور نہ

اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝۳ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۴

تم پوجو جس کو میں پوجوں۔ اور نہ مجھ کو پوجنا جس کو تم نے پوجا۔

وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝۵ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝۶

اور نہ تم کو پوجنا جس کو میں پوجوں۔ تم کو تمہاری راہ، اور مجھ کو میری راہ۔



اعلان استقامت بر اسلام و شعائر اسلام و بیزاری از مراعات اہل باطل

قال اللہ تعالیٰ۔ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ---- الی ------ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ۔

(ربط) سورۂ کوثر میں خیر کثیر کی بشارت سنائی گئی تھی اور یہ اعلان بھی کر دیا گیا تھا کہ خداوند عالم نے یہ طے کر دیا تھا کہ اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی دین غالب ہوگا۔ اور پیغمبر خدا ہی کامیاب ہوں گے اور جو بھی کوئی بغض اور دشمنی رکھے گا وہی ناکام ذلیل اور تباہ ہوگا۔ اب اس سورت میں دنیا کے تمام گمراہوں اور باطل ملت کی پیروی کرنے والوں کو جو باطل کو فروغ دینے کے لئے بڑی ہی محنت اور جدوجہد کر رہے ہیں۔ کھلے عام اعلان کیا جا رہا ہے۔ اب حق پرستوں کی طرف سے ایسے لوگوں کو مایوس ہو جانا چاہئے وہ ان کی سازشوں سے ہرگز متاثر نہ ہوں گے۔

اور معبود حقیقی کی پرستش کرنے والا اب کبھی بھی باطل کی طرف رُخ نہ کرے گا۔ جبکہ اہل باطل حق قبول

کرنے کو تیار نہیں تو پھر اس احمقانہ تصوّر اور توقع کا کیا مطلب ہے کہ اہل حق اپنے عقیدہ اور طریقوں سے کچھ ہٹ جائیں۔

روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ کفار قریش کی ایک جماعت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ابوجہل اور ابولہب عاص بن وائل کو آپ کے چچا عباس رضی بن عبدالمطلب کے ساتھ یہ پیغام بھیجا۔ بعض روایات میں ہے کہ صرف عباس رضی کو ہی بھیجا۔ آپ ہمارے معبودوں اور ان کی پرستش کی برائی اور تردید کرنا چھوڑ دیں تو ہم بھی آپ کا مقابلہ اور مخالفت چھوڑ دیں گے۔ اگر آپ کو سلطنت کا شوق ہے تو ہم آپ کو اپنا سردار ماننے کو تیار ہیں اور اگر مال و دولت مقصود ہے تو وہ بھی جمع کر کے آپ کے سامنے ڈھیر لگا دیں گے۔ اگر کوئی خواہش ہے تو جو تمام قبائل سے حسین سے حسین عورت ہو آپ کے واسطے مہیا کر دیں گے لیکن آپ اس پیغام توحید سے رک جائیں اور ہمارے بتوں (معبودوں) کی برائی کرنا چھوڑ دیں تو آپ نے اس پر فرمایا۔ ہلاکت ہو اے قریش مکہ۔ مجھے ان چیزوں میں سے کسی کی حاجت نہیں میں تو بس یہی چاہتا ہوں کہ تم ہلاکت سے بچو اور خدائے وحدہٗ لا شریک لہٗ کی عبادت کرو۔ روایات میں ہے کہ قریش مکہ نے پھر یہ پیغام بھیجا کہ اچھا پھر ایسا کریں کہ آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کریں ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں تاکہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی اختلاف نہ رہے اور اسی طرح باہمی اخوت اور یگانگت قائم ہو جائے۔ اس طرح پھر کوئی تفرقہ باقی نہ رہے گا۔ اور نہ باہمی کوئی رنجش پیش آئے گی تو اس پر یہ سورت نازل ہوئی ارشاد فرمایا۔

اے ہمارے پیغمبر کہہ دو اے کافرو! میں نہیں عبادت کرتا ان معبودوں کی جن کی تم عبادت کرتے ہو یہ کیسے ممکن ہے اور جب کہ تم نہیں عبادت کرتے ہو اس معبود کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں حالانکہ تم باوجودیکہ شرک کر رہے ہو اور بتوں کی پرستش کرتے ہوئے بھی یہ کہتے ہو کہ مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِيُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلۡفٰى اس لیے کفار مکہ کی یہ پیش کش اور توقع کہ میں ان کی بات مان لوں گا۔ باطل اور لغو ہے اور اب تو کیا آئندہ بھی کبھی بھی میں عبادت کرنے والا نہیں ہوں ان معبودوں کی جنکی تم پرستش کرتے ہو اور نہ ہی تم عبادت کرو گے اس معبود کی جسکی میں عبادت کرتا ہوں کیونکہ تم تو یہ چاہتے ہو کہ خود میں ہی العیاذ باللہ توحید کو چھوڑ کر تمہارا طریقۂ شرک اختیار کر لوں۔ تو جو دعوت توحید کو ٹھکرا کر اور حق سے روگردانی کرتے ہوئے داعی حق ہی کو باطل کی دعوت دے گا۔ اس سے یہ کیا توقع کی جا سکتی ہے وہ حق پرست اور داعی توحید کے ایک خدا کی عبادت کرے گا اس لیئے اب ایسے لوگوں کی اس قسم کی مفاہمت اور مصالحت کی گفتگو سے مایوس ہو جانا چاہیئے اور سن لینا چاہیئے کہ تمہارے واسطے تمہاری راہ ہے جس عہ پر بھٹک رہے ہو اور تیار نہیں

عہ: آج کل بالعموم اہلِ باطل اسی قسم کی باتوں سے اہل حق کو برچایا کرتے ہیں کہ وہ اپنے مسلک اور مذہب کی خصوصی روایات کو ترک کر دیں ان کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ حق کی حقانیت ختم ہو جائے اور باطل کی تردید نہ ہو تو یہ ایک خطرناک دھوکہ ہے جس سے اہل حق کو چوکنا رہنے کی ضرورت ہے اس تفسیر کے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہ اس کو چھوڑو لہٰذا بس اسی پر بھٹکتے رہو اور میرے لئے میری راہ ہے جس پر میں قائم ہوں اور اس سے ہرگز میرا قدم کبھی نہیں ڈگمگا سکتا؎ اس لئے ہر صاحب ایمان شخص کو اسی طرح استقامت اور پختگی کے ساتھ ایمان

؎: بعض حضرات اس موقعہ پر دین کا ترجمہ "بدلہ" فرماتے ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے طریقہ اور عمل کا بدلہ تمہیں ملے گا اور میرے عمل اور طریقہ کا بدلہ مجھے ملے گا۔ اضافہ کردہ الفاظ سے یہ ظاہر کردیا گیا کہ ان کلمات کا مفہوم کافروں کی طرف سے مایوسی اور جب کہ وہ حق قبول کرنے پر تیار نہیں تو اہل حق کی طرف سے اعلان استقامت ہے۔ اس لئے ان الفاظ سے یہ اشکال ذہن میں پیدا نہ کرنا چاہئے کہ اس آیت کا مدلول تو یہ تھا کہ اس آیت کے نزول کے بعد کوئی مشرک ایمان نہ لاتا۔ اور توحید اختیار نہ کرتا جب کہ یہ فرمادیا وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ کیونکہ آیت یہ خبر دینے کے لئے نہیں ہے اور نہ ہی اس کا یہ مقصود ہے کہ آئندہ کوئی کافر و مشرک ایمان نہیں لائے گا۔ بلکہ ایسی روش کے بعد مایوسی کا بیان ہے اور اس ضمن میں تلقین و تسلی ہے اور یہ اعلان کرانا ہے کہ اہل حق کی طرف سے اہل باطل کو مایوس کردینا چاہئے کہ ہم ان کی خواہش اور پیش کش سے اپنی کسی بات میں ترمیم کرنے کو تیار نہیں۔ بعض ائمہ عربیت جیسے زمخشریؒ وغیرہ ان جملوں کے تکرار کو تاکید پر محمول کرتے ہیں۔ ہم نے ترجمہ میں اس امر کو اختیار کیا کہ اوّل مرتبہ حال کے معنی مراد ہیں اور دوسری مرتبہ استقبال کے لحاظ سے اعلان استقامت ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک پہلے دو جملوں میں مَا کو موصولہ قرار دیا۔ اور دوسرے دو جملوں میں مَا کو مصدریہ۔ جس کا مفہوم یہ ہوا۔ میں عبادت نہیں کرتا۔ اس معبود کی جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم عبادت کرتے ہو اس معبود کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں (تو یہ مَا موصولہ کا ترجمہ ہوا) اور نہ میں وہ عبادت اور طریقہ اختیار کرتا ہوں الخ تو یہ مَا مَصدریہ کا ترجمہ ہوا۔ حاصل یہ کہ میرے اور تمہارے درمیان نہ معبود مُشترک ہے اور نہ طریقۂ عبادت مشترک ہے تم بتوں کو پوجتے ہو وہ میرے معبود نہیں ہوسکتے میں اس خدا کو مانتا ہوں جس کی ذات اور صفت میں کوئی شریک نہیں۔ تم ایسے خدا کو ماننے کو تیار نہیں علیٰ ہٰذا القیاس تمہاری عبادت بیت اللہ کا ننگے طواف کرنا اور سیٹیاں بجانا ہے۔ میرا طریقہ خدائے وَحدہٗ لاشریک کی حمد و تسبیح کرنا۔ تو جب

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۶۱) پیش نظر اب اس توجیہ کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی۔ جو بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ سورت اس وقت منسوخ ہوگئی جبکہ اللہ رب العزت نے آپ کو کفر کے رد کا حکم فرمایا اور انذار و تبلیغ کا مامور فرمایا۔ یا جب حکم جہاد اور قتال کا نازل ہوا تو اس بات کی گنجائش ختم کردی گئی جو لَكُمْ دِيْنُكُمْ میں دی گئی تھی کیونکہ آیات کا سیاق و سباق درحقیقت اہلِ ایمان کو اپنے ایمان پر قائم رہنے کا اعلان اور کافروں کی طرف سے مایوسی کے باعث قلوب کو مطمئن اور یکسو کرلینے کی تلقین ہے۔ واللّٰہ اعلم۔

پر قائم رہنا چاہیئے اور اس پختگی اور استقامت کا ایسی ہی قوت کے ساتھ اعلان کر دینا چاہیئے کہ اہلِ باطل اس کی طرف سے مایوس ہو جائیں۔

تمّ بحمد اللہ العزیز تفسیر سُورَۃ کافرون

فائدہ صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کے بعد دو رکعتوں میں قُلْ یَآ اَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ اور سورۃ اخلاص کو تلاوت فرمایا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ان دو سورتوں کو مغرب کے بعد سنتوں میں اور فجر سے قبل سنتوں میں پڑھا کرتے تھے۔

نیز حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ جب رات کو بستر پر لیٹتے تو تب بھی یہ سورت تلاوت فرماتے اور آپ نے حضرت علیؓ کو بھی اس کی تاکید فرمائی۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ انھا براءۃ من الشرك کہ یہ سورت شرک سے براءت اور پاکی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَۃُ النَّصْرِ

سورۃ النصر جمہور مفسرین کے نزدیک مدنیہ ہے۔ بعض روایات نے یہ بیان کیا کہ حجۃ الوداع کے زمانہ میں ایام تشریق کے دوران مقام منیٰ میں نازل ہوئی اس سورت کا نام بعض حضرات نے سورۃ التودیع بھی بیان کیا ہے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی۔

حافظ ابن کثیرؒ بروایت صدقہ بن یسارؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سورت جب ایام تشریق میں نازل ہوئی تو آپ نے سمجھ لیا کہ یہ سورت میرے واسطے

(بقیہ حاشیہ ص ۵۶۲) نہ معبود میں شرکت اور نہ طریقۂ عبادت میں شرکت تو پھر سمجھوتہ کس بات پر ہو سکتا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ کا خیال یہ ہے کہ ایک دفعہ سے نفی اس لحاظ سے ہے کہ آنحضرتؐ یہ اعلان فرما رہے ہیں کہ میں نے تو پہلے بھی کبھی شرک نہیں کیا۔ جب کہ نبی بھی نہ تھا اور جاہلیت کا دور تھا تو اب جب کہ نبوت و رسالت عطا کر دی گئی اور مجھ کو اللہ نے توحید کا داعی بنا دیا۔ تو اب یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں ان معبودوں کی عبادت کروں۔

(تفصیل کے لیئے فوائد عثمانی ملاحظہ فرمائیں)

بیغام الوداع ہے اور اسی کے بعد آپؐ نے وہ معروف خطبہ دیا جو خطبۂ حجۃ الوداع کے نام سے معروف ہے جس میں آپؐ نے قیامت تک کے واسطے تمام عالم کے لئے ایسے راہنما اصول ذکر فرمائے جس میں امنِ عالم انسانیت کی فلاح و کامیابی اور مسلمانوں کی عزت و عظمت جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کے جملہ قوانین ارشاد فرما دیئے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپؐ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا اے فاطمہؓ مجھے خبر رحلت دے دی گئی ہے۔ جس پر حضرت فاطمہؓ بیقرار ہو کر رونے لگیں۔ اس کیفیت کو دیکھ کر آپؐ نے فاطمہؓ سے پھر یہ فرمایا۔ اے فاطمہؓ تو میرے گھرانہ میں سب سے پہلے وہ ہے جو مجھے ملے گی۔ جس پر فاطمہؓ ہنسنے لگیں[ع] (رواہ البخاری و مسلم)

اور پھر یہ راز رکھا۔ حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی باوجود اصرار کے نہ بتایا۔ تا آنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہو گئی تو اس کا اظہار کیا۔ اگرچہ اس سے قبل آپ کی وفات کی خبر "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ" میں دے دی گئی تھی۔ لیکن زمانۂ رحلت کے قریب تر ہونے کی اطلاع اسی سورت نے کی۔ اسی وجہ سے روایات میں آتا ہے کہ صدیق اکبرؓ نے اس سورت کو سُنا تو بیقرار ہو کر رونے لگے جیساکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دورانِ خطبہ وہ بات سُن کر رونے لگے تھے۔ جب آپؐ نے فرمایا تھا کہ اللہ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دے دیا ہے کہ وہ دنیا کو اختیار کرے یا اپنے رب کو تو اس بندہ نے اللہ کو اختیار کر لیا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے تھے کہ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اب آپؐ کی رحلت کا وقت قریب ہے۔

صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجھ کو بدر کے بزرگوں میں شمار اور داخل فرماتے تو بعض بزرگ صحابہ کو خیال گذرا اور کہنے لگے کہ یہ کیا بات ہے حالانکہ ہمارے بیٹے ابنِ عباسؓ کے برابر ہیں تو فاروق اعظمؓ نے سب حضرات صحابہ سے اس سورت کا مطلب دریافت کیا۔ جس پر کسی نے ظاہری مطلب بیان کر دیا اور کسی نے سکوت اختیار کیا۔ ابن عباسؓ سے دریافت کیا اے ابن عباسؓ کیا تم بھی اس سورت کا یہی مطلب سمجھتے ہو؟ جواب دیا نہیں یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر وفات ہے تو اس طرح عمر فاروقؓ نے ابن عباسؓ کی علمی عظمت کو ظاہر فرمایا۔

ع: صحیح بخاری و مسلم۔ تفسیر ابنِ کثیر۔

عکرمہؓ سے روایت ہے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سراپا عبادت اور ذکر و فکر میں شب و روز مصروف ہو گئے اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اس کے بعد آپؐ کثرت سے یہ پڑھا کرتے تھے۔ سبحانك اللّٰھم و بحمدك استغفرك واتوب الیك۔ گویا آپؐ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ پر عمل فرماتے ہوئے یہ کلمات فرماتے تھے۔ ۱۲

آیاتُھا ۳ ۱۱۰ = سُورَۃُ النَّصرِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۱۴ رُکُوعُھا ۱

سُورۃ نصر مدنی ہے اس کی تین آیتیں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾ وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ

جب پہنچ چکی مدد اللہ کی اور فیصلہ - اور تو نے دیکھے لوگ

یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ

پیٹھتے (داخل ہوتے) اللہ کے دین میں فوج فوج - اب پاکی بول اپنے

رَبِّکَ وَ اسۡتَغۡفِرۡہُ ؕؔ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾ ع

رب کی خوبیاں، اور گناہ بخشوا اس سے بیشک وہ معاف کرنیوالا ہے۔

ع ۳ ۱ ۲۵

ذکر بشارت فتح و نصرت و غلبۂ دین وظہور اسلام مع حکم تسبیح و استغفار

قال اللہ تعالیٰ۔ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ ------الیٰ ------ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا۔

(ربط) اس سے قبل سورۂ کافرون میں اس امر کا حکم تھا کہ مشرکین کی سازشوں سے مسلمانوں کے قدم جادۂ استقامت سے کسی درجہ میں متزلزل نہ ہونے چاہئیں ان کو واضح اعلان کی صورت میں کہہ دیا جائے کہ ان کی خواہشات اور کوششیں کامیاب نہ ہوسکیں گی اور اس امر کا کوئی امکان نہیں کہ حق اور باطل میں کوئی باہمی سمجھوتہ ہو اگر کفارِ مکہ شرک اور کفر سے باز آنے کو تیار نہیں تو پھر حق پرست اور مسلمان کیونکہ ایمان و توحید کے تقاضوں سے دست بردار ہوسکتا ہے اس مرحلہ پر تو بس یہی اعلان کرنا پڑے گا لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ تو اس مناسبت سے اس سورت میں فتح و نصرت کی بشارت کا ذکر کرتے ہوئے ہمیشہ کے لئے غلبۂ دین اور ظہور اسلام کی خبر دی گئی۔ اور چونکہ یہ بات اس نعمت کو متضمن تھی کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض بعثت الحمدللہ مکمل ہوگئی۔

اور آپؐ امت کے کام سے فارغ ہو گئے اس لیے اب آپؐ کلیتہً خالق ہی کی طرف رُخ کر لیجئے اور اس کی یہی صورت ہے کہ تمام تر مشغولیت۔انہماک الی اللہ ہو جائے حتیٰ کہ یہ انہماک اور رجوع الی اللہ عملاً و اشتغالاً مکمل ہوتے ہوئے اصلاً و ذاتاً بھی رجوع الی اللہ ہو جائے جس کی صورت دنیا سے رحلت کر کے رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ ملحق ہو جانا ہے لہٰذا ارشاد فرمایا۔

جب آجائے اللہ کی نصرت اور فتح حتیٰ کہ مکہ اور حجاز کے بڑے بڑے شہر فتحؑ ہو جائیں اور دیکھ لیں لوگوں کو کہ وہ جوق در جوق اور فوج در فوج اللہ کے دین اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ اور اس طرح آپؐ امت کے کام اشاعت اسلام اور دعوت توحید کی ذمہ داریوں سے فارغ ہو جائیں اور جو غرض آپؐ کی رسالت و بعثت کی تھی وہ پوری ہو جائے اور دیکھ لیں کہ اسلام کا ظہور و غلبہ ہو گیا اور اب یہ بات نہیں کہ ایک ایک دو دو آدمی اسلام میں داخل ہوں بلکہ فوج در فوج اور قبیلے کے قبیلے بیک وقت قبولِ اسلام کر رہے ہوں تو اسی کی طرف سراپا انہماک و توجہ کے لیئے بس اپنے رب کی تسبیح و پاکی میں مشغول ہو جائیے اس کی حمد و ثنا کرتے ہوئے اور اسی سے استغفار کیجئے۔ تاکہ اس حمد و ثناء اور استغفار کے ذریعہ اس کے انعامات کا شکر ادا ہو سکے اور فتح و نصرت اور غلبۂ دین کا انعام بے شک اسی کو چاہتا ہے کہ اس کی طرف شاکرانہ انداز میں رجوع کیا جائے بے شک وہ پروردگار بڑا ہی رجوع کرنے والا ہے۔ اپنے ہر اس بندہ کی طرف جو اپنا رُخ اس کی طرف اس کی حمد و ثناء اور استغفار و شکر کی صورت میں کرتا ہے۔

سُورَۃُ النَّصْر کا نزول قبل از فتح مکّہ یا بعد از فتح

علماء مفسرین کے اس بارہ میں کہ یہ سورت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے یا قبل از فتح مکہ دو قول ہیں ایک یہ کہ قبل از فتح مکہ نازل ہوئی ہے جیسا کہ اِذَا سے معلوم ہوتا ہے جو مستقبل کے لیئے استعمال کیا جاتا ہے۔ تو اس سے ظاہر ہوا کہ اس سورت میں آئندہ حاصل ہونے والی فتح کی خبر دی گئی اور بشارت سنائے

عہ: آیت مبارکہ "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ" میں نصر اور فتح کو عطف کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے۔ نصر کے معنی فتح اور اعانت کے ہیں۔ جس کی حقیقت تحصیل مطلوب میں اعانت اور اسبابِ اعانت اور فتح تحصیل مطلوب کا نام ہے اس لحاظ سے ظاہر ہوا کہ نصرت فتح کا سبب اور ذریعہ ہے تو فتح کا عطف نصر پر اسی نوعیت سے نہایت لطیف ہوا۔ اعانت و نصرت میں کبھی اسباب ظاہری کی فراہمی ہوتی ہے جیسے لشکر اور سامان حرب اور زادِ راہ وغیرہ۔ اور کبھی باطنی اسباب سے ہوتی ہے جیسے مجاہدین کے حوصلوں کی بلندی اور کافروں کی مرعوبی و بزدلی اور ہیبت یا ان کی سوء تدبیر۔ تو اسی کے پیش نظر فرمایا گیا۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ۱۲۔

کے ساتھ یہ بتایا گیا کہ اس پر یہ آثار و احوال مرتب ہوں گے کہ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کے نازل ہونے کے بعد دو سال سے کچھ زائد حیات رہے اور اس کے بعد آپؐ کی رحلت ہوئی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد نزول ہوا۔ جیسا کہ بعض روایات کی تصریح میں بیان کیا گیا کہ حجۃ الوداع میں ایام تشریق میں نزول ہوا تو اس صورت میں لفظ اذا کو اذ کے معنی میں لیا جائے گا جو کہ ماضی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ اِذَا ماضی کے لئے مستعمل نہیں ہوتا اور اس کی مثال قرآن کریم کی ایک آیت میں موجود ہے کہ اِذَا کو اِذْ کے معنی میں استعمال کر لیا جائے۔ چنانچہ ارشاد ہے "حَتّٰٓی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْٓ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا"۔

اس تقدیر پر اکثر روایات اور مفسرین کے قول کی بناء پر کہ سورۃ نصر بعد فتح مکہ نازل ہوئی کہا جا سکتا ہے کہ اِذَا مستقبل ہی کے معنی پر محمول ہے۔ اور فتح مکہ اگرچہ ہو چکی لیکن فتح اسلام اور ظہور دین کے یہ ابتدائی مراحل جو طے ہوئے ہیں مکمل فتح اور کامل غلبہ آئندہ آپ کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہوگا۔ جب کہ فارس و روم جیسے عظیم ملک بھی ختم ہو کر اسلامی مملکت کی حدود میں داخل ہو جائیں گے اور ظاہر ہے کہ تمام عالم پر اسلام کا غلبہ روم و فارس الجزائر و مراکش اور کابل و چین تک پرچم اسلام لہرانے کے بعد ہوا۔ جو عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں ہوا تو اس صورت میں فتح مکہ کے بعد بھی اِذَا مستقبل کا استعمال کسی بھی درجہ میں باعث اشکال نہ رہا اور اس تقدیر پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ گویا فتح مکہ ایک تمہید اور بشارت تھی۔ اس مکمل ہونے والی فتح کے لئے جس کی بشارت سنائی گئی اس طرح فرمان نبوی کو دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

"اِذَا هلك قیصر فلا قیصر بعدهٗ و اذا هلك کسرىٰ فلا کسرىٰ بعدهٗ۔"

فللّٰه الحمد حمدًا کثیرًا علیٰ نصرهٖ و فتحهٖ۔ فیا ربِّ اَعْلِ کلمة الاسلام والمسلمین وانصرنا نصرًا عزیزًا برحمتك یا ارحم الراحمین وَاخْذُل الکفرة اعداء الاسلام والمسلمین واجعلنا فائزین وثبتنا علیٰ ملّة الاسلام وعلیٰ ملة نبیك سید المرسلین واحشرنا فی زمرة الذین انعمت علیهم من النبیّین والصدیقین والشهداء والصالحین۔

آمین برحمتك یا ارحم الراحمین۔



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ اللَّھَب

سورۃ اللہب بھی مکی سورت ہے۔ عبداللہ بن الزبیرؓ اور ابنِ عباسؓ سے یہی منقول ہے اور ائمہ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس کی پانچ آیات ہیں۔ اس سورت میں خاص طور سے اس اہم تاریخی امر کا بیان ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل عرب کو اللہ کا پیغام پہنچانے کا ارادہ فرمایا اور آیت مبارکہ وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ نازل ہوئی اور سلسلۂ وحی کے آغاز کے بعد سب سے پہلا حکم بھی آپؐ کو یہی دیا گیا۔ قُمۡ فَاَنۡذِرۡ، تو آپ بطحٰئ مکہ کی طرف نکلے اور ایک پہاڑ پر چڑھ کر آپ نے قبائل عرب کو پکارا فرمایا یا صباحاہ یا صباحاہ جس پر قریش کے تمام قبائل جمع ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا اے لوگو! ذرا یہ بتاؤ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ ایک دشمن کا لشکر تم پر صبح کو حملہ آور ہونے والا ہے یا شام کو حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے اور میری بات پر اعتماد کرو گے۔ سب نے جواب دیا بے شک۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہم نے آپ کے بارہ میں کبھی کوئی تجربہ ہی نہیں کیا سوائے صداقت اور سچائی کے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اِنِّیۡ نَذِیۡرٌ لَّکُمۡ بَیۡنَ یَدَیۡ عَذَابٍ شَدِیۡدٍ۔ کہ میں تمہیں ایک سامنے آنے والے شدید عذاب سے ڈرانے والا ہوں (اگر تم ایمان نہ لاؤ گے) تو یہ سنکر بدبخت ابولہب کہنے لگا۔ تَبًّا لَکَ تمہارے ہاتھ ٹوٹیں۔ کیا اسی کام کے لئے ہمیں جمع کیا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے آپ پر ایک پتھر اٹھا کر پھینکا اور بہت کچھ بیہودہ باتیں بکیں اور حرکتیں کیں۔ تو اس سورت میں اس بدبخت کی بدتمیزی اور شقاوت کی مذمت اور اس پر وعید فرمائی جارہی ہے اور یہ بتایا جارہا ہے کہ ایسے مغرور متکبر انسانوں کا مال اور ان کی عزت و قوت اسلام اور رسول خدا کے مقابلہ میں ہرگز کام نہیں آسکتی ان کو ذلیل و رسوا اور تباہ و برباد ہونا ہی پڑے گا۔



آیاتہا ۵ ۱۱۱ = سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ = ٦ رکوعہا ۱

سورۃ لہب مکی ہے اور اس کی پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝١ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ

ٹوٹ گئے ہاتھ ابی لہب کے، اور ٹوٹ گیا وہ آپ۔ کام نہ آیا اس کو مال

مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝٢ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝٣

اس کا اور نہ جو کمایا۔ اب بیٹھے گا (پہنچے گا) ڈیگ مارتی آگ میں۔

وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝٤ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ

اور اس کی جورو۔ سر پر لیے پھرتی ایندھن۔ اس کی گردن میں رسی

مِّنْ مَّسَدٍ ۝٥

ہے مونج کی۔

ع ۵ ۱ ۳۶

خسران و بربادی در دنیا و عقبیٰ از دشمنیٔ رسولِ خدا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم

قال اللہ تعالیٰ. تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۔

(ربط) گزشتہ سورۂ نصر میں یہ بتایا گیا تھا کہ حق اور ہدایت ہی کو غلبہ و کامیابی حاصل ہوتی ہے اور دنیا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیتی ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور اپنے دین کو غالب و کامیاب فرمایا ہے۔ تاریخ عالم میں اس نے اپنی قدرتِ عظیمہ کا مشاہدہ کرا دیا کہ وہ پیغمبر اور ان کے ساتھی جو مکہ سے مجبور و مظلوم ہو کر، ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ چند ہی سال گذرنے پر وہی اللہ کا رسول دس ہزار قدسیوں کے ساتھ اسی سرزمین میں فاتح و کامیاب داخل ہو رہا ہے۔ تو اس کے بالمقابل اس سورت میں یہ بتایا

جا رہا ہے کہ دینِ خداوندی اور اللہ کے رسول کی دشمنی کا انجام کس طرح تباہی اور بربادی کی صورت میں رونما ہوتا ہے چنانچہ وہ سرداران مکہ جن کے مال و دولت اور عزت و حشمت کی کوئی کمی نہ تھی (جن میں ایک ابولہب علہ بھی تھا) کیسے ذلیل اور تباہ و برباد ہوئے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا۔ ٹوٹ جائیں دونوں ہاتھ ابولہب کے اور ٹوٹ گیا۔ وہ خود ہی بس تباہ و برباد ہو گیا۔ قدرتِ الٰہیہ کے اس فیصلہ سے جو اس کی اس بیہودگی و بدتمیزی پر جاری ہو گیا جو اس نے کی اس وقت جب کہ کوہ صفا پر چڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل قریش کو ایمان کی دعوت دی تھی تو اس بیہودہ نے کہا تبًا لکَ اَلِھٰذا جمعتنا۔ اس بیہودہ نے اپنے مال و دولت کے غرور اور نشہ میں اس بیہودگی کا ارتکاب کیا اس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ بس یہ ٹوٹ گیا۔ تباہ و برباد ہو گیا اور اس قطعی فیصلہ کو دنیا کی کوئی طاقت ٹلا نہیں سکتی۔ چنانچہ یوں ہی ہوا کہ نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ ہی وہ سب کچھ جو اس نے کمایا تھا۔ اس کی عزت و سرداری اور قبائل عرب میں اس کی مقبولیت و محبوبیت دنیا کی زندگی میں خدا کا یہ فیصلہ نافذ ہو کر رہا۔ اور سب نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ کس طرح تباہ ہوا اور ذلیل و خوار ہو کر بڑی ہی گندی موت سے مرا کہ کوئی اس کے قریب بھی آنے کو تیار نہ تھا جو بلاشبہ ایک عذاب تھا۔ اور رسول خدا کی دشمنی اور توہین کی سزا تھی جو اس کو دنیا میں بھگتنی پڑی۔ اب اس کے بعد مزید آخرت کا عذاب بھی سامنے ہے کہ وہ عنقریب داخل ہو گا ایک ایسی دھکتی ہوئی آگ میں جو بڑی شعلے برسانے والی ہو گی اور "ذات لہب" آگ ابولہب کے لیئے تیار کر دی گئی ہے اور جو بدبخت و بدنصیب کفر و نافرمانی کی بھڑکتی ہوئی غیظ و غضب کی آگ میں اللہ کے رسول کی دشمنی کرتا رہا اس کو ایسی ہی "ذات لہب" اور دھکتی ہوئی آگ میں یقیناً جانا پڑے گا اور اس کی بیوی بھی اس دنیوی ہلاکت اور عذابِ اُخروی میں مبتلا ہو گی جو لکڑیاں لاد کر لانے والی ہے جس کی گردن میں مونج کی مضبوط رسی پڑی ہوئی ہے تو وہ بدبخت بھی ہلاک ہو گا اور اس کی بدنصیب یہ بیوی بھی تباہ و برباد ہو گی جن کے حق میں خدا کا یہ فیصلہ ہو گیا۔

حضرات مفسرین بیان کرتے ہیں کہ ابولہب کی بیوی جو عرب کے سرداروں میں سے تھی جس کا نام اَرْوٰی بنت حرب تھا اپنے حسن و جمال میں بڑی معروف تھی اور اسی وجہ سے اس کو ام جمیل کہا جاتا تھا۔ اس کی ذلت میں خاص طور سے یہ وصف یعنی حَمَّالَةَ الْحَطَبِ اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ یہ بھی ابولہب کی طرح حضورؐ کی دشمنی اور غیظ و غضب میں بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح شعلے برساتی پھرتی تھی۔ اور شدت عداوت کے باعث لکڑیاں جن میں کانٹے ہوتے حضورؐ کے راستے میں ڈال دیتی۔ تاکہ آپ کے پاؤں میں کانٹے چبھیں۔ بعض کا خیال

علہ: ابولہب آپؐ کے جد عبدالمطلب کا حقیقی بیٹا یعنی آپؐ کا چچا تھا۔ اس کا نام عبدالعزّیٰ تھا۔ نہایت سرخ رنگ اور خوبصورت آدمی تھا چہرے کی چمک دمک ایسی تھی کہ گویا چہرے سے شعلے نکل رہے ہوں۔ اس وجہ سے اَبُولَہَب کنیت تھی۔ ۱۲

ہے کہ اس قدر بخل تھا کہ مال و دولت کے باوجود لکڑیاں سر پر اٹھا کر لاتی تھی۔

مجاہدؒ بیان کرتے ہیں "فِیْ جِیْدِھَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ" وہ نار جہنم کا طوق ہے جو اس کی گردن میں ڈالا جائے گا۔

سعید بن المسیبؒ سے منقول ہے کہ ابو لہب کی بیوی کی گردن میں ایک نہایت قیمتی ہار پڑا رہتا تھا جس پر یہ فخر کرتی تھی اور کہتی تھی کہ میں اس ہار کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عداوت میں خرچ کر دوں گی۔

علامہ آلوسیؒ اپنی تفسیر روح المعانی میں بروایت مجمع بن الطارقؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک بار دیکھا کہ سوق ذی المجاز میں آپؐ لوگوں کو اسلام اور رضائے وحدہٗ کی عبادت کی دعوت دیتے جا رہے ہیں۔ پیچھے پیچھے ابولہب بدبخت آپ پر پتھر برساتا ہوا آرہا ہے جس سے آپ کی پنڈلیاں اور قدم لہو لہان ہو چکے ہیں اور یہ بدبخت دونوں ہاتھ اٹھا کر مار رہا ہے اور آپؐ پر ہنسی مذاق کرتا جا رہا ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ اس کے ایک خبیث بیٹے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک پر تھوکا تھا۔ تو ان تمام شقاوتوں اور بدبختیوں کا انجام دنیا میں بھی دیکھ لیا۔ چند روز کے بعد افلاس و غربت کا دور شروع ہو گیا اور اس بدبخت بیٹے پر جس نے یہ بیہودگی کی تھی اور آپؐ کی زبان مبارک سے اس کے حق میں یہ بد دعا نکلی تھی کہ اے اللہ تو اس پر اپنا کتا مسلط فرمادے۔ تو اسی طرح ہوا ایک روز جنگل میں جا رہا تھا کہ ایک شیر نے چبا کر چورا چورا کر دیا۔

اور خود ابو لہب ایک بیماری میں مبتلا ہوا جس کو اہل عرب عدسہ کہتے ہیں یعنی طاعون کا پھوڑا۔ یہ ایسا مرض متعدی سمجھا جاتا ہے کہ کوئی اس مریض کے قریب بھی نہیں آتا۔ تکلیف کی حد نہ رہی۔ کتوں جیسی آواز نکلنے لگی۔ چہرہ بگڑ گیا جو چہرہ حسن و جمال سے چمکتا تھا وہ قابل نفرت بن گیا کہ دیکھنے سے ہی لوگ کترانے لگے یہاں تک کہ گھر والوں نے اس کو دور جگہ ڈلوا دیا مبادا کہیں ان کو بھی یہ مرض نہ لگ جائے۔ اسی حالت میں مر گیا اور تین دن تک لاش اسی طرح پڑی رہی کیونکہ کسی میں ہمت نہ تھی کہ ایسی گندی اور بدبودار لاش کے قریب بھی آسکے اس صورت حال میں کچھ حبشی مزدوروں کو بلوایا گیا جنہوں نے لکڑیوں کے ذریعے اس لاش کو دھکیل کر ایک گڑھے میں ڈال دیا۔ اس کی بیوی جس کو قرآن نے مکی زندگی میں ہی حمالۃ الحطب کہہ دیا تھا اور گویا اس وقت یہ ابولہب کی کفر و سرکشی کی دہکتی ہوئی آگ کو اور زائد کرنے اور باقی رکھنے کے لئے لکڑیوں کی گانٹھیں اٹھا اٹھا کر لانے والی اور دھکتی ہوئی آگ کو اور بھڑکانے والی حمالہ تھی یہ واقعۃً اور صورۃً بھی حمالۃ الحطب بن گئی۔ اور قدرت خداوندی نے جب انتقام و قہر کے سلسلہ کا آغاز ان کی فقر و تنگدستی سے کیا تو پہلے یہ اُمّ جمیل جو نازنخروں سے گردن میں ہار ڈالے پھرتی تھی۔ ابولہب کی بیماری سے غمزدہ ہو گئی۔ پھر فقر و تنگدستی نے یہاں تک نوبت پہنچائی کہ لکڑیاں لاد کر لانے کی نوبت آگئی اور جو رسی لکڑیاں باندھنے کی گلے میں پڑی

ع تفسیر ابن کثیرؒ ج ۴

ہوئی تھی۔ ایک روز ٹھوکر کھا کر جب گری اور لکڑیوں کی گانٹھ گر گئی۔ تو وہ رسّی پھندے کی طرح گلے میں پھنس گئی اور ایسا گلا گھٹا کہ تڑپ تڑپ کر مرگئی۔ اور اس وقت اس کے گلے میں یہ پھندا اس قیمتی ہار اور زرّین گلوبند کی جگہ تھا جو یہ اپنے گلے میں ڈالے پھرا کرتی تھی اور اس ہار کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دشمنی میں بیچنے کا ارادہ کرتی تھی۔

سبحان اللہ کس طرح خداوندِ عالم کی قدرت نے ابولہب اور اس کی بیوی کو ہلاک و برباد کیا اور جو جو باتیں ظاہری شان و شوکت کی تھیں انہی کو عذاب کی صورت میں منتقل کر دیا۔

یہ سورت جب نازل ہوئی اس وقت ابولہب کی شعلہ فشانیاں خوب جولانیت پر تھیں اور اس کی بیوی ام جمیل کا جمال و طمطراق بھی بڑے عروج پر تھا۔ اس وقت خداوندِ عالم نے یہ خبر دی تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی خبر دینا وحی الٰہی کا کام ہو سکتا تھا پھر اس کی صداقت دنیا کے سامنے روز روشن بن کر آگئی۔ اور اس تاریخ کو دنیا نے دیکھ لیا۔ یہ تو دنیا کی رسوائی اور بربادی تھی۔ اس سے بڑھ کر آخرت کا عذاب ہے۔ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَۃِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی۔ ابولہب کی ہلاکت غزوۂ بدر سے سات روز بعد پیش آئی تو اس تاریخی حقیقت کو دنیا تسلیم کرنے پر مجبور ہے جو قرآنِ کریم کے کلام الٰہی ہونے کی عظیم الشان دلیل ہے۔ جس پر عقل والے انسان کا ایمان لانا ضروری ہے

تم بحمداللہ تفسیر سورۃ اللّھب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُورَۃُ الاِخلَاص

سورۂ اخلاص مکیہ ہے جمہور کے نزدیک مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ عکرمہ جابر عطاء اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے یہی منقول ہے اس کی چار آیتیں ہیں۔ اس سورت مبارکہ میں توحید خداوندی اور اس کی

ف: ان الفاظ سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس مقام پر خداوند عالم نے حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ اور فِیْ جِیْدِھَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ کا عذاب کس طرح ظاہری اور معنوی طور پر مکمل فرما دیا اور اس ضمن میں ان کلمات کی بلاغت و حکمت اور ان کلمات سے اعجاز قرآنی بھی واضح ہو رہا ہے۔ اور اس کی گردن میں مونج کی رسی دنیا کا عذاب تھی۔ لیکن اس کو اللہ نے نمونہ بنا دیا۔ " اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِھِمْ وَالسَّلٰسِلُ یُسْحَبُوْنَ" کا۔

ذات وصفات کی عظمت کا بیان ہے اور یہ کہ اس کی الوہیت اور ذات وصفات میں اس کا کوئی مشابہ اور نمونہ نہیں۔ مماثلت ومشابہت خواہ ذات میں ہو یا جملہ صفات میں یا صفات میں سے کسی ایک وصف میں وہ برابری کی موجب ہے اور علی الاطلاق کسی ایک کی عظمت وکبریائی کے منافی ہے۔

اس ضمن میں یہ بات ظاہر کی جارہی ہے کہ اسلام کی خصوصیت توحید ہے اور اسی خصوصیت کے باعث اسلام دوسرے مذاہب سے ممتاز وجُدا ہے اور یہی وہ خصوصیت ہے جس کی بناء پر اسلام دنیا کے تمام مذاہب سے بہتر اور عین عقل وفطرت کے مطابق ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ کفار قریش نے یا یہود کے علماء میں سے کعب بن الاشرف نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا تھا کہ آپ اپنے رب کے اوصاف ہم سے بتائیے تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ آپؐ کا رب کیسا ہے۔

امام احمدؒ اور امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں ابی بن کعبؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ اپنے رب کا نسب بیان کیجئے وہ کس نسب سے ہے تو اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ اس سورت کی عظمت وفضیلت کے لئے یہی بات بہت کافی ہے کہ توحید خداوندی کا مضمون ہے اور اس کی شانِ کبریائی اور بے نیازی بیان کی گئی ہے۔ مزید برآں اس کے فضائل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان قُلْ هُوَ اللّٰهُ تعدل ثُلُث القُرْاٰن کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن کے برابر ہے۔ بہت ہی بڑی فضیلت ہے۔

صحیح بخاری ودیگر کتب حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جس کسی شخص نے یہ سورت پڑھی اس نے تہائی قرآن کی تلاوت کی۔

اس لیئے کہ قرآن کریم از اوّل تا آخر جن مضامین پر مشتمل ہے وہ تین قسم کے ہیں۔ توحید وصفاتِ خداوندی۔ اعمالِ عباد۔ قیامت اور جزاء وسزا تو اس سورت میں توحید وصفات کا بیان ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لیئے ایک سریہ بھیجا تھا۔ اور ان پر ایک شخص کو امیر بنایا تو یہ صاحب جب بھی نماز پڑھاتے تو ہر رکعت میں سورت کے شروع کرنے سے پہلے سورۂ اخلاص پڑھتے تو لوگوں نے واپس آکر یہ بات آپؐ سے بتائی (کیونکہ یہ چیز عام دستور اور طریقۂ صلوٰۃ سے مختلف تھی) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے دریافت فرمایا اس نے عرض کیا یارسول اللہ یہ سورت صفت الرحمٰن ہے اور مجھے اس سے محبت ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اس شخص کو بتا دو اللہ بھی اس سے محبت فرماتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس سورت کی محبت نے اسکو جنت میں داخل کردیا۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ ایک مجلس میں تھے کہ انہوں نے حاضرین مجلس سے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ ہر رات تہائی قرآن کی تلاوت کے ساتھ قیام کر لیا کرے (یعنی تہجد پڑھ لے) لوگوں نے عرض کیا اے ابو ایوبؓ کیا کسی میں اس قدر طاقت ہوسکتی ہے کہ ہر رات وہ اتنی مقدار تلاوت کرے۔ آپ نے فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ تعدل ثلث القرآن تو اسی

مجلس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا صدق ابوایوب ؓ۔ علہ
ایک روایت میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ختم سورت تک دس مرتبہ پڑھ لی۔ اس کے واسطے اللہ تعالیٰ جنت میں ایک محل بنا دے گا۔ عمر فاروق ؓ یہ سُن کر کہنے لگے پھر تو یارسول اللہ ہم جنت میں بہت سے محل بنالیں گے آپ ؐ نے فرمایا اللہ کی رحمت اور اس کے انعامات اس سے بھی زیادہ وسیع تر ہیں۔

اس سورت کی عظمت کا یہ مقام ہے کہ احادیث و روایات میں اس کے متعدد نام ذکر فرمائے گئے۔ امام رازیؒ نے ایسے بیس نام تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں اور ہر نام کے ساتھ وجہ تسمیہ اور اس کا ماخذ بھی قرآن کریم سے ذکر کر دیا گیا۔ علہ

آیاتها ۴ — ۱۱۲ = سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ = ۲۲ — رکوعها ۱

سورۂ اخلاص مکی ہے۔ اس میں چار آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ① اَللّٰهُ الصَّمَدُ ② لَمْ يَلِدْ ۙ وَ

تو کہہ، وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ نرادھار (بے نیاز) ہے۔ نہ کسی کو جنا، نہ

لَمْ يُوْلَدْ ③ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ④

کسی سے جنا، اور نہیں اس کے جوڑ کا کوئی۔

ع ۱

اعلان توحید خداوندی وتقدیس وتنزیہ از مماثلت ومشابہت

قال اللہ تعالیٰ۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ...... الیٰ .... كُفُوًا اَحَدٌ۔
حق تعالیٰ شانہٗ کی معرفت اسکی شان ربوبیت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے جو انسان کی فطرت میں ابتدائِ آفرینش

علہ: تفسیر ابن کثیر ج ۴۔ تفسیر کے لیئے درمنثور اور قرطبی ملاحظہ فرمائیں۔
علہ: تفسیر کبیر ج ۳۲۔ ص ۱۷۵ - ۱۷۶

اور روزِ اوّل سے ودیعت رکھ دی گئی۔ اور عہدِ الست میں اولادِ آدم کو اسی عنوان سے مخاطب فرمایا گیا تھا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ۔ سب نے جواب دیا تھا۔ بَلٰی۔ تو رب کی معرفت انسان کے خمیر اور اسکی فطرت میں ودیعت رکھی ہوئی تھی۔ اس لیئے قرآنی مضامین کی ابتداء اسی وصف کیساتھ حمد و ثناء سے فرمائی گئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اور ظاہر ہے کہ مقصد اس معرفت کا تقاضا یا اس کا نتیجہ و ثمرہ ایمان باللہ ہے۔ جس پر نجاتِ اخروی اور سعادتِ ابدیہ موقوف ہے اور ایمان باللہ توحیدِ ذات و صفات ہی کا نام ہے اس وجہ سے قرآنی مضامین کا اختتام اس سورت مبارکہ پر ہو رہا ہے۔ جو قرآنی مضامین کی روح اور انسانی حیات کا اصل مقصد ہے تو اب ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

کہہ دیجیئے اے ہمارے پیغمبر جب یہ لوگ پوچھ رہے ہیں کہ آپکے رب کی صفت کیا ہے تو کہہ دیجیئے وہ خدا ایک ہی ہے وہ اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے۔ ذات میں یکتائی اس طرح کی کہ نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے اور نہ اسکی الوہیّت میں۔ اور صفات میں یکتائی یہ ہے کہ وہی ازلی ہے اور کوئی نہیں۔ وہی ابدی ہے اور کوئی نہیں۔ وہی قادرِ مطلق ہے اور کوئی نہیں۔ وہی علیم و خبیر ہے اسکے احاطۂ علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔ خواہ ظاہر ہو یا باطن حتیٰ کہ دلوں کے راز بھی وہی جاننے والا ہے اور کوئی نہیں۔ وہی رحمان و رحیم ہے اسکے سوا اور کوئی نہیں اسکی توحید ذات و صفات اس امر کو مستلزم ہے کہ وہی اللہ بے نیاز ہے۔ کسی کی اسکو حاجت نہیں۔ بلکہ سب ہی اس کے محتاج ہیں۔ تو ظاہر ہے صرف ایسا ہی ایک خدا عبادت کا مستحق ہے ایسے خُدا کو چھوڑ کر کسی کی عبادت کرنا۔ یا اسکے ساتھ کسی اور کو عبادت میں شریک کر لینا عقل و فطرت کے خلاف امر اور انسان کا بدترین ظلم اور ذلیل جُرم ہے۔

افسوس کہ اسکی ذات و صفات اور وحدانیت کے سمجھنے میں ٹھوکریں کھانیوالوں نے بڑی ٹھوکریں کھائیں کسی نے دو خالق "یزدان" "واہرمن"، تجویز کیئے اور نور و ظلمت کو معبود بنا لیا کسی نے اس کے لیئے بیٹا تجویز کر لیا۔ کسی نے خدائی کو تین خداؤں میں جمع کر دیا۔ پس سن لینا چاہیئے ایسے تمام بعید الفہم لوگوں کو جو اپنی بلادت و حماقت سے یہ کہیں۔ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ اور انکو بھی جو یہ کہیں عُزَیْرُ بْنُ اللّٰهِ۔ اور ان مسیحیوں کو بھی جو مسیح بن مریمؑ کو خُدا کا بیٹا کہتے ہیں اور انکو بھی جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں۔ الغرض ہر انسان کو جو خدا کی خدائی میں کسی کو شریک کرتا ہو یا اس جیسا کسی کو قرار دیتا ہو یہ حقیقت سمجھ لینی چاہیئے کہ وہ خدا ایسا واحد و یکتا ہے کہ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اس لیئے کہ وہ احد و صمد ہے اور احدیت و صمدیت کا تقاضا یہی ہے کہ نہ اسکی کوئی بیٹا اور اولاد ہو اور نہ وہ کسی کی اولاد ہو۔ کیونکہ یہ چیز سراسر شرکت اور احتیاج ہے لہٰذا احدیت و بے نیازی کے ساتھ کیونکہ جمع ہو سکتی ہے اور اسکی یہ شان احدیت اس امر کو بھی مقتضی ہے کہ نہیں ہے اس کا کوئی بھی ہمسر اور مثال و نمونہ کہ ادنیٰ سے ادنیٰ مشابہت بھی رکھے۔ جیسے کہ ارشاد فرمایا گیا لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ اس لیئے کہ اگر کسی میں مشابہت و مماثلت فرض کی جائے تو لامحالہ دو کا کسی ایک وصف میں برابر ہونا لازم آئے گا اور یہ برابری خداوندِ عالم کی شانِ کبریائی کے بھی منافی ہو گی۔ اور معنوی طور پر وحدانیت کا بھی ابطال لازم آئے گا۔ جس کا نتیجہ یہی ہے کہ وہ واحد و یکتا ایسا بے نیاز ہے کہ اس کو نہ خاندان و قبیلہ کی ضرورت ہے نہ بقاءِ نسل کے لیئے نہ دیگر کسی امر کے باعث اور نہ ہی اس کا کوئی نمونہ اور مثال ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔

سورۂ اخلاص کے یہ کلمات احد۔ صمد۔ لم یلد۔ ولم یولد۔ اسی وجہ سے خداوندِ عالم کی وحدانیت اور شانِ بے نیازی بیان کرنے میں نہایت ہی اعلیٰ و ارفع ہیں۔ یہ ایسی برکت و عظمت والے قرار دیئے گئے کہ ان الفاظ کی بدولت بندہ کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں جیسے کہ عبداللہ بن بریدہؓ اپنے والد یعنی ابو موسیٰ اشعریؓ

سے نقل کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے تو ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے اور دعا مانگ رہا ہے۔ اللّٰهم انی اسئلك بانّی اشهد ان لّآ اِلٰهَ اِلّآ اَنْتَ الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لّہٗ کفوًا احدٌ۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری زندگی ہے۔ بے شک اس شخص نے اللہ کے اس نام کے ساتھ اللہ کو پکارا ہے۔ جب بھی اس کے ساتھ مانگا جائے وہ عطا فرما دے اور جو بھی دعا کی جائے وہ قبول فرمائے۔

بہرکیف سورۂ اخلاص۔ توحید، ذات وصفات اور نفی شرک کی مکمل حقیقت اور روح ہے اور صفاتِ خداوندی میں ثبوتی اور سلبی صفات کو جامع ہے گویا ایمان واسلام کی اعتقادی اور عملی اصول کی ترجمانی اور کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہُ کی تفسیر وتشریح ہے اور اس بناء پر کہ اس مضمون کی ابتداء قل کے خطاب سے ہے تو ضمناً علوم توحید کے ساتھ علوم رسالت کو بھی یہ سورت جامع ومتضمن ہوگئی۔

فائدہ صمد کی تفسیر میں طبرانی اور حافظ ابن کثیرؒ نے متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔ ان سب کو نقل کر کے طبرانی کہتے ہیں وکل ھذہٖ صحیحۃ وھی صفات ربنا عزوجل الخ کہ یہ سب معانی صحیح ہیں اور ہمارے رب کی صفات ہیں۔ وہ ہی ہے جس کی طرف تمام حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے۔ سب اسی کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں اور وہی ہے جس کی بزرگی اور فوقیت تمام کمالات اور خوبیوں کو پہنچ چکی اور وہی ہے جو کھانے پینے کی خواہشات سے پاک ہے اور وہی ہے جو خلقت کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے۔

اللہ رب العزت کی صفت صمدیت ان جاہلوں کے باطل اور لغو عقیدہ کا رد ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کا اختیار کسی اور کو بھی حاصل ہے اور وہ اس عقیدہ کی بناء پر اولیاء کو حاجت روا سمجھیں اور "انکے پاس خدا کے اختیارات ہیں" کا عقیدہ رکھیں۔

شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کی یہ صفت لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ان لوگوں کا رد ہے جو حضرت مسیحؑ یا حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں۔ نیز جو مسیحؑ کو یا کسی بشر کو خدا کہتے ہیں یا یہ کہ خدا میں اور اس میں کوئی فرق نہیں تو لَمْ یُوْلَدْ اسکی تردید ہے کیونکہ ہر فرد بشر مولود ہے۔ اور کسی سے پیدا ہوا۔ علیٰ ہذا القیاس جب مسیح علیہ السلام ایک پاکباز عورت مریم علیہا السلام کے پیٹ سے پیدا ہوئے تو وہ کیسے خدا ہوگئے۔

اسی طرح وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ان لوگوں کا رد ہے جو اللہ کی کسی صفت میں اس کی مخلوق کو اس کا ہمسر کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض گستاخ تو اس سے بڑھ کر صفات دوسروں میں ثابت کر دیتے ہیں۔ یہود کی کتابیں اٹھا کر دیکھو ایک دنگل میں خدا کی کشتی یعقوب سے ہو رہی ہے اور یعقوب خدا کو پچھاڑ دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۔ انی اسئلك یا اللہ الواحد الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لّہٗ کفوًا احدٌ۔ ان تغفر لی ذنوبی۔ انك انت الغفور الرحیم۔ توفنی مسلمًا والحقنی بالصالحین آمین یا رب العٰلمین۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الاخلاص

ع : تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تفسیر المعوذتین

سُورَةُ الْفَلَق وَسُورَةُ النَّاس

کلام اللہ کی یہ دو آخری سورتیں معوذتین کہلاتی ہیں دونوں مدنی سورتیں ہیں عبداللہ بن عباس اور جمہور صحابہ و ائمہ مفسرین رضی اللہ عنہم اجمعین اسی کے قائل ہیں کہ دونوں سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اور اس وقت نازل کی گئیں جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم پر یہود نے سحر کردیا تھا اور اس جادو کے اثر سے آپؐ پر ایک طرح کا مرض سا بدن مبارک پر لاحق ہوگیا تھا اور اس دوران کبھی ایسا بھی آپؐ کو اپنے کسی دنیا کے کام اور معاملہ میں خیال ہوتا کہ میں نے یہ کام کرلیا حالانکہ وہ نہیں کیا ہوا ہوتا کبھی کوئی چیز نہیں کی اور خیال ہوتا کہ میں نے یہ بات کرلی ہے اس کے علاج کے واسطے یہ دو سورتیں نازل ہوئیں۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت باسناد عروۃ بن الزبیرؓ تخریج کی ہے کہ حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر جادو کردیا گیا تھا (اور جب اسکے کچھ آثار بدن مبارک اور آپؐ کے معمولات میں محسوس ہوتے) تو آپؐ نے (ایک روز) فرمایا اے عائشہؓ میں نے اللہ رب العزّت سے جو بات معلوم کرنی چاہی تھی وہ مجھے اللہ نے بتادی ہے وہ اس طرح کہ میرے پاس دو آدمی آئے (یعنی اللہ کے فرشتے دو انسانوں کی صورت میں) ایک ان میں سے میرے سر کی طرف بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کی طرف تو اس نے جو سرہانے بیٹھا تھا دوسرے سے پوچھا کہ ان صاحب کا کیا حال ہے دوسرے نے جواب دیا ان پر جادو کیا گیا ہے پہلے نے پوچھا اور کس نے ان پر جادو کیا جواب دیا لبید بن الاعصم نے۔ جو یہودیوں میں سے ایک شخص تھا، منافق تھا دریافت کیا اور کس چیز میں جادو کیا گیا؟ جواب دیا بالوں کے گچھے میں سوال کیا وہ کہاں ڈالا گیا تو بتایا بیئر ذروان میں (ایک کنوئیں کا نام ہے) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس کنوئیں پر تشریف لے گئے اور اسکو نکلوایا اس کنوئیں کا پانی دیکھا گیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مہندی کا پانی ہے سرخ رنگ کا۔

ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ بالوں کو کسی دھاگہ میں باندھ کر اس میں گرہیں لگائی ہوئی تھیں تو

اس پر اللہ تعالٰی نے یہ دونوں سورتیں نازل فرمائیں آپؐ ایک ایک آیت پڑھتے جاتے تو ہر آیت کی تلاوت پر ایک گرہ کھل جاتی اور دونوں سورتوں کی آیات پوری ہونے اور دم کرنے پر ایسا معلوم ہوا گویا کسی بندش سے کھول دیا گیا تو آپؐ پر پھر حسب سابق وہ نشاط کی حالت عود کر آئی اور جو گھٹن یا جسمانی تکلیف محسوس ہو رہی تھی وہ ختم ہو گئی۔

یہ واقعہ صحیحین میں موجود ہے مسند احمد بن حنبل اور دیگر کتب احادیث میں متعدد سندوں اور صحابہ کی روایات سے یہ قصہ منقول ہے حضرت عائشہؓ ابن عباسؓ اور زید بن ارقمؓ کی روایات صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی ہیں اور ان روایات واحادیث پر کسی نے جرح نہیں کی اور اس طرح کی کیفیت یا بدنی احوال میں کسی نوع کا تغیر منصب رسالت کے منافی نہیں ہے جیسے آپؐ کا کسی وقت بیمار ہو جانا یا کسی وقت غشی کا طاری ہونا جیسے کہ مرض الوفات کے زمانہ میں ایسا ہوا یا جیسے غزوۂ احد میں آپؐ کے چہرۂ انور پر زخم لگ جانا اور دندان مبارک کا شہید ہونا یا جس طرح کہ کسی وقت آپؐ کو نماز میں سہو پیش آجانا تو یہ جملہ احوال مقتضائے بشریت ہیں اور انکے پیش آنے سے آپؐ کے مقام رسالت اور وحی الٰہی کے اعتماد میں کسی قسم کا کوئی سقم اور حرج نہیں واقع ہو سکتا اور نہ ہی یہ احوال آپ کے منصب رسالت کے منافی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نماز میں سہو پیش آیا تو آپ نے فرما دیا تھا انما انا بشر انسیٰ کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی کہ میں بہر حال ایک بشر ہوں اور کسی وقت (حکمت الٰہیہ کے باعث) کوئی چیز بھول جاتا ہوں جیسے تم لوگ بھولتے ہو تو جب میں کوئی چیز بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دو۔

تو اس قسم کے سہو یا غشی کے واقعہ سے کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسی صورت میں آپؐ کی وحی اور آپؐ کی باتوں پر (العیاذ باللہ) کیسے یقین کر لیا جاتے ظاہر ہے کہ اس قسم کے احوال جسمانیہ جواز قسم مرض وحوادث طبیعیہ ہوں، سے وحی الٰہی اور فرائض منصب رسالت کی ادائیگی میں ذرّہ برابر بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور محض اتنی سی بات سے کہ آپؐ کو کسی کام کر لینے کا خیال ہو گیا حالانکہ نہ کیا ہو قطعًا وحی الٰہی کے اعتماد پر کوئی جرح نہیں کی جا سکتی انبیاء علیہم السلام بہر حال جنس بشر سے ہیں اور ان پر ایسے احوال وعوارض بشریہ کا طاری ہونا شریعت اور احکام دین کی حجیت وقطعیت پر کسی طرح بھی اثر انداز نہیں ہو سکتا اور یہ مسحور ہونا اس طرح کا نہ تھا جو کفار ومشرکین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بطور طعن کہا کرتے کہ مسحور ومجنون ہیں کہ وحی الٰہی کے جوش اور جذبۂ دعوت وتبلیغ میں انہماک جنون کے عنوان سے تعبیر کرتے بعض حضرات اہل علم کا اس قصہ میں یہ تاویل اختیار کرنا ظاہر احادیث کے مضمون کے صریح خلاف ہے۔

اور اگر بالفرض والتقدیر کسی سہو یا سحر کو نقصان تصور کیا جاتے تو یہ اس صورت میں ہے جب کہ اللہ کی وحی سے اس سہو یا سحر کو دور نہ کیا گیا ہو جب کہ ہر سہو پر اور اس جادو کے قصہ میں وہ اثرات قدرت خداوندی نے زائل کر دیتے تو پھر کیا اشکال ہو سکتا ہے قرآن کریم کی یہ آیت اس حقیقت اور حکمت الٰہیہ کو ظاہر کر رہی ہے سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اس لئے یہ حقیقت واضح ہو گئی

کہ اگر کسی وقت کوئی مرض یا کسی لمحہ کوئی سہو یا غشی پیغمبر پر طاری ہوگئی تو اس سے فرائض نبوت میں کوئی خلل نہیں واقع ہو سکتا۔

آیاتها ۵ ۱۱۳ سُورَةُ الْفَلَقِ مَدَنِيَّةٌ ۲۰ رکوعها ۱

سورۂ فلق مدنی ہے اور اس کی پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲ وَمِنْ

تو کہہ میں پناہ میں آیا صبح کے رب کی ہر چیز کی بدی سے جو اس نے بنائی اور بدی سے

شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝۳ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي

اندھیرے کی جب سمٹ آوے اور بدی سے عورتوں کی جو گرہوں میں

الْعُقَدِ ۝۴ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝۵

پھونکیں اور بدی سے برا چاہنے والے کی جب لگے ہونسے

آیاتها ۶ ۱۱۴ سُورَةُ النَّاسِ مَدَنِيَّةٌ ۲۱ رکوعها ۱

سورۂ ناس مدنی ہے اس کی چھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ اِلٰهِ

تو کہہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی لوگوں کے بادشاہ کی لوگوں کے

النَّاسِ ۝۳ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۵ الْخَنَّاسِ ۝۴ الَّذِي

پوجے کی بدی سے اس کی جو سنکارے اور چھپ جاوے وہ جو خیال

يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵ مِنَ الْجِنَّةِ

ڈالتا ہے لوگوں کے دلوں میں جنوں میں

وَالنَّاسِ ۝۶ ع

اور آدمیوں میں

معوّذتین کے بارہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا موقف

معوذتین یعنی سورۃ فلق اور سورۃ الناس قرآن کریم کی دو سورتیں ہیں اور اسپر تمام صحابہ اور ائمہ مفسرین کا اتفاق ہے اور عہد صحابہ سے لے کر آج تک تواتر کے ساتھ ان دونوں کا قرآن کی سورتیں ہونا ثابت ہے اور احادیث صحیحہ سے ان دونوں کا فرض نمازوں میں پڑھنے کا بھی ثبوت ہے نیز حضرت عثمان غنیؓ کے مصحف "الامام" میں بھی ان کا ہونا تمام روایات اور تاریخی نقول سے ثابت ہو چکا جس میں کسی بھی تردد کی گنجائش نہیں

عقبہ بن عامرؓ کی روایت میں ہے کہ میں ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی زمام پکڑے اسکو لے کر چل رہا تھا تو آنحضرتؐ نے اپنی انتہائی شفقت کے باعث مجھ کو کہا اے عقبہ کیا تو سوار نہیں ہوگا اس ڈر کی وجہ سے کہ آپکے فرمان کی تعمیل نہ کرنا کہیں معصیت نہ ہو جاتے میں سواری پر سوار ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے اُتر کر پیدل چلنے لگے تھوڑی دیر تعمیل حکم کی خاطر میں بیٹھ کر پھر نیچے اتر آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (میرے عرض کرنے پر) سوار ہوگئے پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا اے عقبہ کیا میں تجھ کو ایسی دو بہترین سورتیں نہ سکھا دوں جو قرآن کریم میں پڑھی جاتی ہوں میں نے عرض کیا بیشک یارسول اللہ پھر آپؐ نے مجھ کو یہ دونوں سورتیں پڑھائیں اسکے بعد نماز کی اقامت ہوئی تو آپ نے نماز پڑھائی اور نماز کی دونوں رکعتوں میں ان دونوں سورتوں کو تلاوت فرمایا اسکے بعد فرمایا (جب آپؐ میرے سامنے سے گذر رہے تھے) اے عقبہ کیسا پایا تونے ان دو سورتوں کو یعنی تونے دیکھ لیا کہ یہ دو سورتیں ایسی ہیں کہ نماز میں انکی تلاوت کی گئی (ایک روایت میں ہے کہ یہ نماز فجر تھی) اور آپنے فرمایا ان سورتوں کو پڑھا کرو جب بھی تم سویا کرو اور جب بھی نیند سے بیدار ہوا کرو۔

حضرت عثمان غنیؓ نے مصحفِ قرآنی کے جو نسخے تمام بلادِ اسلامیہ کو بھیجے تھے ان سب میں یہ موجود تھیں اور اقطارِ عالم میں صحابہؓ وتابعینؒ اور پوری امت انکی تلاوت کرتی رہی اور تواتر سے یہ امر ثابت ہے کہ اس بارہ میں کسی نے اختلاف نہیں کیا صرف عبداللہ بن مسعودؓ سے اختلاف نقل کیا گیا کہ انہوں نے اپنے مصحف (نسخۂ قرآن) میں معوذتین کو نہیں لکھا تھا (جس سے یہ بات سمجھی گئی کہ وہ ان کے

قرآن ہونے کے قائل نہیں ہیں) قطعی طور پر تو یہ متعین و معلوم نہیں ہو سکا کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی کیا مراد تھی اور کس وجہ سے انہوں نے اپنے مصحف میں انکو نہیں لکھا تھا یا ان کو کیا خیال یا شبہ پیش آیا کہ اس کے باعث یہ صورت واقع ہوئی۔

بعض حضرات مفسرین جیسے صاحب روح المعانیؒ کا اس وجہ سے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں معوذتین لکھی ہوئی نہیں تھیں یہ سمجھنا "کہ ابن مسعودؓ ان کے قرآن ہونے کے منکر تھے" صحیح نہیں ہے قاضی ابوبکر باقلانیؒ نے تصریح کی ہے۔

لم یتکر ابن مسعود کونهما من القرآن وانما انکر اثباتهما فی المصحف فانه کان یری ان لا یکتب فی المصحف شیئ الا ان کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذن فی کتابته وکانہ لم یبلغه الاذن۔

کہ ابن مسعودؓ انکے قرآن میں سے ہونے کے منکر نہیں تھے بلکہ مصحف قرآنی میں لکھنے کے منکر تھے اور ان کا خیال تھا کہ مصحف میں صرف ان ہی آیات کو لکھا جاتے جن کی کتابت کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہو باقلانی کہتے ہیں گویا ابن مسعودؓ کو آپؐ کی اجازت کا علم نہیں ہوا تھا۔

حافظؒ نے فتح الباریؒ میں بعض ائمہ سے یہ نقل کیا کہ ابن مسعودؓ کو انکے قرآن ہونے میں کوئی اختلاف نہیں تھا بلکہ انکی صفت میں اختلاف تھا یعنی یہ سمجھتے تھے کہ یہ تلاوت کے لیئے نازل نہیں ہوئیں بلکہ تعوذ اور دم کرنے کے لیئے نازل ہوتی ہیں تاکہ بلاؤں اور آفات سے محفوظ رہنے کیلئے پڑھا جاتے۔

لیکن روایات و نقول اور صحابہ کے تعامل سے یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ اپنی ایک رائے تھی جسکے ساتھ حضرات صحابہ میں سے کسی نے بھی اتفاق نہیں کیا بعض حضرات سلف کا خیال ہے کہ ابن مسعودؓ نے اپنے مصحف میں ان سورتوں کو لکھا تھا جن کو یاد کرنے اور حفظ کرنے یا محفوظ رکھنے کی ضرورت ہو اور چونکہ یہ سورتیں ایسی تھیں کہ انکے لیئے اس امر کی حاجت نہ تھی اور انکا حفظ ایسا قطعی تھا کہ اس میں کبھی بھی شبہ نہیں ہو سکتا تھا تو اس وجہ سے انکو اپنے مصحف میں نہیں لکھا جیسا کہ بعض روایات سے یہ معلوم ہوا کہ انکے مصحف میں سورۃ الحمد بھی لکھی ہوئی نہیں تھی حالانکہ سورۃ فاتحہ کا قرآن ہونا ایسا قطعی اور یقینی امر ہے کہ اس میں کسی کو بھی تردد نہیں ہو سکتا۔

زر بن حبیشؓ سے بھی اسی طرح نقل کیا گیا۔

ابن قتیبہؒ کا قول ہے کہ ابن مسعودؓ انکو نماز میں تلاوت کے لئے نہیں بلکہ صرف تعوذ یعنی سحر اور دیگر مہلکات سے حفاظت کے لئے بطور تعویذ سمجھتے تھے علامہ ابوبکر بن الانباریؒ نے اس بات پر تنقید کی اور فرمایا ابن قتیبہؒ کا یہ قول درست نہیں ان کا کلام اللہ ہونا اور قرآن کریم کی سورتیں ہونا تمام دنیا

کے نزدیک مسلم ہے اور قیامت تک اس میں کوئی شبہ نہیں کرسکتا اور انکی قرآنیت تواتر سے ثابت ہے اور بکثرت احادیث سے انکا نماز میں پڑھنا بھی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوچکا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ کی رائے یہ ہے کہ ابتداء میں کسی وجہ سے ابن مسعودؓ نے انکو اپنے مصحف میں نہیں لکھا تھا لیکن بعد میں اپنے قول سے رجوع کر کے جمہور صحابہؓ کا قول اختیار کیا ہو سکتا ہے انہوں نے اس بارہ میں کچھ نہ سنا ہو لیکن جب دیکھا کہ قرآن کریم کے وہ صحیفے جو تمام بلادِ اسلامیہ میں بھیجے گئے ان سب میں معوذتین مکتوب ہیں اور جملہ صحابہ انکو پڑھتے ہیں اور کسی نے بھی اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں کیا تو پھر اپنے قول سے رجوع کیا۔

علامہ آلوسیؒ صاحب تفسیر روح المعانی اور حافظ عینیؒ کا بھی یہی خیال ہے حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ان روایات کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے جن میں معوذتین کا نماز میں پڑھنا ثابت ہے حضرات اہل علم ان حوالوں کی مراجعت فرمائیں بالخصوص جب کہ یہ ثابت ہے کہ زید بن ثابتؓ جو کاتب وحی تھے اور عرضۂ اخیرہ[1] کے مطابق انہوں نے جو مصحف مرتب کیا تھا اس میں معوذتین موجود تھیں اور اس مصحف کو تمام صحابہ بالاتفاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآت و تلاوت کے مطابق تسلیم کرتے تھے اور اسی کے مطابق جامع القرآن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مصحف تھا۔



[1] یعنی آپؐ کی حیات مبارکہ کے آخری سال رمضان میں جب جبریل امینؑ نے دو مرتبہ آپ سے قرآن کریم کا دورہ کیا تھا تو اسی کے مطابق زید بن ثابتؓ کاتب وحی کا مرتب کردہ مصحف تھا۔ ۱۲

تعلیم تعوذ و حصولِ پناہ از مہالک حِسیّہ

قال اللّٰہ تعالیٰ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ...... اِلیٰ ... وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ

(ربط) اس سے قبل سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ احد) میں عقیدۂ توحید کا بیان تھا اور یہ کہ نجات کا دارومدار اسی پر ہے کہ خداوند عالم کو اسکی ذات وصفات کے لحاظ سے یکتا مانا جائے گا اور اس طرح کہ نہ اسکا کوئی نمونہ ہے اور نہ اسکی کوئی ہمسری کرنے والا ہے تو اسی عقیدہ کا نام ایمان ہے اور اسی پر بندہ کی نجات وکامیابی موقوف ہے اب اس سورت مبارکہ میں مؤمن کے عقیدہ اور انسان کی سعادت میں جو چیزیں خلل انداز ہیں اور اسکو ہلاکت وتباہی میں ڈالنے والی ہیں انکو بیان کیا جا رہا ہے بہت سی گمراہیاں اور ہلاکتیں بہیمیت کے آثار اور اسکی ظلمت سے پیدا ہوتی ہیں تو ضرورت ہے کہ نور عقل اور نور ہدایت سے ان ظلمتوں کو دور کیا جائے بہت سی مخلوقات جو اپنی ذات اور اپنی خلقت سے موذی ہیں تو انکی ایذاؤں سے بچنے کی ضرورت ہے بہت سی مفسدانہ سازشیں اور تدابیر ہوتی ہیں تو ان سے بھی حفاظت کی ضرورت ہے اور بہت سی کمینہ خصلتیں اور انسان کے اندر بُری عادات ہوتی ہیں تو ان سے بھی پناہ ضروری ہے تو ان جملہ مہلکات اور شرور ومفاسد سے بچنے کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

کہدو! اے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم ہماری طرف سے لوگوں کو سناتے ہوئے تاکہ وہ یہ جان لیں کہ دین کے بنیادی عقائد ان پر استقامت کا حکم اور ایمان وسعادت کے تحفظ کے لیئے یہ جو کچھ کہا جا رہا ہے یہ اللہ کا فرمان ہے اور اسکی قطعیت میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا اور وہ یہ ہے کہ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کی روشنی کے رب کی جو روشنی رات کی تاریکی کو پھاڑ کر نمودار ہوتی اور سارے عالم میں پھیلتی ہے اور اسکو روشن کر دیتی ہے تو اس رب کی جس نے ایسی روشنی پیدا کی جو سارا عالم روشن کر دے میں پناہ چاہتا ہوں اسی رب کی ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی اور ظاہر ہے ہر مخلوق کا خالق ہی اس مخلوق کے شر اور اس کے شر کی ظلمت سے بچا سکتا ہے جو نور صبح کا خالق ہے اور اندھیری (یعنی ظلمت و تاریکی)

ے تاریکی کی چند قسمیں ہیں اوّل عدم کی تاریکی، اس تاریکی کو ہستی کے صبح نے دور کیا دوسری جہل اور بہیمیت کی تاریکی اور شہوات ولذات نفس کی ظلمت جس کو نور فطرت اور روحانیّت کی روشنی دور کرتی ہے تیسری تاریکی یہی حسی تاریکی جو رات کی سیاہی ہے جس میں خباثت وشیاطین عیاش وقزاق اور موذی جانور نکل کر اپنی نفسانیت وخباثت اور بہیمیت کی ظلمت پھیلاتے ہیں جسکو وحی الٰہی اور ہدایات ربانیہ دور کرتی ہیں چوتھی تاریکی خصائلِ ذمیمہ کی تاریکی ہے جسکو تعلیمات نبویہ اور محاسن اخلاق دور کرتے ہیں تو مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ سے لے کر وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ تک ان چاروں تاریکیوں کا ذکر ہے ۱۲۔

کے شر سے جبکہ وہ پھیل جاتے جب کہ اندھیری رات میں بالعموم عیاش و بدکار مفسدین درندے اور موذی جانور اپنے شر سے مخلوق خدا کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور پناہ مانگتا ہوں میں گرہوں میں پھونکنے والی عورتوں کے شر سے جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں بالعموم عورتیں شیاطین وجنات کے اسماء پڑھ پڑھ کر گرہیں لگاتی تھیں اور وہ جادو گرنیاں اپنے جادو سے یا ایسی عورتیں جو اپنے حسن وجمال اور آرائش وزیبائش کے فتنوں میں مردوں کو پھنسا کر ہلاک وتباہ کرنے والی اور انکے مستحکم ارادوں اور عزائم کی مضبوط گرہوں کو اپنی اداؤں سے کھول کر پارہ پارہ کر دینے والی ہیں انکے شر سے بھی پناہ مانگتا ہوں اور اس میں شبہ نہیں کہ ایسی جادو گرنیاں حقیقی جادوگرنیوں سے زیادہ خطرناک ہوتی ہیں یا وہ نفوس خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں جو ساحرانہ عمل کے لئے رسی یا تانت اور بالوں وغیرہ پر پڑھ کر پھونکتے ہیں اور گرہیں لگاتے ہیں جیسے کہ لبید بن الاعصم اور اس کی بیٹیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں پر اسی طرح ساحرانہ عمل کیا ہے اور حاسد کے شر سے جب کہ وہ حسد کرے اور ایسا کینہ پرور انسان اپنی قلبی کیفیات کو ضبط نہ کر سکنے کے باعث کید و مکر سے ضرر پہنچانے کی بڑی سے بڑی تدبیر اور کمینہ پن اختیار کرے اور اس طرح مخلوق کو ایذاء اور شر میں مبتلا کرے تو رب فلق چونکہ رات کی ظلمت کو شق کرکے عالم میں نور پھیلانے والا ہے لہٰذا اسی کی پناہ انسان کو ہر ظلمت سے مخلوقات کے شر بہیمیت کی تاریکیوں بدکاروں فساق و فجار اور موذی جانوروں کی اذیت اور ہر کمینہ وحاسد کی ناپاک خصلتوں اور مجرمانہ تدبیروں سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔

فائدہ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ کے معنی بیان کرتے ہوئے امام رازیؒ بیان کرتے ہیں لفظ غاسق لغت کے لحاظ سے رات کے اس حصہ پر اطلاق کیا جاتا ہے جب کہ رات کی ظلمت

عـلـہ سحر ایک حقیقت ہے اور ائمہ متکلمین اشاعرہ وماتریدیہ اسکو تسلیم کرتے ہیں معتزلہ اور فلاسفہ اسکے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ اسکی کوئی حقیقت نہیں وہ محض خیال اور نظر بندی ہے معتزلہ کے اس قول کی تردید صریح آیات قرآنیہ اور روایات نیز دنیا میں پیش آنے والے بے شمار واقعات سے ہو رہی ہے۔
قرآن کریم میں ہاروت، ماروت کا قصہ بتا رہا ہے کہ یہ فرشتے سحر کی تعلیم دیتے تھے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کا اثر ہونا صحیحین کی روایتوں سے ثابت ہے تفصیل کے لئے سورۃ بقرہ میں آیت وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ اَحَدٍ کی تفسیر کی مراجعت فرمائی جائے -۱۲-

عـلـہ ان کلمات سے لفظ نَفّٰثٰتِ کی تانیث کی حکمت ظاہر کرنا مقصود ہے۔

عـلـہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ نظر بد لگ جانے کو (جو ایک امر واقع ہے) اسی میں داخل فرماتے ہیں حسد کی حقیقت کسی کی نعمت اور خوبی کے زوال کی تمنا کرنا ہے لیکن حدیث لاحسد الا فی اثنتین میں حسد غبطہ آرزو اور حرص کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اس لئے یہ حسد کرنے والا العیاذ باللہ حاسد نہ ہوگا اور نہ ہی اس کے حسد کا کوئی شر ہوگا کہ اس سے پناہ مانگی جائے (۱۲)

شدید ہو جاتے جیسے قرآن کریم کی آیت اِلیٰ غَسَقِ الَّیْلِ سے یہی مفہوم ہوتا ہے اور وقب کے معنی پھیلنے کے ہیں اور بعض اہل لغت سمٹنے کے بھی بیان کرتے ہیں ابن قتیبہ بیان کرتے ہیں کہ غاسق چاند کو کہتے ہیں جو گہن میں آجانے کی وجہ سے تاریک ہو جاتا ہے تو اس کا وقوب اس ظلمت و تاریکی میں داخل ہو جانا ہے چاند چونکہ اپنے اصل جرم اور کُرہ کے اعتبار سے تاریک ہی ہے اس میں نور سورج کی محاذات سے ہوتا ہے اس بناء پر غاسق تاریک اور چاند دونوں کے معنی کیلئے جامع ہو سکتا ہے۔

تعلیم وتلقین از مہالک باطنیہ وآفات نفسانیہ

قال اللّٰہ تعالیٰ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ...... اِلیٰ .... مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ

(ربط) گذشتہ سورت یعنی الفلق میں اللہ رب العزت کی پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا تھا ایسے تمام مہالک اور آفات سے جو حسی اور ظاہری ہیں کہ ہر مخلوق کے شر۔ ہر تاریکی کے فتنہ سے ہر جادو کی مصیبت سے اور ہر حسد اور کید و مکر سے تو یہ تمام آفات ظاہری اور حسی تھیں اب اس سورۃ الناس میں اُن آفات اور ہلاکتوں کو ذکر کیا جا رہا ہے جو باطنی ہیں اور وہ نفس سے اور نفس کے دواعی و تقاضوں سے پیدا ہوتی ہیں اور قلب پر وارد ہو کر انسان کے دین اور عقیدہ کو ہلاک و برباد کر دینے والی ہیں تو اس سورت میں ان سے پناہ حاصل کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

ارشاد فرمایا کہہ دیجئے اے ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم میں پناہ حاصل کرتا ہوں انسانوں کے رب انسانوں کے بادشاہ انسانوں کے معبود کی ہر وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو پیچھے ہٹ جانے والا ہو وہ جو وسوسہ ڈالتا ہو لوگوں کے دلوں میں جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے ہر ایک کے وسوسے سے میں پناہ چاہتا ہوں قلبی وساوس کے ذریعہ

گمراہ کرنے والے جنوں میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی جیسے کہ ارشاد ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا اس لیے دونوں کے وسوسوں سے خدا کی پناہ طلب کرنے کی تلقین فرمائی گئی اور چونکہ وساوس قلبیہ ڈالنے والے شیاطین نظروں کے سامنے نہیں ہوتے تو گویا وہ وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جانے والے ہیں "خنوس" لغت میں پیچھے ہٹ جانے کو کہا جاتا ہے جیسے کوئی قزاق اور قاتل داؤ اور گھات میں لگا ہو اور موقعہ پاتے ہی حملہ کر کے پیچھے چھپ جاتے تو وسوسہ ڈالنے والا شیطان بھی اسی طرح وسوسہ ڈال کر فوراً چھپ جاتا ہے۔

مه بعض ائمہ مفسرین اس خنوس اور پیچھے ہٹ جانے کو اس مضمون پر محمول کرتے ہیں جو اس آیت میں

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

ابلیس یا اسکی ذرّیت میں سے نوعِ جن قلوب بنی آدم تک رسائی حاصل کرنے کی وجہ سے طرح طرح کے وسوسے اور ناپاک خیالات قلب میں ڈال دیتے ہیں اور جو انسان ابلیس کے تابع ہوجائیں وہ ابلیس ہی کا کام انجام دینے کے لئے اس مہم میں لگے رہتے ہیں کہ مسلمانوں کے دلوں میں مختلف قسم کے شکوک واوہام پیدا کرتے رہیں اور انکی تمام تر کوشش یہی ہوتی ہے کہ دین اسلام، احکام اسلام اور اصول وعقائد میں ایسے ایسے شکوک پیدا کریں کہ مسلمان عقیدۂ توحید ایمان بالآخرة اور اصل ایمان ہی سے محروم ہوجاتے ایسے ہی شیاطین انس کے بارہ میں مولانا رومؒ فرما گئے۔

اے بسا ابلیس شکل آدم است
پس بہر دستے نباید داد دست

ان شیاطین انس کا وجود اور ظہور ہر زمانہ میں ہوتا ہے خصوصاً زمانۂ اخیر میں ایسے مفسدین اور فتنہ پردازوں کی کثرت احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے ان میں ایسے خطرناک فتنہ پرداز ہوں گے جن کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ اگر میں ان کا زمانہ پالوں تو ان کو اس طرح ہلاک کردوں گا جیسے عاد وثمود کی قومیں ہلاک کی گئیں جب دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ انکی کوئی علامت اور نشانی ہمیں بتا دیجئے آپؐ نے فرمایا وہ لوگ ہم ہی جیسے ہوں گے صورت وشکل میں ہماری جیسی ہی باتیں کرتے ہوں گے ہماری جیسی زبان سے بولتے ہوں گے خیر البریہ کے اقوال کہتے ہوں گے قرآن اپنی زبان سے پڑھتے ہوں گے لیکن دین سے اس طرح قطعاً بے تعلق ہوں گے جس طرح کوئی تیر نشانہ اور شکار سے خطا کر جلتے اور بچ کر نکل جاتے تو اس تیر پر اسکی نوک پر، کنارہ پر، پھلکے پر، گرہ پر، کہیں بھی شکار کا کوئی اثر اور نشان نہیں ہوتا تو ایسا ہی ان فتنہ پردازوں اور گمراہ کرنے والوں ـــــ کی زندگی ہیں یعنی ان کی معاشرت طور وطریق طرز زندگی میں کسی بھی رخ پر اسلام کا اثر نہیں آتے گا تو یہ ان ملحدین کا گروہ ہے جو دین اور اسلام کا نام لے کر اسلام کو مسخ کرنے والے ہیں۔

تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انکے وسوسے شیاطین کے وسوسوں سے زیادہ خطرناک اور مہلک ہیں۔



باقی حاشیہ صفحہ ۵۸۵ بیان فرمایا گیا وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ اور حدیث میں ہے ان الشیطان جاثم علیٰ قلب ابن آدم کلما ذکر اللہ خنس تو شیطان کا انسان کے قلب سے ہٹ جانا استعاذہ اور ذکر اللہ سے اس کا خنوس ہے ۔۱۲

معوذتین کی تفسیر میں حکماء وعارفین کی تحقیق و تشریح

معوذتین کے مضمون کا حاصل یہ ہے کہ انسان اگر مہالک حسیہ اور مہالک باطنیہ سے پناہ حاصل کر سکتا ہے تو صرف اسی رب کی پناہ جو خالق کائنات ہے اسی کا حکم تمام کائنات اور حتیٰ کہ انسانوں کے قلوب پر بھی جاری ہے پہلی سورت میں جو آفات اور مہلکات حسی اور ظاہری ہیں ان سے پناہ مانگنے کے لیئے یہ عنوان قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ یعنی پناہ چاہتا ہوں میں رب الفلق کی ہر مخلوق کے شر سے اختیار فرمایا گیا۔

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا کہ مخلوقات کے شر اور ان کے جملہ اقسام وانواع مادیت اور بہیمیت کی ظلمت وتاریکی ہیں اس وجہ سے مناسب ہے پناہ مانگنے میں رب کی صفت میں فلق کا لفظ ذکر کیا جاتے حق تعالےٰ شانہٗ کی یہ صفت ذکر کرنے کے بعد جن چیزوں سے پناہ مانگی گئی وہ چار چیزیں ہیں شَرِّ مَا خَلَقَ ہر مخلوق کے شر سے شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ رات کی تاریکی کا شر جس میں جملہ شرور وآفات رونما ہوا کرتے ہیں شَرِّ النَّفّٰثٰتِ جادوگروں کا شر شَرِّ حَاسِدٍ حاسدوں اور کمینہ خصلت انسانوں کا شر تو ان چار آفتوں سے پناہ حاصل کرنے کے لیئے رب کی ایک صفت رب فلق کے ساتھ اس تعوذ کو ذکر فرمایا گیا لیکن دوسری سورت میں ایک ہی وسوسہ سے تحفظ اور تعوذ کے لئے رب کی تین صفات بیان کی گئیں ربِّ النّاس میں ربوبیت مَلِكِ النَّاسِ میں بادشاہت اِلٰهِ النَّاسِ میں معبودیت تو ان صفتوں سے موصوف رب کی پناہ شر وسواس الخناس سے ذکر کی گئی۔

دونوں سورتوں کے عنوان سے ظاہر ہوا کہ شیاطین جن اور انس کے وسوسے زیادہ خطرناک اور مہلک ہیں اسی وجہ سے ایک شر سے تحفظ اور بچاؤ کے لیئے خداوند عالم کی تین صفتوں کے ذریعہ پناہ مانگی گئی جب کہ پہلی سورت میں جملہ مہلکات حسیہ سے پناہ کے لیئے رب کی ایک ہی صفت کے بیان پر اکتفاء فرمایا گیا۔

امام رازیؒ کی تحقیق منیف

امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر مفاتیح الغیب یعنی تفسیر کبیر میں بعض عارفین سے ان سورتوں کی تشریح میں عجیب حقائق اور بلند دقائق ذکر فرماتے سَمِعْتُ بعض العارفین کے عنوان سے جو تحقیق ذکر فرمائی اسکے اکثر مقدمات ابن سینا کے مقدمات سے کچھ ملتے جلتے ہیں فرمایا

بعض عرفاء فرماتے ہیں کہ جب کہ خدا تعالیٰ کی معبودیت کے متعلق جو امور تھے سورۃ اخلاص میں انکی

تمام و کمال شرح کردی گئی تو مناسب معلوم ہوا کہ اب خالق سے اُتر کر ان دونوں سورتوں میں مخلوقات کے مراتب کی تفصیل کی جاوے اس لئے شروع سورت میں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ کہہ کر اشارہ کر دیا گیا کہ اس سورت میں مخلوق کے مدارج کا ذکر ہوگا کیونکہ فلق لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جس کو شق کرکے کوئی دوسری چیز اس میں سے برآمد ہو اور جیسا کہ رات کی تاریکی میں سے صبح کا نکلنا یا تخم میں سے درخت یا زمین اور پتھروں میں سے چشمہ صُلب پدر میں سے نطفہ یا رحم مادر میں سے بچہ برآمد ہوتا ہے اسی طرح تمام مخلوقات ظلماتِ عدم کی غیر متناہی پردوں کو پھاڑتے ہوتے وجود کے منور سطح پر برآمد ہوتے ہیں تو اس اعتبار سے ربّ الفلق کے معنی ربِّ جمیع الممکنات ہوتے۔

اب عالم ممکنات دو حصوں پر تقسیم ہوتا ہے ایک ارواح مجردہ کا عالم جس کو عالم الامر کہتے ہیں اور دوسرا مادیات کا عالم جسکو عالم الخلق سے تعبیر کر سکتے ہیں ان میں سے پہلی قسم چونکہ خیر محض ہے جس میں شر کا کوئی شائبہ نہیں اور دوسری قسم میں مادہ کے اقتران نے شرور کی بھی آمیزش پیدا کردی ہے اس لیے جناب باری عز اسمہٗ نے مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ کہہ کر عالم مادیات سے تعوذ کی تعلیم فرمائی لیکن یہ ظاہر ہے کہ کل اجسام دو قسم کی ہیں اجسام اثیریہ (علویہ) اور اجسام عنصریہ (سفلیہ) جس میں سے اجسام اثیریہ تو بطبعہا اختلال و فطور سے بری ہونے کی وجہ سے خیر ہی خیر ہیں جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ اور اجسام عنصریہ کی تین قسمیں (جن کو موالید ثلاثہ کہتے ہیں) نکلتی ہیں جمادات، نباتات، حیوانات ان ہی تینوں اقسام کا احاطہ کرنے اور ماخلق کی مصداق میں سے بطریق تخصیص بعد التعمیم اجسام اثیریہ کو نکالنے کے واسطے یہ تین کلمات ارشاد ہوتے۔

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۔ کیونکہ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ سے مراد اس جگہ شب دیجور ہے جس میں تہ بر تہہ تاریکی چڑھی ہوتی ہے اور ظاہر ہے جمادات شب دیجور کے ساتھ اس وجہ سے بہت پوری مشابہت رکھتے ہیں کہ وہ جمیع قُویٰ نفسانیہ اور انوار کمالات سے بالکل خالی ہونے کی وجہ سے ظلمت خالص اپنے اندر لیئے ہوتے ہیں برخلاف نباتات کے کہ ان میں کم از کم قوت غاذیہ نباتیہ تو موجود ہوتی ہے جو ان کو طول، عرض عمق تین جانبوں میں بڑھاتی رہتی ہے جس کو اگر نفث فی العقد الثلاثہ سے تعبیر کیا جاتے تو بالکل چسپاں ہے۔

باقی تیسری قسم حیوانات انکی حالت یہ ہے کہ تمام قویٰ حیوانیہ (حواس ظاہرہ، حواس باطنہ اور شہوت و غضب وغیرہ) روح انسانی کو انصباب الیٰ عالم الغیب اور امور آخرت میں اشتغال رکھنے سے روکنے میں مصروف رہتے ہیں اور جہاں تک موقع پاتے ہیں روح مقدس کو اوج سے حضیض کی طرف اور بلندی سے پستی کی طرف دھکیلنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے انکی مثال بالکل ایسے دشمن اور

اور حاسد کی ہے کہ جو ہر وقت گھات میں لگا بیٹھا رہے اور جب موقع پائے آدبوچے تو قرآنِ حکیم نے تمام مخلوقات کے شرور سے استعاذہ کرنے کی تعلیم ایک ذراسی سورت میں جمع کر دی اور اس طور پر ساری سورت کا مطلب یہ نکلا کر اے ساری مخلوق کے پروردگار ہم تمام جسمانیات یعنی جمادات اور نباتات اور حیوانات کے شرور سے تیری بارگاہِ احدیت میں پناہ جوئی کرتے ہیں

مگر چونکہ اس سورت میں نفس انسانی مستعیذ تھا اور یہ جملہ مراتب مستعاذ منہ کے اندر بتلائے گئے ہیں تو ضرورت تھی کہ کسی دوسری جگہ خود نفس انسانی کے مراتب کی بھی تشریح کی جاتی اس لئے اس سے اگلی سورت میں اس ضرورت کو پورا کیا گیا کیونکہ نفس انسانی کی سب سے پہلی حالت یہ ہے کہ وہ اگرچہ باعتبار اپنی اصل فطرت کے نقوشِ معرفت کے قبول کرنے کے لئے ہمیشہ سے مستعد ہے لیکن ابتداء پیدائش میں نظریات تو درکنار وہ علوم بدیہیہ کے حصول سے بھی مُعریٰ ہوتا ہے اور اس حالت میں ان سب کو ایک ایسے رب (مُربّی) کی ضرورت ہے جو اسکو اولاً معارف بدیہیہ کی تلقین کرے۔

بعدہٗ جب وہ دوسری مرتبہ پہنچے اور بدیہیات کے حصول سے اسکے اندر ملکہ نظریات کی طرف منتقل ہونے کا پیدا ہو جاوے تو اب اسکو ایک ایسے ملک متصرّف کی حاجت ہے جو اسکو اس ملکہ سے کام لینا اور اپنی معلومات میں تصرف کرنے کے قواعد سکھائے اور جب وہ ترقی کی دوڑ میں اس سے بھی آگے قدم بڑھانا چاہے تو لازم ہے کہ اس کے علوم کو قوت سے فعل میں لانے اور اسکو کمال تام عطا کرنے کے واسطے کوئی ایسی ہی کامل ذات اسکی سرپرستی کرے جس میں تمام کمالات بالفعل ہوں اور قوت وعدم کا نام ونشان تک نہ ہو۔

چنانچہ ان ہی تینوں مراتب نفس انسانی کی ترتیب کے مطابق خدا تعالیٰ نے اپنی تین صفات ربّ النّاس (لوگوں کے پروردگار) ملک النّاس (لوگوں کے بادشاہ) الٰہ النّاس (لوگوں کے معبود) کو پے درپے ذکر فرمایا اور نفوس انسانیہ کے ہر ایک مرتبہ کے مناسب اپنے اسماء میں سے ایک اسم کو منتخب کرلیا لیکن یہ بھی چونکہ معلوم تھا کہ نفسِ انسانی سے مزاحمت سب سے زیادہ کرنے والی قوت وہمیہ ہوتی ہے جسکو وسواس سے تعبیر کیا گیا ہے تو اس بناء پر نفس انسانی کو خصوصیت سے اسکے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی اور اس وجہ سے کہ قوت وہمیہ بسا اوقات عقل کا ساتھ چھوڑ کر پیچھے کھسک جاتی ہے تو اسکو خناس کا لقب دیا گیا الغرض حق تعالیٰ نے ان کلمات اور تعبیرات سے انسان کو خوب متنبہ کر دیا کہ سب سے بڑا دشمن یہی وسواس خناس ہے اور اس سے محفوظ رہنے کی تدبیر یہی تعوذ ہے۔

رہی یہ بات کہ سورۂ فلق میں مستعاذ بہ (یعنی جس کی پناہ حاصل کی جائے) ایک ہے اور مستعاذ منہ (یعنی جن سے پناہ مانگی جارہی ہے) چار ہیں تو ان چاروں کے درمیان تعلق کیا ہے اور شَیّ مَا خَلَقَ کا عنوان جب کہ مابعد کے تمام اقسام کو جامع ہے تو پھر بعد میں ان تینوں کو کس لئے بیان کیا گیا اور سورۂ ناس میں مستعاذ منہ صرف ایک ہی چیز ہے لیکن مستعاذ بہ تین اوصاف کے ساتھ مذکور رہے ہے

رَبّ مَلِكِ، اِلٰہ اور یہ تینوں ناس یعنی انسانوں کی طرف مضاف ہیں تو ان امور کی حکمت ذکر کرتے ہوئے امام رازیؒ اپنی تفسیر کے اخیر میں فرماتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ اس سورۃ (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) میں ایک خاص نکتہ ہے وہ یہ کہ اس سے پہلی (سورۂ فلق) میں تو صرف ایک صفت (رب الفلق) سے بیان کیا گیا ہے اور مستعاذ منہ کی جانب میں تین قسم کی آفتیں (غاسق، نفاثات، حاسد) مذکور ہیں اور اس کے برعکس اس سورۃ (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) میں مستعاذ بہ کی طرف تین صفتیں (رب الناس، ملک الناس، الٰہ الناس) بیان ہوتیں اور اور مستعاذ منہ فقط ایک ہی آفت (وسواس) کو قرار دیا گیا تو دونوں سورتوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ثنا ہر مقام میں بقدر مطلوب کی عظمت اور اہمیت کے کی گئی ہے اور معلوم ہے کہ پہلی سورۃ میں مستعیذ کا مقصود اپنے نفس اور بدن کو بچانا ہے اور دوسرے میں دین کو بچانا ہے اسلئے خدا تعالیٰ نے اپنے طرز کلام سے متنبہ کر دیا کہ دین کی تھوڑی سی بھی مضرۃ دنیا کی بڑی سے بڑی مضرتوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ قابلِ احتراز اور قابلِ خیال ہے اور شَرِّ مَا خَلَقَ میں اگرچہ دنیا کی ہر چیز سے استعاذہ ہو گیا تھا لیکن بعد میں غاسق، نفاثات اور حاسد کو ذکر کر کے یہ ظاہر فرما دیا گیا کہ انواع شرور میں یہ تینوں قسمیں سب سے زیادہ مہلک اور شر ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہٗ ان تین اوصاف کے ذکر کرنے کی وجہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ان تین صفتوں کو ذکر فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ شیطان کے دخل پانے کی آدمی میں تین راہیں ہیں شہوت، غضب اور عقیدۂ باطل کہ جس کو اصطلاح میں "ہوا" بھی کہتے ہیں ان میں سے شرِ شہوت کو دفع کرنے کے لئے اسم رب ہے اور شرِ غضب کے رد کرنے کے لئے اسم ملک ہے اور شر ہوا کے مقابلہ میں اسم اِلٰہ کو رکھا گیا ہے گویا یوں فرمایا گیا کہ اگر شیطان شہوت کی راہ سے تمہارے دل میں وسوسہ ڈالے تو اس باری تعالیٰ کی ربوبیّت کو پیشِ نظر رکھو اور اگر وہ غضب کی راہ سے تمہارے سامنے آئے تو تم خدا کی شہنشاہی اور عدل و انتقام کو یاد کرو اور اگر ہوا کی راہ سے اپنا تصرّف جمانا چاہے تو تم کو چاہیئے کہ مرتبۂ الوہیت کی طرف اپنی التجا لے جاؤ اسکے بعد آگے چل کر شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

اور بعض مفسرین نے ان تینوں صفتوں (رب الناس، ملک الناس، الٰہ الناس) کی تفسیر اور انکو اس ترتیب کے ساتھ بیان کرنے کے بارہ میں یہ کہا ہے کہ آدمی پر اسکی زندگی کے تین دور آتے ہیں عہد طفولیت میں وہ اپنے پرورش کرنے والے کے سوا کسی کو نہیں پہچانتا اور بھوک اور پیاس کے وقت ایک اسی سے التجا کرتا ہے اور جب کسی چیز سے خوف زدہ ہوتا ہے تو اسی کی طرف بھاگتا ہے اور اسی واسطے ان حالات میں بچہ فقط ماں باپ ہی کو بلاتا ہے اور انہی سے فریاد کرتا ہے بعدہٗ جوانی کی عمر میں پہنچ کر جب یہ دیکھتا ہے کہ میرے ماں باپ بھی میری طرح سے بادشاہِ وقت یا امیر کے محتاج ہیں اور اسی سے روزی حاصل کرتے ہیں اور بلاؤں اور مصائب کے دفع کرنے

میں اسی کی پناہ ڈھونڈتے ہیں تو ناچار اسکے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے بادشاہ اور امیر ہی ہے اور اسی کا تقرب کارخانۂ وجود کے انتظام کا باعث ہے گویا اس حالت میں اس کا تمامی اعتماد اور بھروسہ فقط بادشاہ اور امیر پر ہوا لیکن جب وہ اس حالت سے بھی ترقی کر کے یہ مشاہدہ کرتا ہے کہ بادشاہ اور امیر بھی بعض اوقات میں درماندہ اور عاجز ہو کر اپنی التجائیں عالم الغیب کی طرف لے جاتے ہیں اور اسی طرف سے مطالب کے حاصل کرنے اور مرادوں کے برآنے میں مدد مانگتے ہیں تو وہ جان لیتا ہے کہ یہ بادشاہ اور امیر بھی عاجز اور محتاج ہونے میں مجھ سے کچھ کم نہیں اور یہ کہ عالم کا سارا کارخانہ کسی دوسری ہستی کے ساتھ وابستہ ہے جس کو الٰہ اور معبود کہتے ہیں پس ان تین صفتوں کے لانے میں اس طرف اشارہ ہوا کہ اگر بندہ طفل مزاج ہے اور سوائے تربیت اور پرورش کے کسی دوسری چیز کو نہیں جانتا تو اسکو معلوم کرنا چاہیئے کہ یہ صفت میں بھی رکھتا ہوں چاہیئے کہ وہ مجھ سے ہی التجا کرے کیونکہ میں رب الناس ہوں اور میری ربوبیت تمام آدمیوں پر حاوی ہے اور اگر بندہ کی عقل حدّ بلوغ کو پہنچ گئی اور اپنے بادشاہ اور امیر کو تمام امور کا مالک سمجھ گیا تو یہ صفت بھی بوجہ احسن میرے اندر موجود ہے کیونکہ میں تمام دنیا کا بادشاہ ہوں نہ خاص ایک اقلیم یا دو اقلیم کا اور اگر بندہ کو تجربہ سے ثابت ہو گیا کہ بادشاہ و امیر اور مادر و پدر سب کے سب کسی دوسری ذات کے محتاج ہیں جس کو الٰہ اور معبود کہتے ہیں اور جس کا نام پاک صبح و شام وردِ زبان رہتا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ صفت تو (سرسری نظر میں بھی) کسی دوسرے میں میرے سوا موجود نہیں ہے غرضیکہ بندہ کو ہر حالت میں تمام وسائط و اسباب کو نظر انداز کر کے تنہا میری جناب ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔



قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا کلام معرفت التیام

معوذتین کی تفسیر میں علماء و حکماء نے حقائق و معارف بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ بالخصوص حافظ ابن قیم امام رازی محقق ابن سینا اور حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ اسرارہم نے جو حقائق و لطائف ذکر فرماتے ہیں ان میں سے بطور نمونہ چند اشارات یا اقتباسات ان دونوں سورتوں کی تفصیل میں ذکر کر دیتے گئے ہیں لیکن میرے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو قاسم العلوم والخیراتؒ کی تحقیق ذکر فرمائی ہے وہ اپنی جگہ ایک عظیم شان رکھتی ہے۔

حضرت الاستاذؒ نے جس تعبیر اور سیاق و سباق سے اس تحقیق کو اپنے فوائد میں بیان فرمایا ہے یہ ناچیز اس تفسیر کے خاتمہ پر اسکو نقل کرتا ہے تاکہ اس تفسیر کے لئے حسن خاتمہ اور مؤلف کے لئے باعث سعادت ہو بطور تمثیل ہر دو سورت کے حقائق و معارف اس طرح بیان فرماتے ہیں:*

یہ ایک فطری اور عام دستور ہے کہ باغ میں جب کوئی نیا پودہ زمین کو شق کرتے ہوتے باہر نکلتا ہے تو باغبان اس کے تحفظ میں پوری کوشش اور ہمت صرف کر دیتا ہے اور جب تک وہ جملہ آفات ارضی و سماوی سے محفوظ ہو کر اپنے حد کمال کو نہیں پہنچ جاتا اس وقت تک بہت زیادہ تردد اور عرق ریزی کرنا پڑتی ہے۔

اب غور کرنا چاہیئے کہ پودے کی زندگی کو فنا کر دینے والی یا اسکے ثمرات کے تمتع سے مالک کو محروم بنا دینے والی وہ کون کون سی آفات ہیں جن کے شر اور مضرت سے بچا لینے میں باغبان کو اپنی مساعی کے کامیاب بنانے کی ہر وقت دھن لگی رہتی ہے ادنیٰ تامل سے معلوم ہو جاتے گا کہ ایسی آفات اکثر چار طرح ظہور پذیر ہوتی ہیں جنکے انسداد کے لئے باغبان کو چار امور کی اشد ضرورت ہوتی ہے اوّل ایسے سبزہ خور جانوروں کے دندان و دہن کو اس پودے تک پہنچنے سے روکا جاتے جن کی جبلت اور خلقت میں سبزہ اور گیاہ کا کھانا داخل ہے دوسرے کنوئیں یا نہر یا بارش کا پانی ہوا اور حرارت آفتاب غرضیکہ تمام اسباب زندگی و ترقی کے پہنچنے کا پورا انتظام تیسرے اوپر سے برف

* ناچیز حضرت استاذ کا یہ کلام بعینہٖ انکی ہی عبارت میں نقل کر رہا ہے تاکہ حضرات قارئین اصل مضمون کے علاوہ نفس تعبیر میں جو حقائق و معارف ہیں ان سے بھی مستفیض ہوں۔ ۱۲۔

ادلہ وغیرہ" جو اسکی حرارت غریزیہ کے احتقان اور رک جانے کا باعث ہو،، اس پر گرنے نہ پاتے کیونکہ یہ چیزیں اسکی نشوونما اور ترقی کو روکنے والی ہیں چوتھے مالک باغ کا دشمن یا اور کوئی حاسد اس پودے کی شاخ و برگ وغیرہ کو نہ کاٹ ڈالے یا اسکو جڑ سے اکھاڑ کر نہ پھینک دے اگر ان چار باتوں کا خاطر خواہ بند وبست باغبان نے کرلیا تو خدا سے امید رکھنا چاہیئے کہ وہ پودا بڑا ہوگا پھولے پھلے گا اور مخلوق اسکی پُرمیوہ شاخوں سے استفادہ کرے گی ٹھیک اسی طرح ہم کو خالق ارض و سماء سے (جو رب الفلق اور فالق الحب والنوٰی اور چمنستان عالم کا حقیقی مالک ہے) اپنے شجرِ وجود اور شجرِ ایمان کے متعلق ان ہی چار قسم کی آفات سے پناہ مانگنی چاہیئے جو اوپر مذکور ہوئیں پس معلوم کرنا چاہیئے کہ جس طرح اوّل قسم میں سبزہ خود جانوروں کی ضرر رسانی محض انکی طبیعت کے مقتضیات میں سے تھی اسیطرح "شر"، کی اضافت "ما خلق"، کی طرف بھی اسی جانب مشیر ہے کہ یہ شر اس مخلوق میں من حیث ہو مخلوق کے واسطہ سے ثابت ہے اور اسکے صدور میں بجز انکی طبیعت اور پیدائشی دواعی کے اور کسی سبب کو دخل نہیں جیسا کہ سانپ بچھو اور تمام سباع و بہائم وغیرہ میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

نیش عقرب نہ از پئے کین است
مقتضائے طبیعتش این است

اس کے بعد دوسرے درجہ میں "وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ"، سے تعوذ کی تعلیم دی گئی ہے جس سے مفسرین کے نزدیک مراد یا تو رات ہے جب خوب اندھیری ہو یا آفتاب ہے جب غروب ہو جاتے یا چاند ہے جب اسکو گھن لگ جاتے ان میں سے کوئی معنی ہوں ایک اتنی بات یقینی ہے کہ غاسق میں سے شر کا پیدا ہونا اسکے وقوب (یعنی کسی چیز کے نیچے چھپ جانے پر) مبنی ہے اور ظاہر ہے وقوب (چھپ جانے) میں اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ ایک چیز کا علاقہ ہم سے منقطع ہو جاتے اور جو فوائد اسکے ظہور کے وقت ہم کو حاصل ہوتے تھے وہ اب ہاتھ نہ آئیں (کیونکہ مسبب کا وجود اسباب کے وجود پر موقوف ہوتا ہے) اور ہر چیز کا بقاء اسی پر موقوف ہے کہ وہ مہلکات و حوادث سے محفوظ رہے اور اگر وہ لگا یا ہوا پودا اسباب بقاء و زندگی سے محروم ہو جاتے تو لامحالہ وہ کملا کر خشک ہو جاتے گا (تو آفات میں یہ دوسری قسم ہے آفت کی) اب اس کے بعد تیسرا تعوذ "نَفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ"، سے کیا گیا جو ساحرانہ عمل ہے اور سحر کے اثر سے مسحور کو ایسے امور عارض ہو جاتے ہیں جن سے اصل طبیعت کے آثار اصلیہ و طبیعیہ مغلوب ہو کر دب جاتے ہیں تو سحر کی یہ آفت اس آفت سے بہت مشابہ ہوگئی جو پودے پر برف وغیرہ کے گرنے اور حرارت غریزیہ کے محتقن (بند) ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی تھی جس سے اس کا نشوونما رک جاتا تھا لبید بن الاعصم کے قصہ میں جو الفاظ آتے ہیں فقام علیہ الصلوٰۃ والسلام کانما انشط من عقال ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز

نے مستولی ہو کر آپ کے مقتضیات طبیعت کو چھپا لیا تھا جو جبریل علیہ السلام کے تعوذ سے باذن اللہ دفع ہو گئی اب ان آفات ہیں سے تحرز (پرہیز کرنا) ضروری قرار دیا گیا صرف ایک آخری درجہ باقی ہے یعنی کوئی مالک باغ کا دشمن بر بناء عداوت و حسد پودے کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دے یا اس کی شاخ و برگ کاٹ ڈالے تو شر کے اس مرتبہ کو مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ نے بہت ہی وضاحت کے ساتھ ادا کر دیا ہاں اس تقریر میں اگر کچھ کمی ہے تو صرف اتنی کہ کبھی کبھی تخم کو ان چاروں آفات میں سے کسی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا بلکہ روئیدگی سے پہلے ہی یا تو بعض چیونٹیاں اس تخم کے باطن سے وہ خاص جوہر ہی چوس لیتی ہیں جس سے تخم کی روئیدگی اور نشو و نما ہوتی ہے اور جس کو ہم "قلب الحبوب" یا "سویداء تخم" سے تعبیر کرتے ہیں یا اندر ہی اندر گھن لگ کر کھوکھلا ہو جاتا ہے اور قابل نشو و نما نہیں رہتا شاید اسی کمی کی تلافی (یا مہلکات کی تکمیل) کے لئے دوسری سورت میں "الوسواس الخناس" کے شر سے استعاذہ کی تعلیم فرمائی گئی کیونکہ وسواس ان ہی فاسد خطرات کا نام ہے جو ظاہر ہو کر نہیں بلکہ اندرونی طور پر ایمان کی قوت میں رخنہ ڈالتے ہیں جن کا علاج عالم الخفیات والسرائر کے علاوہ کسی کے قبضہ میں نہیں لیکن وساوس کا مقابلہ ایمان سے ٹھہرا تو دفع وسواس کے واسطے ان ہی صفات سے تمسک کرنے کی ضرورت ہوئی جو ایمان کے اصل مبادی و مناشی شمار کئے جاتے ہیں اور جن سے ایمان کو مدد پہنچتی ہے اب تجربہ سے معلوم ہوا کہ سب سے اول ایمان (انقیاد و تسلیم) کا نشو و نما حق تعالیٰ کی تربیت ہائے بے پایاں اور انعامات بے غایت ہی کو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے پھر جب ہم اس کی ربوبیت مطلقہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارا ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ وہ رب العزت مالک الملک اور شاہنشاہ مطلق بھی ہے کیونکہ تربیت مطلقہ کے معنی ہر قسم کی جسمانی و روحانی ضروریات کو بہم پہنچانے کے ہیں۔

اور یہ کام بجز اس ذات منبع الکمالات کے اور کسی سے بن نہیں پڑ سکتا جو ہر قسم کی ضروریات کی مالک ہو اور دنیا کی کوئی ایک چیز بھی اس کے قبضہ اور اقتدار سے خارج نہ ہو سکے ایسی ہی ذات کو ہم مالک الملک اور شاہنشاہ مطلق کہہ سکتے ہیں اور لا ریب اسکی یہ شان ہونی چاہئے لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ گویا مالکیت و ملکیت ایسی قوت کا نام ہے جس کی فعلیت کا مرتبہ ربوبیت سے موسوم ہوتا ہے کیونکہ ربوبیت کا خلاصہ اعطاء منفعت اور دفع مضرت ہوتا ہے اور ان دونوں چیزوں پر قادر ہونا ملک علی الاطلاق کا منصب ہے پھر ذرا آگے بڑھتے ہیں تو ملک علی الاطلاق کے ہونے ہی سے ہم کو اس کی معبودیت اور الوہیت کا سراغ بھی ملتا ہے کیونکہ معبود اسی کو کہتے ہیں جس کے حکم کے سامنے گردن ڈال دی جاتے اور اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی دوسرے کے حکم کی اصلاً پروانہ کی جاتے تو ظاہر ہے کہ یہ انقیاد و بندگی بجز محبت کاملہ اور حکومت مطلقہ کے اور کسی کے سامنے سزاوار نہیں اور دونوں چیزوں کا اصلی مستحق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا اس لئے

معبودیت اور الوہیت کی صفت بھی تنہا اسی وحدہٗ لا شریک کے لئے ثابت ہو گئی پڑھو! اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا:

غرض سب سے اول جو صفت ایمان کا مبداء ہے وہ ربوبیت ہے اور اسکے بعد جو صفت ہے وہ ملکیت ہے اور ان سب کے بعد الوہیت کا مرتبہ ہے پس جو شخص اپنے ایمان کو وساوس شیطانی کی مضرت سے بچانے کے لئے بارگاہِ الٰہی میں جو چارہ جوئی کرے گا اس کو اسی طرح درجہ بدرجہ نیچے کی عدالت سے اوپر کی عدالت میں جانا مناسب ہوگا جس طرح اس نے بالترتیب اپنی صفات رب الناس، ملک الناس الٰہ الناس کو سورۃ "الناس"، میں بیان فرما دیا اور عجیب بات یہ ہے کہ جس طرح مستعاذ بہٖ کی جانب میں یہاں تین صفتیں بغیر واوِ عطف اور بغیر اعادہ باجارہ کے مذکور ہیں اسی طرح مستعاذ منہ کی جانب بھی تین چیزیں نظر آتی ہیں جو صفت در صفت بیان کی گئی ہیں اسکو یوں سمجھ سکتے ہو کہ لفظ وسواس کو الوہیت کے مقابلہ میں رکھو کیونکہ جس طرح مستعاذ بہٖ حقیقی الٰہ الناس ہے اور ملک و رب اسی تک رسائی حاصل کرانے کے عنوان قرار دیئے گئے ہیں اس طرح مستعاذ منہ کی حقیقت یہی وسواس ہے جس کی صفت آگے خناس بیان فرمائی ہے خناس سے مراد یہ ہے کہ شیطان بحالت غفلت آدمی کے دل میں وسواس ڈالتا رہتا ہے اور جب کوئی بیدار ہو جاتے تو چوروں کی طرح پیچھے کو کھسک آتا ہے ایسے چوروں اور بدمعاشوں کا بندوبست اور انکے دستِ تعدی سے رعایا کو مصئون اور مامون بنانا بادشاہانِ وقت کا خاص فریضہ ہوتا ہے اس لئے مناسب ہوگا کہ اس صفت کے مقابل ملک الناس کو رکھا جاتے اور اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ، جو خناس کی فعلیت کا درجہ ہے اور جس کو ہم چور کے نقب لگانے سے تشبیہ دے سکتے ہیں اسکو رب الناس کے مقابلہ میں (جو حسب تحریر سابق ملک الناس کی فعلیت کا مرتبہ ہے) شمار کیا جاتے پھر دیکھئے کہ مستعاذ منہ اور مستعاذ بہٖ میں کس قدر تام اور کامل تقابل ظاہر ہوتا ہے (انتہیٰ کلامہٗ)۔

غرض حق تعالیٰ شانہٗ نے ان دونوں سورتوں میں ہر قسم کی آفات اور بلاکتوں سے بچنے کیلئے استعاذہ اور پناہ حاصل کرنے کی تعلیم وتلقین فرمائی۔

پہلی سورت میں رب فلق کی پناہ جن مہالک سے بیان کی انکی مناسبت سے سورۃ الناس میں حق تعالیٰ کی تین عظیم صفات رب الناس، ملک الناس، الٰہ الناس کی پوری پوری مناسبت ظاہر ہو گئی اور یہ بھی ظاہر

سه اس ناچیز کا حضرت الاستاذ شیخ الاسلامؒ کی پر تحقیق اختتام تفسیر پر بعینہٖ ان ہی کی تعبیر اور کلمات میں نقل کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ خود شیخ الاسلامؒ نے سورۃ والنجم کی آیات کی تفسیر اپنے استاذ خاتم المحدثین حضرت شاہ سید محمد انور قدس اللہ سرہٗ انکی عبارت اور کلمات میں نقل فرمائی جس کا استاذِ محترمؒ نے فتح الملہم میں بڑے اہتمام وعظمت کے ساتھ ذکر فرمایا - ۱۲

ہو گیا کہ فتنوں اور ہلاکتوں میں ایک حسی اور ظاہری فتنے ہیں اور ایسے جرائم و خباثت ہیں جو مادی اور حسی طور پر نہایت ہی ہیبت ناک ہیں جو شیطانِ اسود (کالے شیطان) کا اغواء و اضلال ہے یہ اغواء اضلال اگرچہ نہایت ہی قبیح و ہیبت ناک ہے جس میں قتل و غارت گری بدکاری جیسے موذی افعال ہیں لیکن ان سے بڑھ کر خطرناک فتنہ اور گمراہی شیطان ابیض (گورے شیطان) کی ہے جو عقائد و نظریات اور افکار و خیالات کی گمراہی سے دنیا کو ہلاک اور تباہ کرتا ہے اس وجہ سے اس سے پناہ مانگتے ہوئے خدا کی تین صفتیں بیان فرمائی گئیں کہ اس ہلاکت سے بچاؤ اسکی ربوبیت مالکیت اور الوہیت ہی کی صفت اور شان سے ہو سکتا ہے اس قسم کی تباہی اور ہلاکت وہ ہے جس کا ذکر حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا یصبح الرجل مؤمناً ویُمسی کافرًا یمسی مؤمنا ویصبح کافرًا کہ صبح کو اٹھے گا تو مومن ہو گا لیکن جب شام کا وقت آئے گا تو کافر ہو گا یا شام کو مومن ہے تو صبح کافر اُٹھے گا تو اس قدر جلد تبدیلی ایمان و کفر کی یہ ایسے وساوس سے ہی ہوتی ہے جو شیطان ابیض کی طرف سے گمراہی اور ہلاکت کا ذریعہ ہوتی ہے کہ عقیدہ اور نظریہ کا بگاڑ یہ اسکی حرکت ہے ورنہ انسان میں عملی گمراہی اس قدر جلد نہیں آتی اور کبھی ایسا تصور نہیں کیا جا سکتا کہ صبح کو ایک شخص عفیف و پاکدامن ہو اور شام کو چور زانی، بدکار، اور شرابی نظر آئے اس وجہ سے اس ہلاکت کو اہم سمجھتے ہوئے اس سے تحفظ اور بچاؤ حق تعالیٰ شانہٗ کی تین عظیم صفتوں کے ساتھ استعاذہ میں فرما دیا گیا، اللّٰھم احفظنا من الفتن ما ظھر منھا وما بطن رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ۔



کلمات دعاء یہ

یہ ناچیز گناہگار اپنی تقصیرات کا اعتراف کرتے ہوئے اس رب کریم کا شکر ادا کرتا ہے جس کی محض توفیق وتیسیر سے تفسیر معارف القرآن کی تکمیل کی سعادت سے بہرہ ور ہو رہا ہے اے اللہ تیرا شکر ہے کہ آج تیرے کلام پاک کی تفسیر تیرے ہی فضل وکرم سے اختتام پذیر ہو رہی ہے تیری بارگاہ قدس میں دست بدعا ہوں کہ اسکو قبول فرمالے درگذر کرتے ہوئے قبول فرمالے۔

اے میرے پروردگار میں معترف ہوں کہ نہ میں اخلاص کا حق ادا کر سکا اور نہ ہی اس عظیم خدمت کی عظمت وبرتری کے شایان شان کچھ ہو سکا بس یہی ہے جهد المقل دموعۂ ناتواں کی کوشش اسکے چند آنسو ہیں اے میرے پروردگار میں اپنی تمام تقصیرات وعیوب پر نادم وشرمندہ ہوں نہ میرے دامن میں علم ہے نہ ہی تقویٰ اور عمل صالح کا ذخیرہ ہے۔

اے اللہ میں اپنے قصور علم وفہم کی وجہ سے تیرے کلام پاک کے معارف وحقائق کے سمندر میں سے ایک قطرہ بھی نکال کر پیش نہ کر سکا میری یہ کاوش بس ایک بے قیمت اور کھوٹی پونجی ہے جو میں تیری بارگاہ میں پیش کرتے ہوئے وہی التجاء کرتا ہوں جو تیرے پیغمبر یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کی تھی وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا کہ ہم ایک کھوٹی پونجی لے کر آئے ہیں لیکن اے یوسفؑ تو ہمارا پیمانہ بھر کر دیدے اور مزید انعام بھی فرما تو یوسف کریم ابن الکریمؑ کے ربّ کریم تیری بارگاہ میں یہی عرض ہے کہ یہ کھوٹی پونجی ہے مگر اس پر اجر وثواب کے پیمانے بھر بھر کر عطا فرما دینا تُو تو رب کریم ہے اور میں ندامت وشرمندگی کے ساتھ تیری بارگاہ میں طالبِ عفو ہوں کہ میری تقصیرات معاف فرمادے میری توبہ قبول فرماتے ہوئے جس طرح اے رب العالمین تو تائبین کے سیئات کو حسنات سے بدل دیتا ہے اسی طرح جو میری برائیاں اور سیئات ہیں تو اپنے فضل وکرم سے انکو حسنات سے بدل دے۔ رَبِّ تَقَبَّلْ مِنِّی اِنَّكَ اَنْتَ السميع العليم وتب عَلَیَّ انّكَ انت التواب الرحيم. ربِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ رحمةً انّك انت الوهّاب. رَبَّنَا اغفر لَنَا وَلِاخوانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيمانِ وَلَا تجعل فِیْ قلوبنا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمنُوا ربّنا انّكَ انت الرءوف ربِّ اغفرلی ولِوالدی ولمن دخل بيتی مؤمنًا وللمؤمنين والمؤمنات.

اے اللہ تو میرے والد محترم مولانا محمد ادریس کاندھلوی (قدس اللہ سرہٗ) وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ (اے تو نی حکایۃً لحال الماضی) وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا جن کی تفسیر کا یہ تکملہ میں آج پورا کر رہا ہوں انکو اپنی بے پایاں عنایات سے اور رحمتوں سے سرفراز فرما جنت الفردوس میں انکے درجات بلند فرما انکے علوم وفیوض سے مسلمانوں کو متمتع فرما آمین یا رب العالمین، آمین یا رب العالمین، آمین یا رب العالمین -

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ وَتُبْ عَلَيْنَآ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ط

دُعَاءُ خَتْمِ الْقُرْاٰنِ

اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِيْ فِيْ قَبْرِيْ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَاجْعَلْهُ لِيْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِيْ مِنْهُ مَا نَسِيْتُ وَعَلِّمْنِيْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِيْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَآءَ اللَّيْلِ وَاٰنَآءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِيْ حُجَّةً يَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ

ناچیز عاصی وخاطی
محمد مالک کاندھلوی غفر اللہ ذنوبہٗ وستر عیوبہٗ
یوم الاثنین بعد صلوٰۃ العصر ۱۵ صفر المظفر ۱۴۰۷ھ
۲۰ اکتوبر ۱۹۸۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصدیق نامہ



ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر

مکتبۃ المعارف دار العلوم حسینیہ شہداد پور کی مطبوعہ تفسیر معارف القرآن جلد ہشتم (تکملہ) مصنفہ حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ابن حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پارہ ۲۸ - ۲۹ - ۳۰ کا متن قرآن کریم بغور پڑھا۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ اس کے متن قرآن کریم میں کوئی کمی بیشی یا اعراب کی غلطی نہیں ہے۔

واللہ اعلم

عبد المنان شہداد پور
رجسٹرڈ پروف ریڈر برائے قرآن کریم
۲۰ رجب ۱۴۲۱ھ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

۱۴۳۱

مکتبۃ المعارف

دار العلوم الحسینیہ شہداد پور

سندھ، پاکستان